اشکم از پردہ بروں آمد و غوغا برداشت

اسی سیلاب اشک نے ایک ایسی صورت اختیار کرلی جو ان کاغذی پرزوں کی شکل میں ہر جگہ بکھرا ہوا ملے گا۔ اور مجھ سے ایک بے بضاعت کے لئے، اس کے سوا اور کیا طریقہ تھا؟ ؎

جز ایں کہ سینہ چاک، جگر خوں کند کسے — اظہارِ دردِ دل بہ چہ مضموں کند کسے

اس مقالہ کی ترتیب میں کس قدر خاک چھاننی پڑی ہوگی، اس کے لئے کتاب کا ہر ایک صفحہ شہادت دے سکے گا۔ غالباً طب سے متعلق اپنی نوعیت کا یہ پہلا مضمون ہے۔ میں نے صرف "اسلامی طب" کی حد تک ایک کام کی ابتدا کی ہے یہ تو کھلی ہوئی بات ہے کہ ہر تحقیقاتی کام میں ضرور اضافہ ہوتا چلا آیا ہے اور کیا عجب ہے کہ میرے محدود معلومات کے لحاظ سے اس مضمون کی "ہندی کی چندی" کرکے رکھ دی جائے یہ یقین و باور کرنے کے لئے کافی گنجایش بھی موجود ہے کہ فنِ طب ایک ایسا ناپیداکنار بحر ہے، جس سے پار اُترنا، یا جس کا احاطہ کرنا بس کی چیز نہیں اس مضمون میں ہزاروں ایسے باکمال اور ائمہ فن ہوں گے جن کا تذکرہ اور جن کے کمال کو اُجاگر کرنے اس سلسلے میں پیش کرنا ضروری ہوگا، اور وہ ہی میرے قلم انداز ہوگئے ہوں چنانچہ اثنائے طباعت میں جنوری ۳۳ء کے "معارف" میں مولوی عبداللہ صاحب چغتائی کا ایک مضمون نظر سے گزرا، جس میں موصوف نے لکھا ہے کہ

"یحییٰ بن عیسیٰ جزلہ (المتوفی ۴۹۳ھ) کی کتاب "تقویم الابدان" کا ایک نایاب ترین نسخہ، نہایت اچھی حالت میں گجرات کے علاقہ انکلیشور میں موجود ہے جو خط نسخ

۱؎ ان کے حالات طبقات الاطباء جلد اول صفحہ ۲۵۵ پر اور اخبار الحکماء قفطی مطبوعہ مصر میں صفحہ ۲۴۳ پر مل سکتے ہیں۔

میں شکستہ میں، شیرازہ خرمات لکھا گیا ہے، اور مخطوطہ کے سرورق پر یہ عبارت درج ہے

"کتاب تقویم الابدان و اسباب کل مرض و علامتہ و رتبہ یحییٰ بن عیسیٰ بن جزلہ رحمۃ اللہ تعالیٰ

بجمیع المومنین و صاحبہ و کاتبہ الفقیر الی رحمۃ اللہ تعالی و عفوہ ذنبہ المتمسک باذیال فضلہ و

احسانہ حمید بن عمر بن عبد الجبار الورزقیتی کتبہ لنفسہ فی سنۃ ثمان و ثمانین و خمس مائۃ"۔

ظاہر ہے کہ، ایسی بہت سی چیزیں ہوں گی ممکن ہے کہ کچھ فرو گذاشتیں بھی مجھ سے سرزد ہو گئی ہوں، اور جن باتوں کو میں اہمیت دے رہا ہوں، وہ درحقیقت کچھ نہ ہوں اور یہ کہنے والے یہ کہہ اٹھیں ۔

آنچہ، یاقوت گفتہ، میناست — چہ فروشی! کہ جوہری بیناست

یہ مقالہ تین بڑے حصوں پر محیط ہے، پہلا۔ عرب و دیگر مسلمان سلاطین، اور اطباء کی طبی مساعی پر منحصر ہے دوسرا۔ شمالی ہند کے بادشاہوں اور طبیبوں کے کارناموں پر مشتمل رکھا ہے، تیسرا حصہ ۔ دکن کے حکمرانوں اور دکنی اطباء سے متعلق ہے۔

میرے اس مقالہ کا بڑا مقصد یہ بھی ہے کہ "طب اسلامی" کی وقعت لوگوں کی نظروں میں، دوبارہ پیدا ہو جائے۔ پوری کتاب میں، ایک طرف عام دلچسپی خاص طور پر ملحوظ رکھی گئی ہے، اور دوسری طرف صاحبانِ فن کو ان کے اسلاف کے کارنامے سنائے گئے ہیں کہ وہ ان کو پڑھ کر کچھ گرما جائیں۔

میں نے اس دوران میں، فن طب پر جس قدر غور کی ہے اس سے اس نتیجہ پر پہنچا کہ جو شخص جس ملک کا باشندہ ہوگا اس کو وہیں کی آب و ہوا راس آئے گی، اور اسی سرزمین کی دوائیں، اس کے مزاج کے موافق بھی ہوں گی۔ کسی ایک مخصوص خطہ کی ادویہ سے دوسرے ممالک کے باشندوں کا علاج کرنا درست نہیں۔ خود نظام قدرت اور نیچر کے خلاف ہے۔ اگر فائدہ کی کوئی صورت بھی ہوگی تو اس کا اثر بہت دیر میں ظاہر ہوگا، ہمیں یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے، اور کہنا چاہئے کہ یونانی، دیسی یا انگریزی،

ادویہ کی عوض ہم ہندی دواؤں سے ہندوستانیوں کا علاج کریں، تو ان کو بہت جلد، اور حیرت انگیز فائدہ پہنچے گا نہ یونانی دوائیں تنہا فائدہ پہنچا سکتی ہیں، اور نہ انگریزی ہی ہمیں چاہئے کہ ہم ایک فنی اور علمی حیثیت سے ایسی طب کی بنیاد رکھیں اور ایسا معالجہ شروع کردیں کہ ہر طب سے اپنے مقصد کے موافق فائدہ اٹھا سکیں اور اس کی ہر اچھی چیز کو بے پس و پیش اختیار کرلیں، خواہ وہ انگریزی ہو یا یونانی یا ہندی ہمیں کسی قسم کا تامل نہ ہونا چاہئے کہ ع

یک سجدہ بردو قبلہ ہم از اختراع ماست

ہماری ناقص اور ذاتی رائے ہے کہ ہمیں اپنی "اردو زبان" کی طرح، ایک ایسی ہی طب بھی حاصل کرلینی چاہئے، جو ہر قوم کی سرمایہ دار ہوسکے۔ شاید اس قسم کی کوششوں اور محنتوں سے ہم ایک ایسا فن حاصل کرلیں، جو سارے زمانہ کو اعجوبہ میں ڈال دے۔ ہندوستان کے اکثر سلاطین نے اسی خیال سے کہ ہندوستانیوں کو ہندی ہی طب سے فائدہ پہنچے گا، اس کی سرپرستی کی، اور اپنی اسلامی طب کے ساتھ ساتھ اس کو شیر و شکر کرلینا چاہا چنانچہ بہت سے فاضل اور سنجیدہ بزرگوں نے اس قسم کی تحقیقات میں ساری زندگی صرف کردی اپنی عمر بھر کی کمائی اور تجربوں کو ہمارے لئے، یادگار چھوڑ گئے کہ ہم ان کی کوششوں پر ایک ایسی عمارت تعمیر کرلیں جو ہمارے لئے ہر طرح سے مفید اور سود مند ثابت ہو، اگر ہم اس قسم کی سعی شروع کردیں اور اصولی تحقیقات کرکے اپنی طب میں اضافہ کرلیں، تو ہمارا نام دنیا کی تاریخ میں ایک روشن باب کے ذریعہ مذکور ہوگا درحقیقت۔

دورِ عثمانی

کے زیر سایہ یہ سب کچھ ہوسکتا ہے، اور اس عہد کے ان برکات کو ہمارا عمل بالخیر

کی طرح سارے عالم میں روشنی پہنچانے کا ضامن ہو گا ؎

وقت ست اے حریف کہ خمے در سبو کنند ؎ دُزدی کشاں بہ منزلِ مقصود رُو کنند

اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ ہندی طب اسلامی (یونانی) طب کے مقابلہ میں زیادہ ترقی یافتہ نہیں اور اسی طرح یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ مغربی طب کے مقابلہ میں اسلامی (یونانی) طب کی قدیم تحقیقات تہ کرکے رکھ دینے کے قابل ہیں۔ مگر آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ طب جدید کے حاملین نے آپ ہی کے آبا و اجداد کی تحقیقات اور اُن کی کتابوں کو پڑھ پڑھ کر آج دنیا میں انقلاب پیدا کر دیا اور نئے نئے نظریہ پیش کئے لیکن آپ نے کبھی ان علمی خزانوں کو چھونے کی بھی زحمت گوارا نہ فرمائی۔ آج اُٹھئے! اور اپنی طب کو اعلیٰ و ارفع حیثیت دے کے اُس میں ریسرچ اور علمی تحقیقات کے ذریعہ ہندی علم الادویہ اور مغرب کے ترقی یافتہ اصولوں کو اپنے فن میں جذب کر لینے کی کوشش کیجیے، ورنہ یہ یاد رکھئے کہ خالی آبا و اجداد کی سیکڑوں برس پیشتر کی محنت پر تکیہ کرنے سے کچھ حاصل نہ ہو گا گو اس میں شک نہیں کہ آپ کے بزرگوں نے ایک حد تک مکمل اور اعلیٰ درجہ کا فن آپ کے لئے ورثے میں چھوڑا ہے، مگر اس کو دیکھئے کہ غیر اسی فن کو لے کر اُس پر تحقیق و انکشافات کے وسیلہ سے آپ کے آباد سے اولین کی محنتوں پر اپنے لئے جدید شہرت و عزت کی عمارت تعمیر کر رہے ہیں، جس پر کہ آپ اور صرف آپ ہی کو حق پہنچتا تھا۔

ہمیشہ سے یہ اصول چلا آیا ہے کہ ہر قدیم چیز پر آنے والے ضرور اضافہ کرتے اور اپنی تحقیقات سے اس کو اعلیٰ و ارفع درجہ پر پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں کہ زمانہ کے ساتھ ساتھ اُس کی تغیر پذیری کی وجہ سے "درمع الدہر کیف دار" کی مصداق وہ چیز بھی ساتھ دے سکے، اگر مسلمان یونانی طب کو ترقی نہ دیتے تو آپ تک بھی

ایسا شاندار فن نہ پہنچ سکتا تھا، اور نہ خود مغربی طب ہی آج اس قدر اعلیٰ پایہ پر ہو سکتی تھی۔ اسی طرح اب آپ پر بھی اس فن سے متعلق کچھ نہ کچھ خدمت کرنی فرض ہے۔

اگر میری یہ کوششیں بار آور ہوئیں اور محافظین صحت نے، ان ناچیز مساعی کو قدر کی نگاہوں سے دیکھا، اور کچھ کام کرنے کے لئے، فن سے محبت کرنے والے پیدا ہو گئے تو بس محنت ٹھکانے لگی، اور اس کے برخلاف اگر یہ کاوش آپ کی نظر میں رائگاں ثابت ہو اور ایک فضول بکواس سے زیادہ درجہ حاصل نہ کر سکے تو سمجھئے کہ ع

این دفتر بے معنی، غرق مئے ناب اولیٰ

آخر میں میں مولانائے محترم مولوی عمر یافعی صاحب (مدظلہ) کا شکرگزار ہوں کہ موصوف نے، اس دشوار گزار رستے میں خضر راہ بن کر ہمیشہ کی طرح اس موقع پہ بھی رہبری فرمائی۔ حضرت صفی اورنگ آبادی مدظلہ اور ان احباب کا بھی رہین منت ہوں، جن کی مخلصانہ نوازشیں اس نوبت پر میرے شامل حال رہیں۔

۲۹ ذی حجۃ الحرام ۱۳۵۵ھ
بیرون یاقوت پورہ، نوازش منزل
حیدرآباد دکن

معین الدین رہبر فاروقی

تعارف

مولانا حکیم مقصود علی خاں

(افسر الاطباء دولت آصفیہ)

کی

تقریظی روشنی میں

۷۸۶
۴۹۲

محبی (ابنِ مظہر) قاضی معین الدین صاحب "رہبر فاروقی" (منشی فاضل) ملک کے نوجوانوں میں ایک سنجیدہ اہلِ قلم ہیں۔ اب تک مختلف عنوانوں پر انکے جتنے مضامین بھی چھپے، اُن کے دیکھنے سے طبیعت میں ایک گونہ علمی و تحقیقی اُٹھان پائی جاتی ہے جو مصنف کو کامیاب بنانے کی پوری پوری ضمانت دے سکتی ہے۔ ملک کی موجودہ "جلد بازی" کی فضائے تالیف و تصانیف سے (مصنف بننے کے شوق میں) متأثر نہ ہو کر اپنے مطالعہ کو پختہ کرنے کے بعد (جیسا کہ اسلامی طب میں کام لیا گیا ہے) کسی موضوع پر قلم اُٹھایا کریں تو وہ دن دُور نہیں ہوگا کہ ملک کے چوٹی کے مصنفین میں انھیں ایک خاص امتیازی نشان حاصل ہو کر رہے گی۔ ان کی فطری صلاحیت و کتابی قابلیت اور سب سے بڑھ کر خداداد ذہانت سونے پر سہاگے کا کام دیا کرے گی۔ چنانچہ "اسلامی طب" کو پڑھنے کے بعد مولانا حکیم مقصود علی خاں (افسر الاطباء، دولتِ آصفیہ) نے اپنی رائے ان الفاظ میں لکھی ہے کہ:۔

> "قاضی معین الدین صاحب رہبر فاروقی ملک کے نوجوان ہونہار، قابل افراد میں سے ہیں، ان کی تالیف "اسلامی طب شاہانہ سرپرستیوں میں" میں نے پڑھی، جس محنت اور کد و کاوش کے ساتھ بکھرے ہوئے موتی سمیٹے گئے ہیں اس کی داد نہ دینا مؤلف پر ظلم کرنا ہے۔"
>
> امید ہے کہ ان کی یہ تالیف دلچسپی کے ساتھ پڑھی جائے گی، اور ملک اس کی قدر کرے گا۔"
>
> یہ نوجوان ہیں، اور ان میں ترقی کے آثار پائے جاتے ہیں، یہ ان کی پہلی کوشش ہے۔ امید ہے کہ یہ اگر اس سلسلہ

کو جاری رکھیں گے تو آئندہ ملک کے اچھے مصنفین میں ان کا شمار ہوگا۔"

"اسلامی طب" کا موضوع ایک ایسا پُرعظمت موضوع ہے کہ اسلامی علوم کے نقطۂ نظر سے مولانا شبلی مرحوم کے بعد سے شاید ہی کسی نے آج تک توجہ کی ہو۔ کتاب کا طرزِ بیان نہایت ورشگفتہ و برجستہ ہے، واقعات کی ترتیب میں بڑے سلیقہ کے ساتھ کام لیا گیا ہے، کتاب میں ہر جگہ دلچسپی پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے جس کے باعث اسے اول سے آخر تک پڑھنے کو بے اختیار جی چاہتا ہے۔ گو یہ کتاب اپنے موضوع پر ایک مستقل کتاب کی تعریف میں داخل نہیں ہوتی، بل کہ اس کا "خاکا" معلوم ہوتا ہے۔ لیکن مؤلف کے طبعی ذوق و شوق نے اس "خاکے" کے لئے بھی سیکڑوں کتابوں کی ورق گردانی کی کٹھن زحمت بھی برداشت کی۔ اور حیرت کی بات یہ ہے کہ یہ ساری کتابیں انھیں ملک ہی میں میسر آگئیں۔ ان میں بعض کتابیں تو "نوادر" کا بھی حکم رکھتی ہیں۔ موضوع کے لحاظ سے ممکن ہے کہ اور بیسیوں کتابیں قابلِ مطالعہ نکل آئیں، اور ان کے لئے بیرونِ ملک سفر کی ضرورت بھی داعی ہو، مگر ؎

مرا بہ تجربہ معلوم شد بہ پس از سی سال
کہ قدرِ مرد بہ علم است و قدرِ علم بہ مال

کیا عجب ہے کہ اس کتاب کو ہماری فیاض و علم پرست حکومت ملاحظہ فرمانے کے بعد اس سے کہیں وسیع تر پیمانے پر لکھنے کے اسباب مہیا کردے، اور مؤلف کو اطمینان کے ساتھ اپنی قابلیت کے جوہر دکھانے کا موقع ملے۔

چوں کہ مؤلف میرے رفیقِ طریق ہیں، اور اپنے دیباچۂ کتاب میں بھی ایک خاص نہج سے میرا ذکر کیا ہے، اس لئے ڈر ہوتا ہے کہ میں کچھ اور زیادہ لکھوں تو کہنے والے کہیں گے کہ اپنی آپ تعریف کی ہے۔ آپ کتاب پڑھئے اور صحیح رائے قائم کیجئے۔ میرے دل سے تو یہی نکلی ہے کہ

ع "اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ"

عمر یافعی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلامی طب شاہانہ سرپرستیوں میں

اور چیزوں سے قطع نظر اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ ثابت ہوگا کہ، درحقیقت دنیا کو دو علموں کی ضرورت ہے، اور بقیہ علوم اُس کی متضاد فطرت کا نتیجہ ہیں۔ جن کے بغیر بھی دُنیا کے کاروبار آسانی سے نہیں تو کم از کم کسی نہ کسی حیثیت سے تکمیل پا سکتے ہیں۔ آج سے ہزاروں سال قبل دُنیا کا کیا حال تھا اور اُس وقت انسانی تمدن و زندگی کس نوبت پر تھی، وہ جاننے والوں سے پوشیدہ نہیں، مگر زمانۂ ماقبل تاریخ میں بھی، یا یوں کہیئے کہ ابتدائے آفرینش ہی سے انسان کو پہلے پہل صرف دو علوم ہی سے سابقہ پڑا، اگر یہ کہا جائے تو کچھ بیجا نہ ہوگا کہ ابن آدم کے عالم وجود میں آتے ہی "عِلْمُ الْاَدْیَان" کی بجائے اُسے "عِلْمُ الْاَبْدَان" کی ضرورت پیش آئی۔ جب وہ اپنی معصومانہ زندگی ختم کر کے عالم ہوش میں پہنچا تو اُسے "علم الادیان" کی طرف متوجہ ہونا پڑا کہ بقائے صحت ہی پر سارے دینی و دنیوی امور موقوف ہیں۔

ہر انسان کا کوئی نہ کوئی مذہب ہوتا ہے اور ہر شخص کسی نہ کسی حیثیت سے خدائے ذوالجلال کے وجود کا مُقر نظر آتا ہے، یا آخر یہ محسوس ہونے لگتا ہے کہ ایک ہی ذات مختلف ناموں اور مختلف طریقوں سے مسجودِ عالم بنی ہوئی ہے۔ اسی لیے کسی نے کیا خوب کہا ہے :-

وَلِلنَّاسِ فِیْ مَا یَعْشَقُوْنَ مَذَاهِبَ (یعنی عشق میں لوگوں کے اپنے اپنے طریقے ہیں) اُن طرقِ متضادہ کی تعلیم ہر شخص کو اس کی ہمت کے موافق حاصل کرنی پڑتی ہے۔ گو اب زمانہ کے تغیر سے بعض لوگ "لامذہب" سمجھے جاتے ہیں، اس کے باوجود یہ شدت کے ساتھ احساس ہونے لگتا ہے کہ ان کے نزدیک اُن کا یہ منتہائے خیال "مادہ" ہی خلاقِ عالم ہے جسے وہ اپنی زبان میں وہ نام دے لیتے ہیں اور ہم اسی کو ترقی دیکر، خدائے لایزال کہتے ہوئے آمَنَّا وَصَدَّقْنَا پڑھتے ہیں :-

حرم جویاں درے را می پرستند | فقیہاں دفترے را، می پرستند
برافگن پردہ تا معلوم گردد | کہ یاراں، دیگرے را، می پرستند

مگر حقیقت بیں نگاہوں سے، یہ پوشیدہ نہیں ہے کہ ایسے اشد بھی موقع پر ضرور اپنے آبائی مذہب کی تیج کرنے کے لیے کھڑے ہو جاتے ہیں، اور اسی وجہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مذہب انسان کی ایک فطری چیز ہے جس سے کسی حالت میں بھی مفر نہیں ہو سکتا۔ اسی لیے حکیم عالمیان حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ امی وابی) نے یہ ارشاد فرمایا "اَلْعِلْمُ عِلْمَانِ، عِلْمُ الْاَدْیَانِ وَعِلْمُ الْاَبْدَانِ" یعنی علم دو ہیں، ایک علمِ دین دوسرا علم صحت بدن (طب)

علم طب کی ابتداء

انسانی عقل اس بات کو تسلیم کرتی چاہتی ہے کہ "علم طب" کوئی نیا علم نہیں ہوگا۔ جب سے کہ اس کرۂ خاکی پر اس کی تخلیق ہوئی اسی وقت سے "آبَاءِ اَوَّلِیْن" نے اپنی عقلی کارستانیوں اور قوتوں کے ذریعہ، اپنے

درمانوں کا علاج بھی ڈھونڈ لیا ہوگا، اسی لیے مسلمان مانتے آئے ہیں کہ حضرت آدم علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی پہلے انسان، اور سب سے پہلے طبیب تھے، جنھوں نے اس فن میں، خلاق عالم سے تلمذ حاصل کیا تھا۔ ان کے بعد ان کے بیٹے "شیث"[1] کو یہ علم وراثۃً ملا، گو اس فن نے ہزاروں سال تک علمی حیثیت اختیار نہ کی۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ اس علم کی مکمل تعلیم الہام کے ذریعہ "حضرت سلیمانؑ" کو دی گئی تھی۔ یہ تو مسلمانوں کے عقائد ہوئے، لیکن غیر مسلم اقوام میں، اگر یہودیوں نے "حضرت موسیٰؑ" کو اس علم کا موجد قرار دیا، تو دوسری طرف ہندوؤں نے "دھن نتری" اور مجوسیوں نے اپنے پیغمبر "زردشت" کو مخترع سمجھا۔ اس زمانہ کو مورخین "خورد و طبابت" سے موسوم کرتے ہیں، جو لازمۂ زندگی ہے۔ اور جس میں "عملیات و رُوحانیات" کے ذریعہ بھی علاج معالجہ کی ایک شاخ نکلی۔

ان سب سے الگ، ہر چیز کو علم و عقل کی صحیح روشنی میں دیکھنے والے مورخین نے یہ تسلیم کیا ہے کہ "اسقلی بیوس"[2] ہی ایک ایسا شخص گذرا ہے،

---

[1] شیث علیہ السلام کا نام اوریائی ثالث" و "اغاثا دیمون" بھی لکھا ہے، جس کے معنی اہل سعادت کے ہیں۔ یہ ہرمس الہرامسہ کے استاد ہیں جن کو عرب "ادریس" سمجھتے ہیں اور حضرت ادریس علیہ السلام سب سے پہلے شخص ہیں جنھوں نے شریعت اور حکمت سیکھی۔ ابو معشر لکھتا ہے کہ "ہرمس الہرامسہ" کئی لوگ ہیں۔ ہرمس کو یونانی میں "ارمس" کہتے ہیں اور ہرمس معرب ہے جس کے معنی عطارد ہیں۔ یونانیوں نے اپنی زبان میں ان کا نام "طرشمیر" رکھا ہے۔ اور عبرانی میں خنوخ، اور تاریخ میں اہلا ایقنا بن انوس بن شیث بن آدم لکھا ہے۔ حضرت ادریس نے طوفانِ نوح سے پہلے ہی تمام علوم میں کمال حاصل کر لیا تھا۔ نوح کے طوفان کے بعد پھر ایک اور طوفان ہوا جس میں اہلِ مصر غرق کر دیئے گئے۔ اس طوفان کے بعد ادریس مصر سے نکلے اور تمام دنیا کی سیر کی اور پھر مصر واپس آ گئے۔ اس کے بعد قدرت نے انہیں آسمان پر بلا لیا (تاریخ حکما شہرزوری)

[2] بعض مورخین اسے پیغمبر بھی تسلیم کرتے ہیں۔ اور لکھتے ہیں کہ یہ ہرمس کا شاگرد تھا۔ اس نے لوگوں کو تحصیل علم کی رغبت دلائی اور تعلیم و تعلم کی ہمیشہ کوشش کرتا رہا۔ کہتے ہیں کہ اس کے بارہ ہزار شاگرد تھے۔ اس کے مرنے کے بعد لوگ اس کی قبر سے خدا کے طلبگار ہوتے تھے اور ہزار قندیل اس کی مرقد پر روشن کی جاتی تھیں (تاریخ الحکما، شمس الدین محمد شہرزوری)

جو "ابوالاطباء" تھا، اور جس نے سب سے پہلے، ایک فن کی حیثیت سے اس علم کی تحقیق و تلاش کی، اور اس کی داغ بیل ڈالی۔ معلوم ہوتا ہے کہ کچھ قدرتاً یونان کی خاک ہی، اس علم کے باکمالوں کے راس آئی تھی، جہاں سے بڑے بڑے نام آور اطبّا، پیدا ہوئے اس موجد طب کا بھی خمیر اسی یونانی آب و گل کا تھا، جس نے سب سے پہلے ایک ایسے علم کی بنیاد رکھی، کہ اس کے بعد آنیوالی نسلوں سے ایسے ایسے فردِ فرید اٹھے کہ ہمیشہ کے لیے جریدۂ عالم پر یونان کا نام اس علم کی بدولت ثبت ہو گیا، اور خود بھی زندۂ جاوید بن گئے۔

لکھا ہے کہ "اسقلی بیوس" نے اپنی اولاد کو اس فن کی زبانی تعلیم دی تھی اور وصیت کی تھی کہ یہ علم خاندان سے باہر نہ جانے پائے۔ اقلیدس، افلاطون سولن وغیرہ، اسی کے خاندان کے نام لیوا تھے۔ اس سلسلہ کی سولہویں نسل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پانچسو برس پہلے بقراط پیدا ہوا، جو یونانیوں میں پہلا شخص تھا، جس نے اس فن کی تدوین کی، اور متعدد کتابیں لکھیں، اپنے خاندانی روایات کے برخلاف اس کو عام کر دیا۔ صاحب الرائے لوگوں نے کہا ہے کہ اسلام سے پہلے جالینوس پر اس فن کے کمال کا خاتمہ ہو گیا۔ اسقلی بیوس، غورس مینس، برمانیدس، افلاطون، اسقلی بیوس دوم، بقراط، جالینوس یہ وہ آٹھ باکمال حکماء ہیں جنھیں دنیا "کاخ طبابت یونانی" کے ارکان سے موسوم کرتی ہے۔

علم طب کی ابتداء کے بارے میں خود بقراط و جالینوس کا یہ قول ہے کہ "جب فلسفہ کو دنیا الہامی تصور کرتی ہے تو پھر کیوں نہ علم طب کو بھی ایک الہامی علم سمجھا جائے"۔ جو طبقہ اس کو الہامی تصور کرنے کے لیے تیار نہیں ہے، وہ کہتا ہے کہ انسان عقل و فراست کی لازوال دولت کے باعث ساری مخلوقات عالم پر

فضیلت رکھتا ہے، اور خداوند عالم کی حکمتِ کاملہ نے غور و فکر کا مادہ اس میں بدرجۂ اتم ودیعت کر رکھا ہے، چنانچہ فلسفہ و حکمت وغیرہ جیسے علوم سب اسی کی عقلی تگ و دو کا نتیجہ ہیں اور اسی نظریہ کی تحت یقیناً تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ "علمِ طب" بھی انسان کی سالہاسال کی متواتر محنتوں اور تجربوں کا ایک بہترین نمونہ ہے اور اس کی تائید، دنیا کے ایک محیّر العقول اور عظیم الشان "علم سائنس" کے ذریعہ بھی کی جا سکتی ہے۔[1]

جب زمانہ کی ضروریات بڑھتی گئیں، اور انسانی عقل میں روز بروز ترقی ہونے لگی، تو معاملاتِ زندگی میں ارتقا ہونے لگا، جس طرح فہوم انسانی نے سہولتوں و ضرورتوں کے ارتفاع کی تدابیر سوچیں، اور ان کے لیے نئی نئی راہیں تلاش کر لیں، اسی طرح علمِ طب نے بھی عظیم الشان ترقی کے مدارج طے کیے، جسے یونانیوں نے اگر ترقی دی تو مسلمانوں نے اسے معراجِ کمال پر پہنچا دیا، اور اپنے کارناموں کے ذریعہ ساری دنیا میں ایک مہتم بالشان انقلاب پیدا کر دیا۔

طبِ ایامِ جاہلیت میں | قیاس کہتا ہے کہ، ریگ زارِ عرب پر آفتابِ اسلام کے ضیا گستر ہونے سے قبل ہی عربوں میں علاج معالجہ کا فن رائج ہو چکا تھا، ان میں سے صرف ایک ایسے شخص کا حال معلوم ہوتا ہے۔ جس نے باضابطہ طور پر اس میں دستگاہ حاصل کرنے کی سعی کی تھی اور ایران جا کر اس علم کی تحصیل کی[2]۔ اس شخص کا نام "حارث ابن کلدہ"

---

[1] علمِ طب کی ابتدا کے بارہ میں ہی اگر کچھ تفصیلی لکھنا چاہیں تو ایک مبسوط کتاب مرتب ہو سکتی ہے۔ اس لیے ہم نے بہت سی چیزوں کو نظر انداز کر دیا ہے ۱۲

[2] ایران میں یونانی طب کے پھیلنے کے وجوہ یہ بیان کیے جاتے ہیں کہ جسٹنین اول نے ۵۲۹ء میں بیدین فلسفیوں کو خارج البلد کر دیا تھا، جنھوں نے ایران میں آکر پناہ لی تھی۔ اس وقت یہاں خسرو سریر آرا تھا ان ہی لوگوں کی بدولت عجم میں یونانی طب اور فلسفہ جاننے والے پیدا ہو گئے تھے ۱۲

تھا، جو طائف کا رہنے والا اور قبیلۂ "بنی ثقیف" سے تھا[1]۔ تحصیلِ علم کے بعد واپس آکر علاج معالجہ شروع کیا، اور اس قدر شہرت وہردل عزیزی حاصل کی کہ ساری قوم اِسے "طبیب العرب" سے مخاطب کیا کرتی تھی۔ اس علم کی بدولت نوشیروان کے دربار میں بھی، ایک معزز جگہ حاصل کی۔ صاحبِ مآثر الامراء نے تو یہ بھی لکھا ہے کہ، جب بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا تو حضورِ سرورِ کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ والتحیات نے اس کے لیے، دعا فرمائی اور فرمایا کہ انشاء اللہ تعالیٰ قیامت تک تیری اولاد میں طبابت وجراحی جاری رہیگی[2]۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے بھی اپنے کسی مرض کے بارہ میں اس سے مشورہ کیا تھا۔ یہ ۱۳ھ یا ۱۴ھ میں زہر سے انتقال کیا[3]۔ اس کے ایک ہمعصر "ابن ابی رومیہ تمیمی" کا بھی نام ملتا ہے۔ اور "علامہ جمال الدین قفطی" نے اپنی کتاب تاریخ الحکماء" میں اس کا نام "ابن ابی رمثہ" بتایا ہے، اور اس کے متعلق یہ لکھا ہے کہ یہ "صناعتِ ید" میں بڑی مہارت رکھتا تھا۔ حضور رسالت مآبؐ کے عہد مبارک میں تھا، اور زیارت سے بھی مشرف ہوا تھا، اپنے لیے سید الانام کی جناب میں دُعا کی بھی التجا کی تھی[4]۔ ان دونوں کے بعد حارث بن کلدہ کے لڑکے نضر بن حارث نے بڑی شہرت حاصل کی، جس کی وجہ سے بلادِ عرب میں اس علم کا شوق جاری وساری ہوگیا۔ کہتے ہیں کہ یہ غزوہ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہو کر مارا گیا[5]۔

فن طب میں عرب کی عورتوں نے بھی دلچسپی لی تھی، قبیلۂ بنی داؤد کی ایک

---

[1] مناجتہ الطرب فی تقدمات العرب مقالۂ طب ۱۲

[2] مآثر الامراء جلد اول صفحہ ۱۲

[3] مناجتہ الطرب فی تقدمات العرب مقالۂ طب ۱۲

[4] تاریخ الحکماء، جمال الدین صفحہ ۲۸۳ مصر ۱۲

[5] مناجتہ الطرب مقالۂ طب ۱۲

خاتون "زینب" نے بڑی شہرت حاصل کی۔ یہ فاضلہ آنکھ کے علاج میں بڑی دستگاہ رکھتی تھی۔ اور زخموں کا علاج بڑی کامیابی سے کیا کرتی تھی۔ ابوالفرج اصفہانی نے اپنی کتاب آغانی الکبیر میں بھی اس کا ذکر کیا ہے[1]۔

حالات کے استقصاء سے معلوم ہوتا ہے کہ جب مسلمانوں کے جلیل الشان خلیفہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ایران پر فوج کشی فرمائی، تو سپاہ اسلام کے ہمراہ کئی نامی اطباء و جراح موجود تھے[2]۔

بنی اُمیہ اور طب | مورخین لکھتے ہیں کہ جب حضرت امیر معاویہؓ عرب چھوڑ کر دمشق چلے آئے اور اس کو اپنا دارالخلافہ قرار دیا۔ تو یہاں ان کے دربار میں ایک عیسائی معالج "ابن آثال" تھا۔ یہی سب سے پہلا شخص ہے، جس نے امیر کے لیے یونانی زبان سے طب کی کتابیں عربی زبان میں ترجمہ کیں۔ آئے دن اس فن سے دل چسپی برابر بڑھتی گئی۔ یہاں تک کہ خاندان بنی اُمیہ کے ایک شہزادہ (خالد بن یزید بن امیر معاویہ، متوفی ۸۵ھ) نے اپنے علمی انہماک و ذوق کی بناء پر تخت خلافت سے دست برداری حاصل کی، اور اس کی بجائے معاویہ بن یزید تخت نشین ہوا۔ خالد شہزادہ کی اس علم دوستی کی وجہ سے اس کے لیے اکثر و بیشتر علمی و کیمیاوی کتابیں عربی میں ترجمہ کی گئیں اور یہ کام حکیم اسیفانوس (فریانوس) کے سپرد کیا گیا تھا۔ علم کیمیا کی کتابوں کے ترجمہ پر "اصطفن" مامور تھا۔ خالد خود ایک بہت بڑا فاضل تھا، اس لیے اس دور میں خاصی علمی چہل پہل پیدا ہو گئی تھی اور خالد کو "حکیم آل مروان" کے لقب سے یاد کیا جاتا۔ اس کی تصنیفات سے کتاب صحیفۃ الکبیر، کتاب صحیفۃ الصغیر وغیرہ

---

[1] طبقات الاطباء، جلد اول صفحہ ۱۲۳

[2] رسائل شبلی صفحہ ۲ مطبع العلوم علی گڑھ۔

کے نام پڑھنے میں آتے ہیں۔ اس خاندان میں مروان جو ظلم کا پتلا سمجھا جاتا ہے اس کے باوجود یہ بھی علم و فن کا دلدادہ تھا۔ اس کے عہد میں "تیاذوق" نامی ایک طبیب نے (جس کے بہت سے شاگرد خلفاء عباسیہ کے عہد میں موجود تھے) بڑی شہرت حاصل کی تھی، ان میں فرات بن سنحیاثا، عیسیٰ بن موسیٰ کے نام زیادہ مشہور ہیں بعد میں تیاذوق کو یہ عروج حاصل ہوا کہ وہ حجاج بن یوسف ثقفی کے اطبائے خاص سے سمجھا جانے لگا۔ زبردست مشہور و معروف یہودی عالم ابن ماسرجویہ (ماسرجیس اسرائیلی) بھی اسی عہد کا فاضل تھا۔ اس نے کئی کتابیں لکھی تھیں "کتاب قوی الاطعمہ ومنافعہا ومضارہا" و کتاب "قوی العقاقیر ومنافعہا ومضارہا" وغیرہ کے نام ہم تک پہنچے ہیں ایک اور کتاب "کناش" (قرابادین یا مخزن ادویہ) کے نام سے سریانی زبان سے ترجمہ کی، جو اہرن قس کی مصنفہ تھی۔ جب یہ تمام ہوئی تو شاہی کتب خانہ میں داخل کی گئی اور آج یہ دنیا سے ناپید ہے۔

جب مروان کے بعد اس کا بیٹا عبدالملک تخت پر بیٹھا، تو اس کے عہد میں بھی اطباء کی قدر و منزلت میں کافی اضافہ ہوا، چنانچہ اس کے دربار سے دو مشہور طبیب وابستہ تھے، جن کا نام "ثوذوکس" و "ثوذون" تھا۔ الغرض اس طرح علم طب کی قدر برابر بڑھتی گئی اور منتشر طور پر بادشاہ کے یہاں ایک نہ ایک طبیب دربار سے متعلق ہوا کرتا تھا۔ اس عہد تک فن طب کے جاننے والوں کی ایک کثیر تعداد وجود میں آچکی تھی اور یہ لوگ اپنے اپنے گھروں پر مطب کیا کرتے تھے، مستقل حیثیت سے، کسی آئینی طور پر اس دور تک کسی شفاخانہ کی بنیاد پڑی تھی، اور نہ اس کا رواج ہی ہوا تھا۔

دنیا کا سب سے پہلا دارالشفاء (یعنی ولید کا شفاخانہ)

اس اہم ضرورت کی طرف سب سے پہلے عنان توجہ پھیرنے والا، ایک ایسا تاجدار تھا

یجسے اپنے ابنائے جنس کے دُکھ درد کا بے حد خیال رہا کرتا تھا۔ یہ خاندانِ اُمیّہ کا وہی بادشاہ ہے جسے دُنیا ولید بن عبد الملک کے نام سے جانتی ہے۔ عربی کی یہ ضرب المثل سچ ہے کہ "رَجُلٌ خَیْرٌ، یَعْمَلُ خَیْراً" اِس نے اپنی عزیز رعایا کی خاطر بڑے بڑے رفاہی کام انجام دیے۔ جس قدر اندھے اور مفلوج تھے، اُن سب کی ایک فہرست طلب کی، اور ان لوگوں میں سے ہر ایک کے نام وظیفے مقرر کر دیے۔ معذوروں کی خدمت گزاری کے لیے ایک ایک خادم بھی متعیّن تھا۔ جذامیوں کے لیے سلطنت کی جانب سے روزینے مقرر تھے۔ اور حکم تھا کہ یہ لوگ اپنے اپنے گھروں سے باہر نہ نکلنے پائیں۔ ان سارے اُمورِ رفاہیہ (Public works.) کے سلسلہ میں ایک شفاخانہ کا بھی افتتاح عمل میں آیا۔ یہ ایک ایسا "خیرِ جاریۃ" تھا، جس کی بدولت ممکن ہے کہ آج تک بھی عقائدِ اسلامیہ کی تحت، ولید کا نامۂ اعمال نیکیوں سے پُر کیا جا رہا ہو گا، کیونکہ بہت جلد اور سلاطین نے بھی اُس کی اِس سنّت کی پیروی کی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مُلک کے گوشہ گوشہ میں "عافیتِ عامّہ" کے لیے شفا خانے کھل گئے، اور دُنیا ایک حقیقی ضرورت کی طرف متوجہ ہو گئی۔

ع نیکواں رفتند و سنّتہا بماند

ولید نے اس دار الشفاء کا سنگِ بنیاد ۸۸ھ میں بنفسِ نفیس اپنے ہاتھوں رکھا، جو دُنیا کا سب سے پہلا شفا خانہ سمجھا جاتا ہے، اس میں بہت سی طبیب و جرّاح مقرر کیے گئے تھے۔

چونکہ اس وقت صرف یونانی طب ہی سب سے زیادہ ترقی یافتہ تھی اور اس فن کی عمدہ عمدہ کتابیں بھی یونانی زبان ہیں موجود تھیں جن سے استفادہ کیے بغیر گریز نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لیے اس مشکل کو حل کرنے کے لیے ان کتابوں کے ترجمہ کا

حکم دیا گیا، اور اس تقریب سے بہت سے یہودی اور عیسائی علما، خلیفہ کے دربار میں باریاب ہوگئے، اور شاہانہ سرپرستیوں کے باعث یونانی علوم و فنون سے واقف ہونے کے مسلمانوں کو مواقع حاصل ہوگئے۔

وہ نیک دل سلطان، جنھیں عالم اسلامی، بلافصل حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد، پانچواں خلیفہ سمجھتا ہے، اور جو آج تک حضرت عمر بن عبدالعزیز (رضی اللہ عنہ) کے نام سے مشہور ہیں، ابھی سریر آرائے خلافت بھی نہ ہوئے تھے کہ آپ نے فن طب کی ایک معرکۃ الآرا خدمت انجام دی تھی۔ یعنی جب آپ اپنے والد بزرگوار کے ساتھ اسکندریہ تشریف لے گئے، تو یہاں آپ نے حکیم عبدالملک بن ابجر کنانی کو جو دارالعلوم اسکندریہ میں علوم عقلیہ کا پروفیسر تھا، حلقہ بگوش اسلام فرما کر، حکمار اسلام میں شامل فرما دیا تھا۔ جب بنی امیہ کی عنانِ حکومت آپ کے ہاتھوں پہنچی، تو آپ نے محکمۂ طبابت کی طرف اپنی توجہ مبذول فرمائی۔ چنانچہ جب شاہی کتب خانہ میں ابن ماسرجویہ کی کتاب "کناش" (جس کا آگے ذکر آچکا ہے) آپ کو ملی، تو اس کو نکلوا کر چالیس روز تک اپنے مصلے کے نیچے رکھا، اور غور فرمایا کہ درحقیقت یہ کتاب بنی نوع کے لیے فائدہ رساں ہوسکتی ہے یا نہیں، کسی جاہل کی یا ناقابل اعتبار تو نہیں۔ جب ان باتوں پر کامل اطمینان ہوا، تو ۹۹ھ میں حکم صادر فرمایا کہ اس ترجمہ کی بہت سی نقلیں کرائی جائیں، اور سارے ملک میں اس کو نشر کر دیا جائے۔

احمد بن ابراہیم، جو یزید بن عبدالملک (المتوفی ۱۰۵ھ) کے دربار کا طبیب تھا اور بڑی شہرت پیدا کی تھی، بقراط کی کتابوں سے منتخب کر کے ایک کتاب "اصول الطب" اور ایک رسالہ نباتات کی تحقیق میں لکھا۔

پہلی صدی ہجری کے اختتام تک بڑے بڑے طبیب پیدا ہوچکے تھے،

جن میں یحییٰ نحوی، حکیم اولیطراسس حکیم اریباسوس وغیرہ قابلِ ذکر ہیں یحییٰ نحوی کے متعلق لکھا ہے کہ حضرت عمرو بن العاصؓ فاتح مصر اس سے بے حد دوستی رکھتے تھے۔ غالباً یہ رفاقت اس کے ایک فن کا استاد ہونیکی وجہ سے تھی[1]۔

شفا خانۂ جندیسا پور | وبعد کے بعد تقریباً پچاس ساٹھ سال کے عرصہ میں ملک کے طول و عرض میں، کثرت سے شفا خانے قایم ہو گئے' ان سب میں "جندیسا پور" کے شفا خانہ کو بڑی شہرت حاصل ہوئی، جس کا مہتمم "جارجس یونانی" تھا' یہ ایک باکمال طبیب تھا۔ اس نے سریانی زبان میں ایک قرابادین تیار کی تھی، جس کا ترجمہ بعد میں حنینؒ ابن اسحاق نے عربی میں کیا تھا۔

طب خلفاء بنی عباس کی سیادت میں | تِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ کے جبروتی فرمان کی سختی، بنی اُمیہ کو زوال ہوا' تو ان کی جگہ خلافت عباسیہ قایم ہوئی۔ اس خاندان کا دوسرا خلیفہ منصور ۱۴۲ھ ہجری میں سخت بیمار ہوا' اور جب زیست سے ناامید ہو چکا' تو جارجس کو اپنے دربار میں طلب کیا امتثال امر میں اس نے اپنے شفا خانہ کا انتظام اپنے بیٹے کے سپرد کرکے دارالخلافت بغداد کی راہ لی' اور خلیفہ کی بارگاہ میں حاضر ہوا سلطان کو عربی و فارسی دونوں زبانوں میں دُعا دی۔ جس سے بادشاہ کو تعجب ہوا پھر اُس سے چند سوال کیے۔ جن کا شافی جواب پایا۔ پھر اپنے مرض کو بیان کیا' تو اُس نے کہا کہ اب میں آپ کا علاج کرونگا۔ چنانچہ اس کے علاج سے منصور صحت یاب ہوا' تو اسے فن طب کی خوبیوں کا احساس ہوا' اس لیے جارجس سے عربی زبان میں یونانی طبی کتابوں کے ترجمہ کی فرمایش کی چنانچہ اس حکم کے بعد بہت سی کتابیں عربی قالب میں آگئیں ۱۵۲ھ میں جب

[1] رسالہ تمدن مارچ ۱۹۱۲ء [2] رسائل شبلی صہ

جارجس کسی مرض میں مبتلا ہو کر وطن جانے لگا تو اپنے شاگرد عیسیٰ بن شہلاثا کو دربار خلافت میں جانشین مقرر کیا۔ لیکن اس کے مرنیکے بعد اس کا بیٹا بختیشوع قایم مقام ہوا، جو خلیفہ ہارون رشید کا خاص طبیب تھا۔

ایک طبیب جس نے اپنے کمالات سے چاند بنایا تھا

منصور کے بعد اس کے بیٹے مہدی نے تخت خلافت کو ۱۵۸ھ میں زینت دی۔ طبابت کو اس وقت تک کافی عروج ہو چکا تھا۔ چنانچہ اس کے زمانہ میں "حکیم المقنع" (ابن عطاء) نامی ایک شخص گذرا ہے، جس کو دنیا شاعروں کی بدولت آج تک جانتی ہے۔ اس کے متعلق لکھا ہے کہ یہ شخص علاقہ "مرو" کا رہنے والا تھا۔ نہایت پستہ قد و یک چشم تھا۔ اپنے علمی و فنی کمالات سے نخشب کے کنویں سے ایک مصنوعی چاند نکالا تھا جو اسی کنویں سے طلوع ہو کر چھ میل سے زیادہ رقبہ پر اصل چاند کی طرح ضیاء گستری کرتا تھا۔ اس نے اپنے کمالات و دانائی کے گھمنڈ پر نبوت و پیغمبری اور اس کے بعد خدائی کا دعویٰ کیا، تو خلیفہ نے اس فتنہ کو فرو کرنے کے لیے فوج روانہ کی۔ ماوراءالنہر پر ۱۶۱ھ میں تاب مقاومت نہ لاکر، قلعہ بند ہو کر خودکشی کرلی۔ اسے عام طور سے پیغمبر خراسانی بھی کہا جاتا ہے۔ شعراء کے نزدیک "چاہ نخشب" و "ماہ نخشب" سے یہی چاند اور یہی کنواں مراد ہوتا ہے، اور "نخشب" مقام کا نام ہے۔

المتوکل باللہ کے زمانہ میں، شفاخانہ جندیساپور کا مہتمم سابور بن سہل تھا، جس نے ۲۵۵ ہجری میں وفات پائی، اس نے بھی ایک مفصل قرابادین تیار کی جو سترہ ابواب پر مشتمل تھی اور کئی سو برس تک شفاخانوں میں متداول رہی۔ لکھا ہے کہ اس شفاخانہ میں "ماسویہ" جیسا نامی گرامی طبیب تیس سال تک دواسازی اور مرہم پٹی کا

کام کرتا رہا۔

یحییٰ برمکی کا دارالشفاء خلفاء عباسیہ کے عہد میں "خاندان برامکہ" کو جو عروج حاصل ہوا، اسے ایک دنیا جانتی ہے، اس خاندان کے ایک رکن رکین، یحییٰ ابن خالد نے (جو ہارون رشید کا وزیر اعظم تھا) خود بھی اپنے ذاتی صرفہ سے بغداد میں ایک شفا خانہ تعمیر کرایا تھا۔ حالانکہ اس وقت دارالخلافت میں بہت سے شفا خانے موجود تھے۔ مورخین لکھتے ہیں کہ یحییٰ کو اس فن سے گہری دلچسپی تھی۔ اس کی توسیع و اشاعت کے لیے وہ تدبیریں سوچتے رہتا تھا۔ چنانچہ اس نے ہندوستان کے علم طب "ویدک" کی بھی سرپرستی کرکے ایک خاص کام انجام دیا ہے۔ یہ مناسب ہوگا کہ ہم فن ویدک کی مختصر تاریخ پر یہاں سلسلۂ بیان میں کچھ روشنی ڈالنے کی کوشش کریں۔

ویدک کی مختصر تاریخ ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ "برھما جی رشی" نے "برہم سنگھتا" بنائی، اور ان سے "دکھش پرجاپتی" نے اس علم کو سیکھا، اور "دکھش سنگھتا" بنائی، پھر ان سے "اشونی کمارون" نے یہ علم پڑھا، اور ان لوگوں نے "راجہ اندر" کو یہ فن سکھایا، جس کے زمانہ میں طبابت کے فن کو بڑا عروج نصیب ہوا۔ پھر اس کے بعد اس کو زوال آیا، تو بہت سے رشی ہمالیہ پربت پر جمع ہوئے اور آپس میں اس فن کی

سلہ طبقات الاطباء مصنفہ علامہ ابن ابی اصیبعہ۔ ان کا پورا نام "ابوالعباس احمد بن سدیدالدین قاسم بن خلیفہ بن یونس سعدی الخزرجی" تھا۔ یہ ساتویں صدی ہجری کے مشہور علماء سے ہیں۔ تخمیناً ۶۴۳ھ میں طبقات الاطباء لکھی جس کی وجہ سے ان کی بڑی شہرت ہوئی ان کا دادا صلاح الدین غازی کے دربار کا شاہی طبیب تھا۔ بڑے بڑے مورخین کا اتفاق ہے کہ اطباء کے حالات میں "طبقات" سے بہتر کتاب آج تک نہیں لکھی جا سکی! اس کے علاوہ "حکایات الاطباء فی علاجات الادواء" (اطباء کے تاریخی معالجات کا تذکرہ) کتاب التجارب والفوائد وغیرہ ان کی تصنیفات سے ہیں ۶۶۸ھ میں علاقۂ شام میں انتقال کیا۔ (تہذیب الاخلاق جلد اول نمبر ۳۶) مولانا سید سلیمان ندوی ان کا زمانہ عرب و ہند کے تعلقات میں ۵۹۹ھ سے ۶۶۸ھ تک لکھتے ہیں۔ ان کی کتاب طبقات الاطباء دو جلدوں میں مصر میں ۱۲۹۹ھ میں چھپی

احیا رکی تدبیریں سوچنے لگے' اور یہ طے کیا کہ "بہار دوج" نامی رشی جائے اور بہاراجہ اندر سے اس علم کو سیکھ کر عام طور سے لوگوں کو فائدہ پہنچائے' چنانچہ اس قسم کی کوشش کی گئی' اور "بہار دوج" نے کامل تحصیل کے بعد عوام میں اس کی تعلیم عام کر دی۔ اس کے بعد "اتریہ" نامی ایک کامل وید پیدا ہوا' جس کے شاگردوں میں اگنی' ویش' بھیل' جتوکرن' پراشر' ہاریت' کشار پانی نے بہت بڑی شہرت حاصل کی۔ اور ان لوگوں نے اپنے اپنے نام سے ایک ایک کتاب مرتب کی۔ لیکن ان کتابوں میں سے صرف "ہاریت سنگھتا" باقی رہی پھر اس علم کو زوال ہوا' تو ایک عرصہ کے بعد "مہارشی چرک" مسیح سے (۳۲۰) برس قبل پیدا ہوئے جن کو ہندو "شیش" (ہزار سر والے دیوتا) کا اوتار سمجھتے ہیں۔ انہوں نے مذکورہ بالا چھ کتابوں کا مطالعہ کیا' اور اس کے بعد "چرک سنگھتا" لکھی چرک کے بعد "دیوداس" یا "دھن تلتری" پیدا ہوا' جو حضرت عیسٰی علیہ السلام سے کئی سو برس قبل تھا۔ اس کے بہت سے شاگرد تھے' اس نے اس علم کو ترقی دی۔ اس کے شاگردوں میں سب سے زیادہ "ششرت" نے نام کمایا۔ جس نے "ششرت سنگھتا" کے نام سے کتاب لکھی۔ "ششرت" کے بعد مسیح سے دو سو برس قبل "واگ بھٹ" نے بھی ایک کتاب لکھی۔ بارہویں صدی عیسوی میں بمقام گولکنڈہ (دکن) مادھواچاریہ پیدا ہوا جس نے مختلف علوم پر چند کتابیں لکھیں ان میں طب پر بھی ایک کتاب تھی جس کا نام "مادھوندان" تھا' جو آج تک مستند سمجھی جاتی ہے' مادھو کے بعد ۱۵۵۰ء میں "بھاؤ مشر" نے اس دنیا میں جنم لیا' اور "بھاؤ پرکاش" لکھی۔ اس میں بہت سی جڑی بوٹیوں کا ذکر ہے۔ بھاؤ کے بعد "شارنگ دھر" ہوئے۔ انہوں نے اپنی یادگاریں "علم الادویہ" پر ایک کتاب چھوڑی۔ ان کے بعد "ہری پسر چند پھور" ساکن کشمیر نے بھی ویدک مفردات پر ایک بسیط کتاب "راج نگھنٹو"

کے نام سے لکھی[1]۔

اِس فنِ ویدک کی، بعض اس کے کاملین فن کی وجہ سے زمانۂ قدیم میں بڑی شہرت تھی اور بہت سے اس کے عملی و افادی پہلو کے دلدادہ نظر آتے تھے، چنانچہ مولانا سلیمان ندوی لکھتے ہیں کہ اسلام سے قبل بھی اور ممالک میں اس کے فیضان کا پتہ چلتا ہے، خود حضور سرورِ کائنات (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دورِ رسالت میں بھی، پہلی صدی ہجری، یعنی ساتویں صدی عیسوی میں جاٹوں کے عرب اور عراق میں آکر آباد ہونے کے تاریخی شواہد موجود ہیں۔ ان لوگوں کے فوجی کارناموں کے سوا، ان کے ایک فنی اور طبی کارنامہ کا حال ملتا ہے۔ چنانچہ حضرت امام بخاری (المتوفی ۲۵۶ھ) نے اپنی کتاب الادب المفرد[2] میں صحابہ کے عہد کا یہ واقعہ لکھا ہے کہ ایک وقت حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیمار ہوئیں، تو ان کے بھتیجوں نے ایک "جاٹ طبیب" کو علاج کے لیے بلایا تھا۔ خود حضور ختمی مآب صلعم کی حیاتِ مبارک میں بھی بعض ہندی دواؤں کے نام مشہور تھے۔ جن میں سے دو نام بہت مشہور ہیں ایک "قسط ہندی"[3] اور دوسرا "زنجبیل" جس کی اصل ہندی "زرنجابیرا" ہے جو معرب کرلیا گیا ہے۔ یہ لفظ قرآن حکیم کی "سورۃ الدہر" میں بھی موجود ہے، جس کے آخری الفاظ یہ ہیں "وَكَانَ مِزَاجُهَا زَنجَبِيلًا"۔

دربارِ خلافت میں علم ویدک ویدوں کی سرپرستی

ہندی طب کی اس قدر اہمیت ہونے کی وجہ سے یحییٰ برمکی نے، یونانی طب کی طرح اس پر بھی

---

[1] تاریخ الاطباء۔ غلام جیلانی صاحب
[2] کتاب الادب المفرد امام بخاری باب بیع الخادم ص۳۵ مطبوعہ مصر
[3] صحیح بخاری جلد دوم کتاب المرضیٰ ص۸۴۹

مسلمانوں کو غور و خوض کرنے کے لیے مواقع بہم پہنچانے کی طرف سب سے پہلے کوشش کی، اور اپنی شہرۂ آفاق علم پروری سے تحقیقات کے دروازے کھول دیے۔ اور مسلمان جس علم و فن طب کو مدوّن کرنے کی کوشش کر رہے تھے، اس کو وسیع و اعلیٰ ترین فن بنانے کے لیے حکم دیا کہ ایک شخص ہندوستان جائے اور وہاں پہنچ کر علم ویدک کی کامل تحقیقات کرے۔ اس کے بعد نایاب ہندی دوائیں اور نباتات کا ذخیرہ فراہم کر کے پایۂ تخت کو لوٹے، اور ممکنہ سعی کر کے اس فن کے عالموں کو شاہانہ نوازشوں کی امید دلا کر آستاں بوس خلافت کرائے۔ چنانچہ ان کوششوں کی وجہ سے ایک جماعت ہندوستان سے بغداد پہنچ گئی، جن میں منکہ، ابن دہن[1]، سالے بن بہلہ[2]، کنکہ[3] اور شاناق[4] کے نام قابل الذکر ہیں۔ یحییٰ نے ان لوگوں کی بڑی قدر دانی کی۔ چنانچہ اس نے "ابن دہن" کو اپنے شفاخانہ کا

---

[1] اس پنڈت کے باپ کا نام "دہن" تھا، اس لیے عربوں کے نزدیک "ابن دہن" سے مشہور ہوگیا۔ اس لیے آج تک اس کے اصل نام کا صحیح پتہ نہیں چل سکتا ہے۔ مگر پروفیسر زخاؤ نے انڈیا کے مقدمہ میں اس کے صحیح نام کا پتہ چلانے کی کوشش کی ہے، ملاحظہ ہو صفحہ ۳۳ مقدمہ مترجمہ انگریزی۔ یہ برمکیوں کے شفاخانہ کا افسر اعلیٰ تھا۔ اس نے "سندستاق" کے نام سے ایک کتاب ترجمہ کی تھی ۱۲

[2] اس کا نام اکثر عرب مورخین "صالح" لکھتے ہیں ۱۲

[3] کنکہ، ہندوستان کے مشہور طبیبوں سے تھا، اور علم طب میں بڑا کمال رکھتا تھا۔ ادویہ کے خواص افعال کے جاننے میں نہایت تامہ حاصل کی تھی۔ اس کا ذکر ابو معشر نے "کتاب الالوف" میں کیا ہے اور لکھا ہے کہ ہندی علماء میں سب سے زیادہ فائق ہے۔ اس کی تالیفات میں "نمودار فی الاعمار" "اسرار الموالید" "قرانات الصغیر" "قرانات الکبیر" اور ایک کناش و قرابادین وغیرہ ہے۔ ترجمہ کا کام اس کے بھی سپرد تھا ۱۲

[4] شاناق، اس کا نام مصنف البرامکہ کے قیاس پر "سنک" ہے، لکھا ہے کہ معالجات میں مشہور تھا، اور علم نجوم میں خصوصیت سے کمال رکھتا تھا۔ اس کے اکثر حکیمانہ اقوال تاریخ کی کتابوں میں منقول ہیں۔ اس کی تصنیفات میں "کتاب البیطرہ" "کتاب فی علم النجوم" "کتاب منتحل الجوہر" وغیرہ کے نام ملتے ہیں ۱۲

افسر اعلیٰ مقرر کیا۔ اِن ہندی ویدوں میں منکہ کی شخصیت سب سے بڑی ہوئی تھی۔ اس کے بغداد آنے کے متعلق یہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ ہارون الرشید سخت بیمار ہوا، اور دارالحکومت کے سارے اطباء علاج سے عاجز آ گئے تھے اس زمانہ میں اس پنڈت (منکہ) کی شہرت دُور دُور پھیل چکی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ بغداد میں بھی بہت سے لوگ اِس کے نام سے واقف تھے۔ چنانچہ ابوعمر وعجمی نے جو مقرب سلطان تھا خلیفہ سے اس کو علاج کے لیے طلب کرنے کا معروضہ کیا، جو منظور کیا گیا۔ حسب الحکم منکہ حاضر بارگاہِ خلافت ہوا، اور علاج کیا۔ خدا نے اس کے علاج سے شفا بخشی تو ہارون نے بے پایاں انعام واکرام سے اسے نہال کر دیا۔[1]

منکہ بغداد ہی میں مقیم ہو چکا تھا، اور فارسی وعربی زبانوں میں مہارت حاصل کر لی تھی، اور سنسکرت سے عربی زبان میں طب کی کتابیں ترجمہ کیا کرتا تھا۔ یحییٰ بن خالد برمکی کے حکم سے "ششرت" کی بھی کتاب کا ترجمہ[2] کیا تھا۔ اس کتاب کے ترجمہ ہو جانے کے بعد خلیفہ نے حکم دیا تھا کہ اس کو بطور قرابادین کام میں لایا جائے۔ کہتے ہیں کہ یہ کتاب تشریح اور اعمال بالید میں اعلیٰ درجہ کی تصنیف ہے۔ اس کا اصل نام "ششرت سنگھتا" ہے۔

دوسری کتاب "چرک" کی تھی، جس کا پہلے فارسی میں ترجمہ ہوا، اس کے بعد اس کو عبداللہ بن علی نے عربی میں منتقل کیا۔[3]

---

[1] طبقات الاطباء، جلد دوم صفحہ ۳۳ ۱۲

[2] لاہور میں ۱۹۰۸ء میں "آریور ویدک فارمیسوٹیکل" کے نام سے ایک کمپنی قائم ہوئی تھی جس نے ویدک کی کتابوں کے اردو ترجمہ کا کام شروع کیا تھا۔ چنانچہ اس نے ششرت سنگھتا، اور چرک سنگھتا کے بھی اردو ترجمے ۱۹۱۳ء میں شایع کیے تھے۔ ہم نے یہ کتابیں مولوی حکیم قاسم علی بیگ صاحب افگر کے کتب خانہ میں دیکھی ہیں ۱۲

[3] ابن ندیم صفحہ ۳۰۳ ۱۲

ایک ہندی طبیب کا خلیفہ کے بھائی کو زندہ کرنا

سالے بن بہلہ، جس کا نام ہم اوپر لکھ آئے ہیں، اس کے متعلق مولانا سلیمان ندوی لکھتے ہیں کہ یہ مسلمان ہو گیا تھا۔ طبقات الاطباء میں ہم نے اس کے ایک نادر علاج کا ذکر پڑھا ہے" کہ اس نے خلیفہ کے چچازاد بھائی کے سکتہ کا معرکتہ الآراء علاج کیا، جس کے متعلق جبرئیل بن بختیشوع نے موت کا حکم لگا دیا تھا۔

اس اجمال کی تفصیل یوں لکھی ہے کہ ایک مرتبہ ہارون رشید کے سامنے دستر خوان بچھا ہوا تھا، اور سارے درباری موجود تھے۔ مگر خلاف عادت اس وقت جبرئیل بن بختیشوع طبیب موجود نہ تھا، تو بادشاہ نے حکم دیا کہ فوراً اُسے حاضر کیا جائے، ہر طرف تلاش کی گئی، لیکن جبرئیل کا پتہ نہ چلا۔ جب یہ اطلاع ملی تو خلیفہ ناراض ہوا، اور جبرئیل کی عدم موجودگی پر اُسے بُرا بھلا کہہ رہا تھا۔ اس اثنا میں یہ خود آپہنچا، اور بارگاہِ خلافت میں عرض کی کہ جہاں پناہ! اس وقت بُرا بھلا کہنے کی بجائے آپ اپنے بھائی ابراہیم کے حال پر خاموشی سے آنسو بہائیں تو مناسب ہے۔" ہارون یہ سنکر پریشان ہوا اور بھائی کا حال دریافت کرنے لگا تو جبرئیل نے کہا کہ "وہ قریبِ مرگ ہیں، شاید نمازِ عشاء تک بھی زندہ نہ رہ سکیں۔" یہ سنکر ہارون بے اختیار رونے لگا، اور دستر خوان اُٹھا لیا گیا، خلیفہ کا یہ حال دیکھکر مجلس درہم ہو گئی، اور ہر شخص متفکر تھا، جعفر برمکی نے آگے بڑھ کر عرض کی کہ جبرئیل کا علاج یونانی ہے، اور سالے جو ہندی طبیب ہے اگر اس کا علاج کرایا جائے تو مناسب ہوگا، اگر حکم ہو تو اسے طلب کروں اور ابراہیم کے دیکھنے کے لیے بھیجوں خلیفہ نے جعفر کی یہ گذارش قبول کرلی، "سالے" نے جاکر ابراہیم کا کامل اطمینان کے ساتھ معائنہ کیا، اور واپس آکر جعفر سے کہا کہ میں بیمار کا حال سوائے امیر المومنین کے کسی اور کو بتانا نہیں چاہتا۔ یہ سن کر جعفر اسے دربار میں ہارون کی خدمت میں

لے آیا" تو "سالے" نے اپنی جان کی قسم کھا کر کہا کہ "آپ کے بھائی ابراہیم اس بیماری کی وجہ سے آج رات ہرگز نہیں مرینگے' اور خدانخواستہ ایسا ہوجائے تو خدا کی راہ میں، میری تمام ملک لونڈی غلام وغیرہ سب آزاد اور وقف کردیے جائیں۔ اور میری بیبیاں مطلقہ سمجھی جائیں"۔ ہارون نے اس سے کہا' حیرت ہے کہ تو غیب کی باتیں کس برتے پر قسم کے ساتھ بیان کر رہا ہے" سالے" نے عرض کی کہ" بے شک حضور کا ارشاد سچ ہے' لیکن جو کچھ میں عرض کر رہا ہوں' اُسے غیب سے کوئی تعلق نہیں' بلکہ علمی اور اپنے فنی تجربہ (طبابت) کی بنا پر عرض کر رہا ہوں"۔ یہ سُنکر ہارون خاموش ہوگیا' لیکن جب عشاء کا وقت آیا تو اطلاع ملی کہ ابراہیم کا انتقال ہوگیا۔ یہ سن کر ہارون فوراً جعفر کے پاس گیا اور "سالے" کی اس گفتگو پر اس کو نہایت بُرا بھلا کہنے لگا' اور کہا کہ ہندوستان اور اسکی طب پر خدا کی لعنت ہے۔ غرض نہایت مضطربانہ اور بے قراری کے عالم میں ابراہیم کے گھر پہنچا۔ سب لوگ سناٹے میں کھڑے تھے اور ایک طرف "سالے" بھی موجود تھا۔ بخورات جلائے جا رہے تھے اور انگیٹھیوں سے دُھواں نکل رہا تھا۔ یکایک "سالے" چلا اُٹھا اور کہنے لگا کہ" درحقیقت میری بیبیوں پر طلاق ہوجائیگی اور وہ دوسروں کے عقد میں چلی جائینگی۔ خدا کی قسم امیرالمؤمنین آپ ملول نہ ہوجیئے آپ کا بھائی زندہ ہے۔ کیا غضب ہے کہ آپ اسکو زندہ دفن کردینگے آپ مجھے اجازت دیں کہ میں اندر جا کر دیکھوں"۔ ہارون نے اجازت دی' اور "سالے" تنہا ابراہیم کے پاس پہنچا۔ اور کچھ دیر بعد نہایت خوشی کے عالم میں واپس آیا اور کہا کہ امیرالمؤمنین چلئے تاکہ میں آپ کو ایک عجیب تماشا دکھاؤں۔ چنانچہ ہارون ساتھ ہولیا' اور ابراہیم کے قریب پہنچا۔ سالے نے مُردہ کے سیدھے ہاتھ کے انگوٹھے کے ناخن میں سُوئی چبھوئی ہی تھی کہ ابراہیم (مُردہ) نے اپنا ہاتھ گھسیٹ لیا" سالے" نے کہا کہ

"امیر المومنین کہیں ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ مُردہ کسی تکلیف کیوجہ سے حرکت کرے۔" پھر سالے نے کہا کہ "امیر المومنین کے اقبال سے ابراہیم ابھی بات کرسکتا ہے، مگر مجھے خوف ہے کہ وہ اپنے کو اس کفن، خوشبوئیوں اور مُردے کے لباس میں دیکھکر، کہیں ہیبت کے مارے درحقیقت دم نہ توڑ دے۔ چنانچہ اس کے بعد اُس کا کفن نکالدیا گیا۔ دوبارہ نہلا کر شاہی لباس پہنایا گیا۔ اور عمدہ عطریات لگا کر اُسے خوابگاہ میں لٹایا۔ اس کے بعد "سالے" نے علاج معالجہ کی طرف توجہ کی اور کچھ تدبیریں اختیار کیں، جس کی وجہ سے ابراہیم کو چھینک آئی، اور کروٹ بدلی اس کے بعد ابراہیم بالکل تندرست ہوگیا۔ خلیفہ نے صحت کے بعد ابراہیم کو مصر و فلسطین کا گورنر مقرر کردیا۔ جس نے مصر ہی میں انتقال کیا۔[1]

ان قصوں سے مسلمانوں کی ہندو نوازی پر غور کیجیے کہ جو نشۂ وحدت سے چُور چُور ہو رہے تھے، جو جہاد کو حیاتِ ابدی جانتے تھے، جن کے نزدیک خون و خنجر سے کھیلنا کوئی حقیقت نہیں رکھتا تھا، جن کی قوتِ بازو میں بے پناہ یدُاللٰہی زور تھا، اور جن کی سیفِ مسلول سارے جہان پر چمک رہی تھی۔ اگر وہ متعصب ہوتے تو کیوں اپنے درباروں اور اپنی مجلسوں میں غیر مسلم اقوام کو جگہ دیتے جن میں ہندو، عیسائی، یہودی سب ہی شامل تھے۔ ان کی قدر دانیوں کا کیا عالم تھا، اس کو آپ تقدیم و تاخیر سے اس مضمون کے ذریعہ معلوم فرمالیں گے۔ بتلائیے کہ یہ مسلمانوں کی علم پرستی، بے تعصبی، قوت اور بل رکھنے کے باوجود ان سے اور اِن کے مذہب سے مغائرت و منافرت نہ برتنا، کس قسم کی مثالیں ہیں۔ اور اپنے خاص پایۂ تخت و دربار میں جگہ دیتے ہوئے انہیں کامل مذہبی آزادی

[1] طبقات الاطباء جلد دوم صفحہ ۳۲ مصر۔ و اخبار الدول باب چہارم صفحہ ۳۱۷

عطا کرنا، اور انہیں مسلمان نہ بنانا کس قسم کی دلیلیں ہیں معلوم نہیں کب تک متعصب مؤرخین و مفسدین ان حقائق پر خاک ڈالنے کی کوشش کرینگے۔ جو آج سے صدیوں پیشتر، تاریخ کی کتابوں میں منضبط ہو چکی ہیں۔ جب کہ مسلمانوں کے عروج و اقبال کا آفتاب نصف النہار پر چمک رہا تھا۔ ان کی بے تعصبی اور بھی دیکھیے کہ انہوں نے اپنے فاضل اور باکمال لوگوں کے تذکرہ کے ساتھ ان کے حالات اور ناموں کو بھی زندہ رکھا ہے۔ دیکھنے والے طبقات الاطبار اٹھا کر دیکھ سکتے ہیں۔ جس میں ہندی اطبار کے حالات ایک علیحدہ باب کی صورت میں مسلم مورخین کا شکریہ ادا کر رہے ہیں، کہ انہوں نے ہمیشہ کے لیے ان کا نام صفحۂ ہستی پر یادگار چھوڑا ہے، کہ خود ان کی قوم میں اُن کے حالات نہیں مل سکتے تھے۔

علم ویدک کی کتابوں کے ترجمے ہندی یا سنسکرت سے جو کتابیں ترجمہ کرائی گئی تھیں ان میں سے بعض کے نام ہم ذیل میں درج کرتے ہیں، جو ابن ندیم کے طفیل میں آج ہم تک پہنچے ہیں۔ الفہرست میں ان کو تفصیل سے لکھا ہے، اور خود ۳۳۳ھ میں ان کی نظر سے بھی گذر چکے تھے۔

(۱) کتاب استانکر الجامع۔ مرتبہ ابن دھن۔
(۲) کتاب سیرک۔ مرتبہ عبداللہ بن علی۔ لکھا ہے کہ یہی سب سے پہلی کتاب تھی جو ہندی سے عربی میں ترجمہ کی گئی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں نے بھی اس دور میں ہندی زبان سیکھ لی تھی[1]۔
(۳) کتاب مختصر للھند فی العقاقیر۔ یہ کتاب ہندی جڑی بوٹیوں کے افعال و خواص پر مشتمل تھی۔

---

[1] مقالات تحفظ علوم قدیمہ صفحہ ۱۹ ۱۲

(۴) علاجات الحبالی الہند - اس میں ہندی حاملہ عورتوں کے علاج معالجہ کے طریقے درج تھے۔

(۵) کتاب توقشنل (نوکشنل) اس کتاب کے دو حصے تھے۔ پہلے میں تقریباً ایک سو امراض اور معالجات درج تھے۔ دوسرے میں بیماریوں کے وہم اور اُن کے اسباب کا ذکر لکھا تھا۔

(۶) کتاب روسا الہندیہ۔ یہ عورتوں کے امراضِ مخصوصہ کے بارے میں لکھی گئی تھی۔ کہتے ہیں کہ یہ کتاب ایک عورت کی تصنیف تھی، جس کا نام "روشا" تھا۔

(۷) کتاب اسمار عقاقیر الہند۔ یہ منکہ کی تصنیف تھی، جو سلیمان بن اسحاق کے لیے لکھی تھی۔ اس میں ایک ایک جڑی کے دس دس نام درج تھے اور عربی میں ترجمہ کی گئی تھی۔

(۸) کتاب رائے الہندی۔ یہ سانپ کے اقسام اور ان کے زہریلے اثرات پر لکھی گئی تھی۔ مؤلف کا نام "رائے" تھا۔ اس علم کو ہندی میں "سرپ ودیا" کہتے ہیں۔

(۹) کتاب السموم (شاناق الہندی) یہ بھی منکہ کی تالیف تھی، جس میں ہندی زہریلی دواؤں کا بیان تھا۔ اور یہ فارسی میں ترجمہ کی گئی تھی لکھا ہے کہ گذشتہ زمانہ میں ہندی راجا زہروں کا علم جان کر اپنے دشمنوں کو مار ڈالا کرتے تھے۔ اس لیے ان کے لیے شاناق نے یہ کتاب لکھی تھی، جو ساتویں صدی ہجری تک موجود تھی، جس کا حال مؤلف طبقات الاطبا، تفصیل سے لکھتا ہے۔ لکھا ہے کہ یہ کتاب پانچ ابواب پر

---

[۱] عرب و ہند کے تعلقات صـ۱۵۱ [۲] ابن ندیم صـ۳۰۳

منقسم ہے۔ منکہ نے یحییٰ بن خالد برمکی کے لیے فارسی میں، ابوحاتم بلخی کی
مدد سے ترجمہ کیا تھا۔ پھر اس کو عباس بن سعید جوہری نے دوبارہ
خلیفہ مامون کے لیے عربی میں ترجمہ کیا[1]

(۱۰) "ندان" اس کا ذکر یعقوبی اول کے صفحہ (۱۰۵) کے حوالہ سے مولانا سلیمان
ندوی نے اپنی کتاب عرب و ہند کے تعلقات کے صفحہ (۱۴۹) پر کیا ہے۔
لکھا ہے کہ اس میں چار سو بیماریوں کی شناخت و علامات کا بیان
درج تھا۔

(۱۱) ایک کتاب نشہ کے بیان میں بھی لکھی گئی تھی[2]۔

(۱۲) مسعودی کے حوالہ سے مولانا سلیمان نے لکھا ہے کہ راجہ کورش
کے لیے ایک طب کی بڑی کتاب لکھی گئی تھی۔ جس میں بیماریوں کے
اسباب ان کے علاج وادویہ کے سوا، دواؤں کی پہچان اور اس میں ان
جڑی بوٹیوں کی تصویریں بھی بنائی گئی تھیں[3]۔

بیمارستان بغداد | خلفاء عباسیہ کی علم پروری و فضیلت کا آج تک بھی سارے
عالم پر سکہ بیٹھا ہوا ہے۔ ان لوگوں نے علم و فن کی جو خدمات انجام دی ہیں،
اس کی مثال ملنی مشکل ہے، خلیفہ ہارون رشید نے، طب کی اعلیٰ پیمانہ پر
سرپرستی کی تھی۔ اور ایک وسیع محکمہ طب بھی ان اغراض کے لیے وجود میں
لایا گیا تھا۔ ایک خاص شفاخانہ تعمیر ہوا جو آسائش عامہ کا کفیل وضامن تھا
اس کا مہتمم مشہور فاضل "یوحنا بن ماسویہ" تھا۔ جس کی بہت سی تصنیفات مشہور ہیں
اس طبیب کو یحییٰ بن ماسویہ بھی کہتے ہیں، اور مغربی فاضلین "میسو ڈی ایلڈر"

---

[1] طبقات الاطباء صـ۳۳ [2] عرب و ہند کے تعلقات صـ۱۵۰

[3] عرب و ہند کے تعلقات صـ۱۵۱ بحوالہ مسعودی جلد اول صـ۱۶۲ پیرس

Yahia ben Maswail یا یحییٰ بن ماسویل (Messus the Elder)
کے نام سے اسے یاد کرتے ہیں۔ اس صدر شفا خانہ کے سوا، متعدد شفا خانے اور قائم کیے گئے تھے، جس پر ایک ایک طبیب متعین تھا، اور ان تمام شفا خانوں کی نگرانی کے لیے ایک افسر مقرر کیا گیا تھا، جو "رئیس الاطباء" کے موسوم ہوا کرتا تھا۔ اس عہدہ پر سب سے پہلے سنہ ۱۷۱ ہجری میں بختیشوع "مامور کیا گیا۔ یہ اطبائے نصاریٰ سے تھا۔ اس کے بعد سنہ ۱۷۵ ہجری میں یہ خدمت اس کے بیٹے جبرئیل کے سپرد کی گئی۔ طبقات الاطباء صفحہ ۱۳۶ پر لکھا ہے کہ اسکی تنخواہ دس ہزار درہم تھی، اور اس کے سوا، ماہوار پانچ ہزار خرچ بھتہ کے عنوان سے ملا کرتے تھے۔ خلیفۂ وقت، زبیدہ خاتون، اور برمکیوں وغیرہ کے یہاں سے "ان باپ بیٹوں کو جو آمدنی تھی، وہ اس تنخواہ کے علاوہ تھی۔ لکھا ہے کہ یہ اس قدر زبردست مالدار تھے کہ شان و شوکت میں خلیفۂ وقت کی برابری کیا کرتے تھے۔ اور خود دربار کے بڑے بڑے امیر، ان کے دست نگر رہا کرتے تھے۔ ان لوگوں کے عیسائی ہونے کے باوجود خلیفہ کے دربار میں ان کی عزت و قدر دانی میں کبھی کوئی کمی نہ ہوئی، یہی سبب تھا کہ انہیں، مسلمانوں سے زیادہ یہ عروج نصیب ہوا۔

مامون جیسے دلدادۂ علم و فضل نے جب تختِ خلافت کو زینت دی تو علوم قدیمہ کے تفحص و تلاش کا، اس کو اس قدر شوق ہوا کہ، اس نے مختلف ممالک کے سلاطین کے پاس اپنے علماء کے وفد بھیجے، اور رومۃ الکبریٰ کے حاکم کو لکھا کہ ہم اپنا ایک وفد بھیجتے ہیں جو روما کے قدیم علوم پر تحقیق و تلاش کا کام کریگا۔ ان کو اجازت دے کر ہر ممکنہ سعی سے دریغ نہ فرمائی جائے۔ حجاج ابن مطر، ابن بطریق، اور صاحب بیت الحکمہ پر یہ وفد مشتمل تھا۔ جب یہ علماء شاہِ روم کی خدمت میں پہنچے، تو اس نے انہیں اجازت عطا کر دی،

ان باکمالوں کے دلوں میں علمی تحقیق و تدقیق کی آگ بھڑکی ہوئی تھی، اس لیے رُومۃ الکبریٰ جیسی عظیم الشان سلطنت کے سارے علمی خزانے چھان مارے، اور بڑی کوشش و کاوش کے بعد نادر علمی تحفوں اور اہم معلومات کے ساتھ خلیفہ کے دربار میں حاضر ہوئے اور حسب الحکم ان خزائن کو عربی زبان میں منقلب کرنا شروع کیا۔ اس زمانہ کا ایک مایۂ ناز مترجم ہے، جس کا نام "ابو زید حنین بن اسحاق عبادی" تھا۔ یہ یوحنا بن ماسویہ کا شاگرد تھا۔ اور ۱۹۴ھ میں پیدا ہوا۔ دارالترجمہ کا ناظم تھا۔ مامون اس کے ترجموں کا معاوضہ، مسودۂ کتاب کے ہم وزن خالص سونا دے کر پورا کیا کرتا تھا، کئی سو کتابوں کے اس نے ترجمے کیے ہیں۔ جو بہت کم یاب ہیں۔ ۶ صفر ۲۶۳ھ میں انتقال کیا۔ اس کے چند رسالوں کی تفصیل یہ ہے:-

حنین بن اسحاق کے لاقیمت قلمی رسالے | اساس الطب جالینوس، رسالہ تجربہ بقراط، رسالہ معرفت قوت لبن۔ ان کے سوا ہم نے ایک نایاب ترین مجموعہ دیکھا، جس پر "مجموعۂ حرزِ جاں" لکھا ہوا تھا، جس سے اس مجموعہ کی قدر و قیمت کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ یہ اس کے مالک کو جان سے زیادہ عزیز تھا۔ جس نے حنین بن اسحاق کے نایاب ترین رسالے، بڑی محنتوں کے بعد جمع کر کے نقل کرائے تھے۔ درحقیقت اس میں اس اسلامی زبردست مترجم کے جو رسالے شریک ہیں، وہ شاید دُنیا میں بہت کم کتب خانوں میں ہوں گے۔ اور یہ فی الواقع نادرات سے ہیں۔ اس مجموعہ کا کاغذ نہایت اعلیٰ درجہ کا ہے، کتابت نسخ میں نہایت ہی نفیس و پاکیزہ ہے، جس کے دیکھنے سے خطاط کے استادانہ کمالات کا اظہار ہوتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ خاص طور پر کاغذ بھی تیار کرایا گیا تھا۔ اور کتابت بھی اسی شان کی کروائی گئی تھی۔ تاکہ یہ نایاب مجموعہ کتب عمدہ حا

اور خط میں محفوظ رکھا جاسکے۔ اس کی جدول طلائی ہے، عنوانات سُرخی سے لکھے ہیں۔ شروع صفحہ مُطلا گل بوٹوں سے آراستہ ہے۔ یہ اس قدر ضخیم ہے کہ کل اس کے (۳۳۲) صفحے ہیں۔ کتاب کی تقطیع بہت بڑی اور چوڑی ہے۔ حاشیہ پر مختصر سے نوٹس بھی ہیں۔ سرورق پر لکھا ہے "تملکہ العبد نظام الدین احمد جیلانی" اور بہت سی مہریں بھی ہیں، جن میں سے اکثر مٹادی گئی ہیں۔ ایک مُہر سے جس میں "محمد معزالدین" نام لکھا ہے، اور سنہ ۱۱۳۵ھ درج ہے (کیا عجب ہے کہ یہ مہر مرزا معزالدین موسوی خاں فطرت میر منشی آصف جاہ کی ہو) اسی سرورق پر کتاب کی خریدی کی بھی قیمت درج تھی، جو مٹادی گئی ہے۔ ایک طغرہ میں جو شروع صفحہ پر ہے، یہ عبارت لکھی ہے "الحمد للہ الوھاب عطانی الکتاب" (خدائے وہاب کا شکر ہے جس نے مجھے یہ کتاب عطا کی) کیا عجب ہے کہ اس کتاب کا کاتب نظام الدین احمد گیلانی ہو۔ ان کے متعلق تفصیلی معلومات ہم آگے چل کر قطب شاہیہ دور میں بیان کرینگے۔ شروع صفحہ کے آخری حصہ پر جو عبارت درج ہے، وہ کچھ مٹادی گئی ہے، ہم نے بشکل تمام اس کو اس قدر حل کیا ہے۔ "من کتب اقل الخلقۃ...... نظام الدین احمد گیلانی"

اب حُنین کے ان رسالوں کی ذیل میں تفصیل پڑھئے، جو جالینوس کی کتابوں کے ترجمے ہیں۔

(۱) کتاب فی فرق الطب۔

(۲) کتاب فی صناعۃ الطب۔

(۳) کتاب الجوامع الی طوتروس فی النبض

(۴) جامع المقالۃ الاولیٰ والثانی من کتاب جالینوس الی غُلوقن

(۵) کتاب الجوامع جالینوس فی التشریح۔ (مقالۂ اولیٰ فی تشریح العظام

ومقالۂ ثانیہ فی التشریح العضل، مقالۂ ثالثہ فی التشریح العصب
مقالۂ رابعہ فی التشریح العروق، مقالۂ خامسہ فی التشریح عروق الضوارب

(۶) کتاب منافع الاعضاء۔ (اس میں سولہ مقالے ہیں)
(۷) کتاب فی الاسطقسات علیٰ رائے بقراط۔
(۸) کتاب فی المزاج۔
(۹) کتاب فی القوی الطبیعیہ (اس میں تین مقالے ہیں)
(۱۰) کتاب الجوامع فی تعریف العلل الباطنیہ المعروف کتاب المواضع الآلمہ
(اس میں چھ مقالے ہیں)
(۱۱) کتاب فی اشیاء الخارجۃ عن الطبیعۃ المعروف کتاب العلل والاعراض
(اس میں بھی چھ مقالے ہیں)
(۱۲) کتاب اصناف الحمیات (اس میں دو مقالے ہیں)
(۱۳) کتاب فی البحران (اس میں تین مقالے ہیں)
(۱۴) کتاب فی الساعات و دوران الحمیٰ
(۱۵) کتاب فی ایام البحران (یہ رسالہ رومی زبان سے سریانی میں اور سریانی سے عربی میں ترجمہ کیا گیا، جس میں تین مقالے ہیں)
(۱۶) کتاب الجوامع فی التشریح (مشتمل بر سہ مقالہ)
(۱۷) کتاب فی عمل التشریح (یہ کتاب پندرہ مقالوں پر پھیلی ہوئی ہے)

نظام الدین احمد گیلانی، جو قطب شاہیہ دور میں سلطان عبداللہ قطب شاہ (۱۰۳۵ تا ۱۰۸۱ھ) کے درباری طبیب تھے، جب یہ مجموعہ ان کی کتابت یا ان کی ملک سے ہو، تو یہ اُن کے سنہ وفات ۱۰۵۹ھ سے قبل ہی کا لکھا ہوا ہوگا۔ کہیں تاریخ کتابت وغیرہ درج نہیں ہے۔

حکماءِ اسلام کے رسالوں کا ایک نایاب ترین قلمی مجموعہ

اس کے سوا ایک اور نادر مجموعہ ہیں، جس کی اہمیت مذکورالصدر سے بھی بہت زیادہ ہے، حنین کے اغلوقن کا ایک اور رسالہ بھی شریک ہے۔ اس دوسرے مجموعہ کی کتابت ۱۰۲۳ھ میں عمل میں آئی ہے۔ اس میں اور مشاہیر حکماء کے رسالے شامل ہیں۔ اس مجموعہ کے شروع صفحہ پر (۹) مہریں ہیں۔ جن میں سے دو مہریں فی الحال پڑھی جاتی ہیں۔ ایک "عنایت خاں شاہ جہانی" کی ہے، جس پر ۱۰۶۱ھ لکھا ہے، اور دوسری مہر شاہ جہانی عہد کے ایک زبردست مشہور خطاط "آقا عبدالرشید دیلمی" کی ہے۔ کتاب کی اہمیت میں اس عبارت سے اور اضافہ ہو جاتا ہے، جو کچھ کچھ پڑھی جا رہی ہے۔ اور بقیہ حروف اڑ گئے ہیں۔

"اموال نواب منفوری سپہ سالار .... آصف خاں"[۱]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ جہاں کے سپہ سالار آصف خاں کے کتب خانہ میں بھی یہ کتاب رہی ہے۔ جو نورجہاں بیگم کا بھائی اور شاہ جہاں کی پیاری بیگم، ممتاز محل کا عالی قدر باپ تھا۔ کتاب کے دوسرے صفحہ پر جہاں سے کہ کتاب کا آغاز ہوتا ہے "ظفرالمہدی الموسوی" کی بھی مہر ثبت ہے۔

اس کتاب کا کاغذ باریک، کمزور اور کرم خوردہ ہو گیا ہے، جو تین قسم کا معلوم ہوتا ہے اور خط بھی علیٰ ہذا القیاس۔ زیادہ تر خط نسخ میں لکھی گئی ہے۔ اور بعض بعض رسالے نستعلیق میں بھی ہیں۔ ایک کتاب کے اختتام پر لکھا ہے۔ "کتبہ الفقیر الی اللہ القوی ابوالہاشم موسوی اللاہوری

---

[۱] اس کی تاریخ وفات "زہے افسوس آصف خاں" ہے ۱۲
۱۰۵۱ھ

وتمت فی ظہر یوم الثلثۃ' احدی وعشرین من شہر جمادی الثانی[1] ۔

---

[1] چونکہ اس مجموعہ میں حکمائے اسلام کے نادر ترین رسالے شامل ہیں' جو یورپ کے کتب خانوں میں بھی نہیں ملتے اس لیے ان کے نام درج کر دیے جاتے ہیں تاکہ اہلِ ذوق کو ان کا حال معلوم ہو سکے اور شاید تحقیقات کے لیے نیا میدان ہاتھ آئے۔ اس زمانہ میں جب کہ یورپ ہمارے متقدمین کی جگر کاویوں کو آنکھوں سے لگا کر ان سے فائدہ اٹھا رہا ہے' اور ہم ان سے ناواقف رہ کر مستفید نہ ہوں' بڑی ہی تاسف کی بات ہے۔ ذیل کے یہ رسالے وہ ہیں جن کی قدر و قیمت اہلِ بصیرت کی نظر میں اپنی جان سے بھی زیادہ ہوگی ۔

(۱) کتاب سیاستہ المدینہ' الملقب بہ مبادی الموجودات لابی نصر فارابی (۲) مختصر کتاب النفس من ارسطاطالیس (۳) مقالہ اسکندر افرودیسی فی العقل' علی رائے الحکیم ارسطو (۴) فی اثبات المفارقات لابی نصر فارابی (۵) مقالہ فی القول فی مبادی الکل علی رائے ارسطاطالیس لاسکندر الافرودیسی (اس مقالہ کے متعلق آخر پر لکھا ہے " ہذا آخر ما وجد من ہذہ المقالۃ من نقل سعید بن یعقوب الدمشقی غفر لہٗ والحمد للہ رب العالمین") (۶) مقالہ ابی سلیمن السجزی فی ان الاجرام العلویۃ ذوات النفس ناطقۃ لما کان جسم طبیعی۔ (۷) مقالہ ابی سلیمان محمد بن طاہر السجستانی فی المحرک الاول (۸) مقالہ لبعض الحکما فی حال معلومات النفس بعد المفارقۃ (۹) من تعلیقات ابی نصر فارابی (۱۰) مقالہ للحکیم ابی الخیر حسن بن سوار فی الآثار المتخیلۃ فی الجو من البخار المائی وہی الہالہ والقوس الشموس والقضبان (اس مقالہ کے اختتام پر لکھا ہے کہ اس کی کتابت ماہ شعبان ۳۲۳ھ میں مکمل ہو گئی) (۱۱) کتاب الجمع بین الرائیین ابونصر فارابی (فی الجمع بین رائے افلاطون وارسطاطالیس فی الحدوث العالم اس کی بھی کتابت پنجشنبہ شعبان [illegible]ھ ہے)۔ (۱۲) عیون المسائل ونتائج العلوم لابی نصر فارابی (۱۳) جوابات بوعلی سینا بسوالات ابوریحان بیرونی (۱۴) مقالہ فی العقل للحکیم فارابی (۱۵) مقالہ اغراض مابعد الطبیعہ فارابی (۱۶) مقالہ ابی سینا فی تعریف الذات المحصل الذی تحصلت بہ رویۃ الاقدمین بجوہر الاجسام (۱۷) مقالہ فی کلام ارسطو فی الرویاء (۱۸) مسائل طبیعہ ارسطاطالیس المسماۃ بمایال (۱۹) قول مختصر ارسطاطالیس فی النفس (۲۰) مقالہ ابی سلیمان محمد بن طاہر بن السہرام سنجری فی الکمال الخاص بنوع الانسان (۲۱) تعلیق عن الشیخ ابی الفرج بن الطیب (۲۲) مختصر کتاب مدنی (۲۳) رسالہ بونصر فارابی مکتوبہ ۱۰ جمادی الاول [illegible] (۲۴) ملتقطات من الرسالۃ المشومہ لابی الفرج ہندو۔ (۲۵) رسالہ حضرت شیخ شہاب الدین المقتول

(بقیہ برصفحہ آئندہ)

مؤرخین لکھتے ہیں کہ جو کتابیں عربی میں ترجمہ ہوئیں، ان میں سب سے بڑا ذخیرہ طب کی کتابوں پر مشتمل تھا۔ اور نجوم، ہندسہ، ریاضی اور کیمیا جیسے علوم کا بھی مواد اس میں شامل تھا۔ اس کے علاوہ مصر و یونان سے بھی برابر علمی خزانے سمیٹ سمیٹ کر دار السلطنت پہنچائے جارہے تھے اس وقت بغداد علم و فضل اور اہل کمال کا ایسا مرکز بنا ہوا تھا، جس کی نظیر کئی صدیوں کے بعد آج بھی پیش کرنی مشکل ہے۔ بغداد کے ساتھ "مدینۃ العلم" کا خطاب بھی اسی وقت کی یادگار ہے۔

خلیفہ معتصم کا ایک مذہب سے مطلا کتاب حاصل کرنا اور اسکا عربی میں ترجمہ

مامون کے بعد جب ۲۱۸ھ میں معتصم باللہ سریر آرائے خلافت ہوا تو اس نے فتوحات کے بڑھانے میں روز بروز ترقی کی، اور اس میں نمایاں کامیابی حاصل کرتا رہا۔ جب اس نے "عموریہ" فتح کیا تو سنا کہ وہاں ایک بہت بڑی عبادت گاہ ہے، جس کی وہاں کے لوگ بڑی حفاظت کیا کرتے ہیں، اور ان کا اس کے متعلق مذہبی عقیدہ ہے کہ اس میں انبیاء علیہم السلام وغیرہ کے آثار و نادر مذہبی و علمی چیزیں نسلاً بعد نسل محفوظ چلی آرہی ہیں۔ اسی لیے وہ اس کی حفاظت میں پوری پوری کوشش کرتے چلے آرہے ہیں۔ اور اس عبادتگاہ کا بانی ان کے نزدیک اینطوقوس تلمیذ سکندر ذی القرنین بن فیلقوس تھا۔ اس میں کتابوں کا ذخیرہ موجود تھا معتصم نے فتح پانے کے بعد یہاں کے لوگوں کو امان دے دی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)
(۲۶) سیرۃ شیخ الرئیس و فہرست کتبہ (۲۷) کتاب المحدود ابن سینا (۲۸) کتاب اسرار النجوم لارسطاطالیس (۲۹) مختصر من قول ارسطو فی النفس (۳۰) کتاب المقولات ارسطاطالیس (۳۱) جامع انولوطیقیا (کتاب القیاس) (۳۲) کتاب البرہان (۳۳) مقالہ افلیمون فی الطبائع (۳۴) مقالہ فی اسباب الرعد۔

اور اُن کو ان کے مذہب پر برقرار رکھا، اور کسی قسم کا تشدد نہ کیا۔ بجائے اس کے ان سے عہد و معاہدے لیے۔ اس فتح کے بعد عبدالملک بن یحییٰ صاحب البرید علی بن احمد منجم و محمد بن خالد ہندس کو اس ملک میں بھیجا، اور حکم دیا کہ اس عبادت گاہ اور اس ملک میں تلاش و تحقیق شروع کی جائے۔ ان لوگوں نے یہاں آنے کے بعد اپنا کام شروع کیا، اور اہل دیر سے اُن آثار و مقامات کے متعلق معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی، تو یہاں کے باشندوں نے بتلانے میں سخت کوتاہی اور تأمل کیا۔ کسی طریقہ سے کوئی اتا پتا نہ لگا۔ حالانکہ خلیفہ نے انہیں امن و امان دے دیا تھا۔ اور ان پر مہربانیاں کی تھیں۔ لیکن ان لوگوں نے کسی چیز کا احسان نہ مانا۔

جب ان حالات کی اطلاع معتصم کی بارگاہ میں پہنچی تو محمد بن خالد ہندس کے نام شاہی فرمان جاری ہوا کہ اگر یہ لوگ تأمل کر رہے ہوں تو فوراً انکی عبادتگاہ کو ڈھا دو۔ محمد بن خالد نے چار سو ہاتھی لے کر ان کی اس عبادت گاہ پر دھاوا بول دیا۔ اور عصر کے قریب تک یہ بت خانہ ڈھا دیا گیا۔ اور ساری عمارت چھان ماری، لیکن جب اس کی بنیادیں کھودی جانے لگیں، تو ایک گڑھے میں صندوق نظر آیا، جس پر تانبا اور لوہا مڑھا ہوا تھا۔ جب سخت ترین محنت اور تلاش کے بعد مسلمانوں کو یہ صندوق نظر آیا تو ان لوگوں نے جوش مسرت سے تکبیر کے نعرے لگائے۔ اور اس کی اطلاع معتصم کے حضور میں بھیجی اس کے بعد یہ اثری تحفہ لے کر بارگاہِ خلافت میں حاضر ہو کر پیش کیا۔ جب اس صندوق کے قفل کو توڑا تو اس میں سے ایک سونے کا صندوق مقفل برآمد ہوا جس کا قفل بھی سونے کا تھا، اور اس کے ساتھ سونے کی زنجیر میں اس کی کنجیاں لٹک رہی تھیں، اور صندوق پر یونانی زبان میں کچھ لکھا ہوا تھا۔

بادشاہ نے حکم دیا کہ صندوق کھولا جائے۔ اس میں سے ایک کتاب برآمد ہوئی جو سونے ہی کی تھی۔ اس کے سارے اوراق بھی سونے کے تھے۔ ہر ورق کی موٹائی نصف انگلی کے برابر تھی۔ اور ہر ایک کا طول ایک گز اور عرض تین گز تھا۔ اور ہر حرف کی مقدار جو کے دانہ سے بھی زیادہ موٹی تھی۔ اور اس پوری کتاب کے کل (۳۶۰) ورق تھے۔ اور ہر صفحہ میں بارہ سطریں تھیں، اور اس کی کتابت یونانی اور بعض جگہ رُومی زبان میں تھی۔

بادشاہ نے یہ دیکھکر حکم دیا کہ مترجمین حاضر دربار کیے جائیں۔ چنانچہ یہ لوگ بلائے گئے۔ ان سے اس کا ترجمہ اور نقل کرائی گئی۔ کتاب کے ترجمے کے بعد خلیفہ نے اس کے مطالب و ترجمہ کی تصحیح، و اصل کتاب سے مقابلہ کا حکم دیا۔ چنانچہ تعمیل کی گئی، اور کہیں بھی معانی و اغراض و نفس مضمون میں کوئی فرق نہیں پایا گیا۔ اس کتاب کی وجہ سے محمد بن خالد مہندس کے اعزاز میں بہت بڑا اضافہ ہوا، اور خلیفہ نے اس پر ایک مقدمہ لکھنے کا حکم دیا۔

اس کتاب کا نام عربی میں "ذخیرۃ الاسکندر الملک بن فیقلس ذی القرنین" ہے، اور حسب ذیل ابواب پر مشتمل ہے۔

فن اول :- ذکر اصول و مقدمات یحتاج الی علمہا۔
فن الثانی :- فی اصول الصنعۃ و تدبیر الاکسیرات
فن الثالثہ :- فی ترکیب السمومات
فن الرابعہ :- فی التریاقات المحصلۃ من السموم
فن الخامس :- فی صنعۃ الحرزاۃ الطلسمیۃ النافعیۃ من الامراض
فن السادس :- فی خواتیم الکواکب السبعۃ السیارہ
فن السابع :- فی ذکر فنون شیئ من الطلسمات

فن الثامن: في الخورات دار اب المطفئ والبخص

فن التاسع: في ذكر ما يتعلق بالنباتات المستعملة

فن العاشر: في ذكر خواص الحيوان

اس کتاب کا بہت کم لوگوں نے ذکر کیا ہے۔ ہم نے بھی اس کا ایک نسخہ دیکھا جس کی تاریخ ذیقعدہ ۱۰۶۱ھ روز سہ شنبہ کو عمل میں آئی تھی۔ اس میں تینتیس تصویریں ہیں اور کاتب کا نام "محمد شفیع" لکھا تھا۔

احمد بن طولون کا مصری ہاسپتال

جب عباسی حکومت کے حدود وسیع ہوتے گئے اور مصر بھی ان کے زیر اقتدار آ گیا تو انہوں نے اپنی سلطنت کے اس صوبہ کا گورنر "احمد بن طولون" کو مقرر کیا۔ جب خلافت کمزور ہوتی گئی تو اس نے یہاں اپنی خودمختاری کا اعلان (۲۵۴ھ) کر دیا اور آزادانہ حکومت شروع کر دی۔ انتظام ملک میں مصروف رہا۔ اسی سلسلہ میں ۲۶۱ھ میں ایک عظیم الشان شفاخانہ کی بنیاد رکھی۔ گو اس سے پہلے مصر میں خلیفہ متوکل باللہ کے وزیر فتح بن خاقان کا ایک شفاخانہ موجود تھا۔ احمد نے اپنے اس نو تعمیر شفاخانہ کے لیے ساٹھ ہزار دینار کی جائداد وقف کر دی۔

اس شفاخانہ میں علاج کا دستور یہ تھا کہ جب کوئی مریض رجوع ہوتا تو اس کے کپڑے، اور جو کچھ نقدی اس کے پاس ہوتی، وہ شفاخانہ کے خزانچی کے پاس امانت رکھ لی جاتی، اور شفاخانہ کی جانب سے اس کو نیا کپڑا اور بستر دیا جاتا تھا۔ صبح و شام دونوں وقت طبیب و جراح اس کے معائنہ کے لیے آیا کرتے تھے۔ رفتہ رفتہ جب وہ صحت یاب ہو کر اس قابل ہو جاتا کہ مرغ کا شوربا اور روٹی کھانے لگتا تو اس کو ہسپتال سے جانے کی اجازت مل جاتی تھی اور اس کی امانت بھی اس کے حوالہ کر دی جاتی تھی۔ احمد بن طولون کو

خود اس قدر دلچسپی تھی کہ ہر جمعہ کو شفا خانہ کے معائنہ کے لیے آیا کرتا تھا اور اس کی تفتیش کیا کرتا تھا۔ علامہ شبلی نے "مقریزی" کی کتاب الخطط والآثار کے حوالے سے لکھا ہے کہ "پاگلوں کے علاج کے لیے الگ کمرے تھے" اور نہایت خبر گیری سے ان کا علاج ہوتا تھا۔

مصر کی جامع مسجد کا شفا خانہ

احمد بن طولون نے ۲۶۳ھ میں ایک رفیع الشان جامع مسجد بھی بنوائی تھی اور اس میں ایک جدت یہ کی تھی کہ اس کی ایک طرف وسیع مکان بنوایا جس میں ہر وقت ہر قسم کی دوائیں ایک طبیب کی نگرانی میں مہیا رکھی جاتی تھیں۔ اگر اچانک کوئی نمازی بیمار ہو جاتا تو فوراً اس کا علاج کر دیا جاتا تھا۔ اور یہ شفا خانہ خاص مسجد کے مصلیوں کے حادثات کے لیے تعمیر کیا گیا تھا۔

قیدیوں کیلیے سب سے پہلا علاج گھر

خلیفہ مقتدر باللہ کی وزارت، جب علی بن عیسیٰ کے قبضہ اقتدار میں آئی تو شعبۂ طب کو اور ترقی ہوئی کیونکہ علی کو رفاہِ عام کے کاموں کا شغف تھا اور اتفاق سے اس زمانہ میں کثرت سے وبائی امراض پھیلے۔ اس لیے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ وغیرہ میں بھی، اور اطراف واکناف کے علاقوں میں بھی متعدد ہسپتال قایم کیے گئے۔ اور ان شفا خانوں کا نگران ایک صابی المذہب شخص سنان بن ثابت قرہ مقرر ہوا۔[1] شفا خانوں کے لیے متعدد نئے کارخانے کھولے گئے۔ ان ہسپتالوں کی توسیع کے سوا مقتدر کے عہد میں اس شعبہ میں سب سے پہلے ایک جدید کام عمل میں آیا یعنی اس سے پیشتر جیل خانوں میں دوا خانے قایم کرنے کا کہیں رواج نہ تھا

---

[1] اس کی تصنیفات سے "تذکرہ ثابت بن قرہ اور ذخیرہ" بہت مشہور ہیں۔ اول الذکر کتاب ہم نے دیکھی ہے ۱۲

اس نے حکم دیا کہ سارے ممالک محروسہ کے زندانوں میں ہسپتال قایم کیے جائیں، اور ایک ایک جیل خانہ پر ایک ایک طبیب مامور کیا جائے۔

اضلاع کے عارضی بیمار خانے

اسکے علاوہ عارضی مریض خانے بھی قایم کیے گئے تھے۔ جن میں بہت سے طبیب نوکر تھے۔ ان کا یہ فریضہ تھا کہ قصبات اور قریوں میں گشت لگاتے پھریں، اور اضلاع کے باشندوں کا علاج معالجہ کیا کریں۔ اس مقصد کے لیے ان کے ساتھ ہر وقت مختصر سا دواخانہ رہا کرتا تھا یہ لوگ حسب ضرورت ہر ضلع میں قیام کرتے۔ اور اس کے بعد دوسری طرف دورہ کے لیے نکل جایا کرتے تھے[1]۔

اطباء کا سب سے پہلا امتحان

اس عہد تک طبی تعلیم کا کوئی معیار نہ تھا، اور نہ مدارس ہی قایم تھے۔ اس فن کے تلامذہ، مشاہیر اطباء کے گھروں پر جاکر، ان کی خدمت کر کے تجربہ اور علم طبابت حاصل کیا کرتے تھے۔ کسی باضابطہ امتحان یا تعلیم و تعلم کا کوئی طریقہ موجود نہ تھا۔ لکھا ہے کہ ۳۱۹ھ میں خلیفہ مقتدر باللہ کے زمانہ میں کسی طبیب نے ایک بیمار کا غلط علاج کیا جس کی وجہ سے وہ مرگیا۔ خلیفہ کو اس امر کی اطلاع ہوئی تو حکم دیا کہ سارے اطباء کا باضابطہ امتحان لیا جائے، اور یہ جب تک اس امتحان میں کامیاب نہ ہو جائیں انہیں علاج و مطب کرنے کی ہرگز اجازت نہ دی جائے۔ چنانچہ اس فرمان کی وجہ سے سینکڑوں طبیبوں کو امتحان میں شریک ہونا پڑا۔ ان سب کا ممتحن ثابت بن قرہ مقرر ہوا۔ شبلی نے لکھا ہے کہ ان امیدواران امتحان میں سے صرف (۸۶۰) آدمی کامیاب ہوئے، اور انہیں سرکاری طور پر باضابطہ سند عطا

---

[1] رسائل شبلی صفحہ ۱۲

کی گئی۔ جس میں یہ بھی صراحت درج تھی کہ امیدوار نے کس درجہ کا امتحان دیا ہے، اور اسے کس قسم کے علاج کی اجازت دی گئی ہے[51]۔ اس سے بغداد میں فن طب کی ترقی اور اس کے تمدن کا پتہ چلتا ہے کہ شہر میں کتنے ہی طبیب نہ ہوں گے، وہ لوگ تو الگ ہی تھے جن کی شہرت اور لیاقت مسلّم ہو چکی تھی۔

مارستان مقتدری | مقتدر باللہ نہایت کریم النفس بادشاہ گذرا ہے، اُس نے اپنی ساری قوت نیک کاموں میں صرف کرنے کی کوشش کی۔ انسان کے دکھ درد کے علاج پر اس کی توجہ خاص طور پر مرکوز تھی۔ محکمہ طب کو وسعت دینے اور اس کے لیے بے شمار انتظامات کرنے کے باوجود وہ مطمئن نہ تھا، اس لیے انتہا سے زیادہ سہولتیں بہم پہنچانے کے لیے اس نے آب دجلہ کے کنارے اپنی ماں کی یادگار میں ایک اور شفا خانہ کی تعمیر کا حکم دیا، جس کی نزہت، پاکیزگی اور منظر دید کے قابل تھا۔ محرم ۳۰۶ھ میں اس کے افتتاح کی رسم عمل میں آئی۔ اسی سنہ میں ایک اور شفا خانہ اپنے نام سے قایم کیا، جس کا ماہانہ خرچ دو سو دینار تھا[52]۔

علامہ ابن جبیر جب سفر کرتے ہوئے شہر بغداد پہنچے تو انہوں نے بغداد کے خاص خاص محلوں اور مقاموں کا ذکر کرتے ہوئے، دجلہ کے کنارے ایک شفا خانہ کا ذکر تفصیل سے لکھا ہے، جو غالباً اسی مقتدر باللہ کا دوا خانہ تھا، جس کا مختصر ذکر ہم چند سطر اوپر کر چکے ہیں یا کوئی اور ہوگا انہوں نے اس کے متعلق یہ عبارت لکھی ہے کہ:-

"محلۂ باب البصرہ اور شارع کے درمیان سوق المارستان کے نام سے

---

[51] رسائل شبلی، ص ۱۲ [52] طبقات الاطباء، ص ۲۲۱، ج ۱

ایک چھوٹا سا محلہ آباد ہے، اسی میں بغداد کا مشہور شفا خانہ ہے۔ جس کی دجلہ کے کنارے ایک عالیشان خوبصورت عمارت موجود ہے۔ اس کے اندر بہت سے نفیس و پاکیزہ مکانات ہیں، جن کی شاہانہ انداز پر آرائش کی گئی ہے اس میں دجلہ سے پانی آتا ہے۔ ہر جمعرات اور پیر کو اطبا، مریضوں کے معائنہ کے لیے آیا کرتے ہیں، اور ہر شخص کے مناسب حال دوا و غذا تجویز کرتے ہیں، کھانے پکانے، دوائیں کوٹنے اور بنانے کے لیے ملازمین نوکر ہیں، جو طبیب کی حسب ہدایت ہر مریض کو غذا و دوا پہنچاتے رہتے ہیں[1]۔"

مسلمان بادشاہوں، اور امیروں کی فیاضی اسی پر ختم ہوتی نظر نہیں آتی۔ حیرت ہوتی ہے کہ انہیں کس قدر مخلوق خدا کے آرام اور چین کا خیال تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ بغداد میں اس سرے سے اس سرے تک اطباء اور شفا خانوں کا جال بچھا ہوا تھا۔ چنانچہ مقتدر کے وزیر علی بن عیسیٰ نے (جس کا ذکر آگے آچکا ہے) خود اپنے ذاتی صرفہ سے ۳۰۲ھ میں محلہ حربیہ میں ایک ہسپتال قایم کیا تھا جس کا مہتمم مشہور طبیب، ابو عثمان، سعید بن یعقوب دمشقی تھا۔ ابن الفرات نے بھی ۳۱۳ھ میں محلہ درب المفضل میں ایک شفا خانہ تعمیر کیا تھا، جس کا انتظام ثابت بن سنان کے سپرد تھا۔ ان سب شفا خانوں کا خرچ خاص علی کے خزانہ سے ادا ہوتا تھا۔

طب کی ایک نایاب قلمی کتاب خزائن الحکم

خلفائے عباسیہ نے کما حقہٗ اس اہم ضرورت کی تکمیل کی خاطر اپنی پیہم اور مسلسل کوششیں برابر جاری رکھی تھیں، ہر جانشین کے عہد میں کچھ نہ کچھ ضرور اضافہ ہوتا رہا۔ خلیفہ ابوالقاسم مقتدی بامر اللہ (۴۶۷ھ تا ۴۸۷ھ) کے عہد میں ایک بہترین کتاب لکھی گئی جس کا نام خزائن الحکم ہے۔

---

[1] ترجمہ سفرنامہ ابن جبیر ص ۲۰۱ مطبوعہ [illegible] ۱۲

ہم نے یہ کتاب نہایت ہی اعلیٰ درجہ کے خط میں لکھی ہوئی دیکھی ہے۔ اس میں بڑی جدت کے ساتھ امراض اور ان کے علاج جدولوں کے ذریعہ واضح کیے گئے ہیں۔ اس کتاب کا کاغذ اس قدر موٹا اور نفیس ہے جسے دیکھکر کاغذ سازی کی صنعت کی ترقی کا پتہ چلتا ہے۔ کتاب بہت بڑی سائز پر حاوی ہے۔ جس کے سو صفحے ہیں۔ پیش نظر نسخے کی کتابت ۲۵ رمضان ۴۷۸ھ میں بمقام کاشان عمل میں آئی ہے۔ کاتب کا نام "مسعود بن محمود بن محمد الطبیب" ہے۔

خلیفہ ناصر الدین اللہ (۵۷۵ھ-۶۲۲ھ) کے عہد میں ابو نصر مسیحی و ابن عطار کی شہرت تھی۔ چنانچہ اول الذکر نے خلیفہ کا علاج کیا، اور جب صحت ہوئی تو بیس ہزار دینار کے سوا امین الدولہ بن تلمیذ کا نادر و بیش بہا کتب خانہ مرحمت کر دیا جس میں لکھوکھا روپیوں کی کتابیں تھیں، اس طبیب نے ۶۰۰ھ میں وفات پائی۔

کتاب چور حکیم | ابن عطار کا نام ابوالخیر بن ابراہیم (نصرانی) تھا۔ یہ بھی خلیفہ موصوف کا شاہی طبیب تھا۔ سنگ مثانہ کے علاج میں ناکامی ہونے کی وجہ سے مردودِ بارگاہِ شاہی ہوا۔ مورخین لکھتے ہیں کہ اسے دنیا میں کتابوں سے زیادہ کسی اور چیز سے محبت نہ تھی۔ اس لیے اس کے پاس بیش بہا کتب کا نادر ذخیرہ جمع ہوگیا تھا اس کی خریدی کتب کا یہ عجیب قصہ لکھا ہے کہ اگر اس کے پاس کوئی کتاب فروخت کے لیے آتی تو اس میں سے دو چار ورق غائب کر دیا کرتا تھا۔ اور بعد میں قیمت لگاتا۔ اگر اپنے حسب خواہش قیمت میں مل جاتی تو خرید لیتا ورنہ واپس کر دیتا تھا۔ یہ ترکیب ہمیشہ اس وقت کیا کرتا تھا۔ جب کتاب کے واپس آنے کی کوئی توقع نہ ہوتی تھی۔ یہ اپنی اس عادت کی وجہ سے بدنام ہوگیا تھا، اور لوگ اسے خائن کہا کرتے تھے۔

۶۳۱ھ میں خلیفہ مستنصر نے مکہ معظمہ میں ایک عالی شان شفاخانہ بنوایا تھا

جس کی ترمیم شریف مکہ حسن بن عجلان نے چالیس ہزار کے صرفہ سے کرائی تھی۔

چوتھی صدی ہجری میں اسلامی سلطنت اس قدر وسیع ہو چکی تھی کہ بہت سے صاحب تخت و تاج پیدا ہو گئے تھے۔ اور اپنی اپنی جگہ مستقل سلطنتوں کے بلاشرکت غیرے حکمران تھے۔

طب اسلامی آل سامان کی سرپرستیوں میں

خاندانِ آل سامان کے ایک رُکن (اسد بن سامان) کے سر پر بخت و اتفاق نے تاج شاہی رکھا تو ایک نئی حکومت وجود میں آئی اس سلسلہ میں بھی بہت سے قابل اور لائق سلاطین گذرے جنھوں نے علم و فضل کے ساتھ، فن طب کی سیادت کی۔ ان کے دربار میں بھی بڑے بڑے نامی گرامی حکما جمع تھے۔ چنانچہ بوعلی سینا نے اپنی ایک کتاب "مبدا، و معاد" میں اس خاندان کے ایک طبیب کے نادر علاج کا یہ قصہ لکھا ہے:-

ایک عجیب و غریب علاج

"میں نے یہ سنا کہ "آلِ سامان کے بادشاہوں کا ایک طبیب تھا۔ جسے اس قدر تقرب حاصل تھا کہ حرم شاہی کے مخدراتِ عصمت کی بے حجاب نبض دیکھا کرتا تھا۔ ایک دن بادشاہ کے ساتھ محلِ خاص میں بیٹھا ہوا تھا جہاں کہ اچھے اچھوں کی گذر ناممکن تھی۔ جب کھانے کا وقت قریب ہوا، تو بادشاہ نے دسترخوان بچھانے کا حکم دیا، خاصہ کی تیاری کی گئی اور ایک خوان لوازم سے بھرا ہوا، لایا گیا، جو لونڈی کہ خوان سالار مقرر تھی، خادمہ کے سر سے خوان اتارنے کے بعد نیچے رکھنے کے لیے جھکی، اور رکھ کر جب سیدھی ہونا چاہی تو نہ ہو سکی، جس طرح جھکی تھی، اسی طرح اکڑ گئی۔ بادشاہ لونڈی کی یہ حالت

---

[1] ہم نے ایک کتاب میں یہ پڑھا کہ یہ قصہ شیخ الرئیس کے استاد ابو المنصور بخاری کا ہے جو امیر منصور سامانی کا شاہی طبیب تھا اور ۳۹۰ھ میں انتقال کیا۔ اسکی تصنیفات سے کتاب العلل مجموعہ کبیر اور غنی منی ہیں۔ غنی منی کا ایک نسخہ نظر سے گذرا جو ۳۹۲ھ کا قلمی ہے

دیکھکر حیران ہوگیا۔ اور طبیب سے مخاطب ہوکر کہا کہ فوراً اس کا علاج کرو۔ چونکہ موقع سخت نازک تھا، نہ اس وقت دوائیں پاس تھیں اور نہ کوئی طبی تدبیر کی صورت تھی، طبیب باکمال اور حاذق تھا اس کے باوجود وہ پریشان نہ ہوا، اور نہایت استقلال سے اُس نے اِس مشکل معاملہ کا حل تدبیرِ نفسانی کے ذریعہ کرنا چاہا۔ جب غور کی، تو اس نتیجہ پر پہنچا کہ یہ عارضہ مفاصل میں ریح غلیظ کے پیدا ہونے کے سبب پیش آیا ہے۔ اس لیے یہ تدبیر بتائی کہ اس کے مُنہ اور سر سے نقاب اُلٹ دیا جائے اور اس کے بال پریشان کر دیے جائیں، اس کے باوجود اس کی حالت میں کوئی تغیر پیدا نہ ہوا، تو پھر یہ کہا کہ اس کے سارے کپڑے کھینچ لیے جائیں اور اس کو سر سے پیر تک بالکل ننگ دھڑنگ کر دیا جائے، لونڈی یہ سنتے ہی پریشان ہوئی اور جب اس کی شلوار اتارنے لگے، تو شرم و حیا کے مارے یک دم سیدھی ہوگئی۔ بادشاہ یہ دیکھکر حیران ہوگیا کہ وہ یا تو کوششوں سے اور کھینچنے کے بعد بھی سیدھی نہ ہو سکتی تھی۔ اور صرف اس عمل سے اس کی حالت درست ہوگئی طبیب سے اس کا سبب پوچھا تو اس نے یہ عرض کی کہ " جہاں پناہ! اس کے جوڑوں میں یکایک" ریح غلیظ آ کر اڑ گئی تھی۔ جب لباس اُتارنے کے لیے اسکی شرمگاہ کی طرف ہاتھ بڑھایا گیا تو فوراً غلبۂ حیا کے باعث اس کے جسم میں تیزی سے حرارت پیدا ہوئی، اور جس کی وجہ سے وہ ریح غلیظ تحلیل ہوگئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ سیدھی کھڑی ہوگئی۔ بادشاہ حکیم کی اس بے مثل حذاقت پر متعجب و حیران رہ گیا[۵]"۔

---

[۵] چہار مقالہ ص ۹۳ مطبوعہ لاہور ۱۲

محمد زکریا رازی کا ایک عجیب و غریب معالجہ

مجمع النوادر کے مؤلف نے اس زمانہ کے ایک اور نادر علاج کا تذکرہ لکھا ہے۔ کہتے ہیں کہ امیر منصور بن نوح بن نصر (المتوفی سنہ ۳۶۵ھ) کو ایک عارضہ پیدا ہو گیا تھا، جو ایک عرصہ دراز تک اچھا نہ ہو سکا، سارے اطبا علاج سے عاجز آچکے تھے۔ اس نے مجبور ہو کر محمد زکریا رازی کو طلب کیا۔ رازی حسب الحکم معالجہ کی خاطر چل پڑا، جب دریائے جیحون کے کنارے پہنچا، اور اس کو دیکھا تو کہا کہ میں ہرگز کشتی میں نہ بیٹھوں گا کیونکہ اس ہلاکت خیز دریا میں کشتی پر سوار ہونا اور دیدہ و دانستہ اپنے آپ کو ایک سخت مخاطرہ میں ڈالنا عقلمندی کے خلاف ہے۔ چنانچہ وہ یہاں سے لوٹ گیا۔ جو ایلچی کہ ذکریا کو ہمراہ لا رہا تھا، وہ بادشاہ کی خدمت میں عرض حال کے لیے پہنچا، اور سارا ماجرا بیان کیا۔ بادشاہ نے پھر قاصد کو روانہ کیا، کہ اسے سمجھا منا کر لائے چونکہ اس آمد و رفت میں کافی عرصہ ہوا تھا، اس لیے اس مدت میں محمد زکریا نے ابو صالح نوح بن منصور (المتوفی سنہ ۳۶۵ھ) کے لیے "منصوری"[1] کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ جب یہ قاصد اس کے پاس پہنچا، تو اس نے اس کے ہاتھ اپنی یہ تصنیف روانہ کی اور کہا کہ بادشاہ سے یہ عرض کر کہ یہ کتاب میری بجائے ہے۔ اور اس سے آپ کا مقصد حاصل ہو گا اور میری ضرورت نہ ہو گی۔ جب یہ کتاب بادشاہ کے پاس اس کی بجائے پہنچی، تو بے حد رنجیدہ ہوا، اور

---

[1] چہار مقالہ ہی سب سے پہلی کتاب ہے جس کی وجہ سے "منصوری" کی تالیف کا ایک عجیب و غریب اور دلچسپ واقعہ معلوم ہوتا ہے ورنہ دنیا آج تک اس خاص واقعہ سے ناواقف تھی۔ لاطینی زبان میں کتاب المنصوری کا نام Ad Alman Sorem librix ہے۔ یہ بمقام "میلان" سنہ ۱۴۸۰ء میں طبع بھی ہوئی۔ اور سنہ ۱۵۳۳ء میں ڈاکٹر جارج کروت نے اس کی تلخیص بھی شایع کی تھی اور اس کی ابتدا میں ایک مقدمہ لکھا تھا۔ رازی کی دوسری کتاب بھی "الحاوی" جسکا لاطینی نام Continens Rosis ہے "وینس" میں سنہ ۱۵۴۲ء میں چھاپی گئی تھی۔ (ماخوذ از اورینٹل کالج میگزین فروری سنہ ۱۹۳۲ء) ۱۲

حکم دیا کہ پھر جاؤ اور یہ ہزار دینار و اسبِ خاص دے کر اُسے حاضرِ دربار ہونے پر مجبور کرو۔ جو مانگے اس کی تکمیل کرو۔ اگر اس طرح بھی وہ چلنے پر راضی و آمادہ نہ ہو تو اس کے ہاتھ پیر باندھ کر اُسے کشتی میں سوار کراؤ، اور جب دریا پار ہو جائیں، تو نہایت عزت و احترام کے ساتھ حاضرِ دربار کرو۔ چنانچہ جب وہ حاضرِ دربار ہونے پر راضی نہ ہوا، تو اسی طریقہ کا سلوک اس کے ساتھ برتا گیا، جب کنارہ پر اترے تو اس کے ہاتھ پیر کھول دیے گئے۔ دربار میں حاضر ہوا تو بادشاہ نے اس سے پوچھا کہ مجھے ڈر تھا کہ تو کوئی خصومت و دشمنی کریگا اور خوشی سے میرا علاج نہ کریگا، لیکن میں محسوس کرتا ہوں کہ تو نے اس بدسلوکی کو بالکل فراموش کر دیا ہے اس نے عرض کی کہ میرے حاضر ہونے میں کوئی عذر نہ تھا، اور میں یہ بخوبی جانتا ہوں کہ ہزاروں آدمی آب جیحون سے پار ہوتے رہتے ہیں اور غرق نہیں ہوتے اور میں بھی غرق نہ ہوتا، اور یہ بھی ممکن تھا کہ غرق ہو جاتا۔ اور اگر ایسا ہوتا تو لوگ قیامت تک مجھے یہ کہکر بدنام کرتے کہ دیکھو محمد ذکریا کس قدر بے وقوف آدمی تھا کہ جانتے اور سمجھتے ہوئے کشتی میں بیٹھا، اور غرق ہو گیا۔ خیر اس کے بعد رازی نے امیر کا علاج شروع کیا لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا، ایک دن اس کی شکایت سن کر کہا کہ اچھا میں کل آپ کا دوسرے طریقہ سے علاج کرونگا، اور اس معالجہ کے لیے، فلاں گھوڑا فلاں خچر کی ضرورت ہے، یہ دونوں اپنی تیز رفتاری کی وجہ سے بہت مشہور تھے اور ایک رات میں (۱۲۰) میل طے کر سکتے تھے۔ دوسرے روز محمد ذکریا نے امیر کو "جوئے مولیاں" کے قریب ایک حمام میں لے گیا۔ اور حمام کے دروازہ پر گھوڑے اور خچر کو زین وغیرہ کس کر کے تیار کھڑا رکھا۔ اور ان کی رکاب اپنے غلام کے ہاتھ میں دی۔ بادشاہ کے مصاحبین و ملازمین سے کسی کو حمام میں آنے کی اجازت نہ دی، امیر کو حمام میں تنہا لے گیا اور اس کے وسط میں

بٹھلایا، اور نیم گرم پانی اس پر ڈالتا رہا اور ایک شربت جو تیار کر رکھا تھا
اسے پینے کے لیے دیا، اور اتنی دیر تک منتظر رہا کہ اخلاط کو مفاصل میں پہنچکر
نضج پیدا ہوا، اس کے بعد اٹھا اور کپڑے پہنے، اور امیر کے سامنے آ کھڑا ہوا
اور گالیاں دینی شروع کیں کہ " تو ایسا اور ایسا ہے اور تو نے مجھے باندھکر کشتی
میں ڈالنے کا حکم دیا۔ اور میری جان کے پیچھے پڑ گیا، اگر اس بدسلوکی کے معاوضہ میں
اس وقت تیری جان نہ لوں تو میں ذکریا کا بیٹا نہیں"۔ بادشاہ یہ سنکر نہایت
غیظ و غضب کے عالم میں اٹھا، تاکہ اس کے قتل کرنے سے پہلے تلوار سے
ذکریا کا ہی خود خاتمہ کر دے، جب رازی نے امیر کی یہ حالت دیکھی تو، حمام
سے باہر نکل آیا، وہ اور اس کا غلام گھوڑے اور خچر پر سوار ہو کر فوراً یہاں سے
فرار ہو گئے، اور مقام " مرو" پر پہنچ کر دم لیا۔ اس کے بعد بادشاہ کو ایک
خط لکھا کہ " خدا جہاں پناہ کو سلامت رکھے، خادم نے صحت و ازالۂ مرض
کی پوری پوری کوشش کی، چونکہ حرارت غریزی نہایت کمزور ہو چکی تھی۔ اور
اس کا طبعی علاج بہت دنوں میں ہو سکتا تھا، اس لیئے میں نے اس قسم کا
علاج مناسب نہ سمجھا، اس کی بجائے علاج نفسانی پر غور و توجہ کر کے یہ
ترکیب نکالی تھی۔ جب بادشاہ کے بدن میں نضج پیدا ہو گیا تھا تو اس وقت
حرارت غریزی کو جوش میں لانے کے لیے، میں نے آپ کے غصہ کی آگ کو
بھڑکایا جس کی وجہ سے نہایت شدت کے ساتھ حرارت غریزی حادث ہوئی
اور اپنی قوت سے ان اخلاط کو جو نضج قبول کر چکی تھیں، تحلیل کر دیا۔ اس ترکیب پر عمل
کرنے کے بعد یہ بہت بڑی غلطی ہوتی اگر میں وہیں جہاں پناہ کی خدمت میں حاضر
رہتا، کیونکہ اپنی عزیز زندگانی کی کوئی توقع نہیں رکھ سکتا تھا۔
جب ذکریا فرار ہو گیا، تو اس کے بعد ہی بادشاہ کو غشی طاری ہو گئی جب

ہوش میں آیا تو حمام سے باہر آیا، اور خدمت گاروں کو آواز دی، اور پوچھا کہ طبیب کہاں ہے۔ تو ان لوگوں نے کہا کہ وہ فرار ہو گیا ہے۔ امیر نے اس کی یہ ترکیب نہ سمجھی اور متحیر رہا۔ یہ حمام سے خود چل کر باہر نکل آنے کے قابل ہو گیا، اس کی وجہ سے تمام امراء و ملازمین نے بڑی خوشی منائی، خیرات کی، صدقے اتارے۔ طبیب کی بہت کچھ تلاش کی، لیکن پتہ نہ چلا۔

ساتویں روز محمد ذکریا کا غلام اس خط کو لے کر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ امیر نے خط پڑھ کر اس کی اس تدبیر پر تعجب کیا اور اس کو معاف کر دیا اور اس کے لیے خلعت، گھوڑے مع ساز و سامان، ہتھیار، دستار، غلام اور لونڈیاں وغیرہ تحفہ میں بھیجیں اور حکم دیا کہ اس کے نام ہر سال ہزار دینار سرخ اور دو سو خروار غلہ اجرا ہوا کرے[1]۔

---

[1] ذکریا رازی کے حالات بہت مشہور ہیں اس لئے ہم نے اسکے متعلق یہاں کچھ نہیں لکھا ہے اسکی تصنیفات سے متعدد کتابیں ہیں لیکن حسب ذیل تصانیف ہماری نظر سے گذری ہیں:

(۱) برء الساعۃ (۲) رسالہ فی التحفظ النزلہ (۳) رسالہ فی الجدری والحصبہ (مطبوعہ بیروت) (۴) طب منصوری (۵) قوانین الاول (۶) کتاب فی معرفۃ الفصد (۷) کتاب فی معرفۃ موسیقی (۸) مقروات المقالہ الرقیعہ فی ذکر بعض الاغذیہ والادویہ (۹) مقالہ الاطباء (۱۰) مقالہ فی الحصی مع ترجمہ فرانسیسی (مطبوعہ یورپ) (۱۱) منصوری (کناش فاخرہ) (۱۲) من لا یحضرہ الطبیب (مطبوعہ)۔ (۱۳) سطبیہ ذکریا علی بن عباس مجوسی

حال ہی میں ایک اور کتاب کا علم رسالہ معارف دسمبر ۱۹۳۶ء کے ذریعہ ہوا جس میں لکھا ہے کہ امریکہ کی پرنسٹن یونیورسٹی نے چند قدیم اور نادر قلمی کتابیں خریدی ہیں ان میں ذکریا رازی کا ایک رسالہ بھی ہے جو طب پر ہے اور ۲۸۲ھ میں لکھا گیا ہے۔ خیال ہے کہ یہ رسالہ صرف دنیا میں ایک ہی ہے۔ رازی پہلا شخص ہے جس نے خسرہ اور چیچک میں سائنٹفک طریقہ پر امتیاز پیدا کیا۔ طب پر ایک اور رسالہ بھی ملا ہے جو ابن نفیس متوفی (۶۸۸ھ) کے اصل نسخہ سے ۹۴۳ھ میں نقل کیا گیا ہے۔ اس میں پھیپھڑوں کے دوران خون پر مستقل بحث ہے۔ ورنہ اس سے پہلے عام خیال یہ تھا کہ دوران خون کا نظام اسپین کے ایک فاضل مائیکل سرویٹس Michael Servetus نے سب سے پہلے دریافت کیا تھا جو ابن نفیس سے تقریباً تین صدی کے بعد گزرا ہے۔ (معارف ص ۳۸۸) ۱۲

آل بویہ کا بیت الشفا سامانیوں کے بعد دوسری قابل الذکر اسلامی سلطنت آل بویہ (۳۱۲ھ تا ۴۴۸ھ) کی تھی، اس خاندان میں بھی بہت سے نامی سلاطین گزرے ہیں۔ جنہوں نے صاحبانِ فضل وکمال کی پرورش وپرداخت میں نمایاں طور پر حصہ لیا تھا۔ معزالدولہ (متوفی ۳۵۶ھ) کے عہد میں ابراہیم بن ثابت بن قرہ الحرانی مشہور طبیب تھا، جس نے بہت سی قدیم کتابوں کا ترجمہ کیا۔ یہ شخص صابی المذہب تھا۔ جالینوس اور بقراط کی کتابوں کا درس دیا کرتا تھا۔ لکھا ہے خود اس نے ایک تاریخ بھی مرتب کی تھی۔ اسی خاندان کا وہ مشہور ومعروف حکمران ہے جو عالم اسلامی میں "عضد الدولہ" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اور جس کے آثار خیر کو دنیا آج تک بھلا نہ سکی۔ یہ ایک قابل علم دوست اور رفاہِ عام کے کاموں کا دلدادہ فرماں روا گزرا ہے۔ سلطنت کی باگ ڈور سنبھالتے ہی اس نے حکم دیا کہ سارے ممالک محروسہ میں نئے شفاخانے تعمیر کیے جائیں، اور قدیم ہسپتالوں کی تعمیر وترمیم کی جائے۔ بغداد کی کثرت آبادی کے باعث موجودہ ہسپتال بہت ناکافی تھے۔ عضدالدولہ خاندان بویہ کا چوتھا تاجدار تھا۔ اس کی سلطنت ایک بڑی وسیع رقبہ پر پھیلی ہوئی تھی۔

اس نے ۳۶۶ھ میں ایک ایسا زبردست شفاخانہ قایم کیا تھا کہ بڑے بڑے اور معتبر مؤرخین نے بالاتفاق یہ تسلیم کرلیا کہ دنیا میں اس شان وشوکت کا "بیت الشفا" آج تک تعمیر نہ ہوسکا۔ علامہ ابن خلکان نے اس شفاخانہ کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے "لیس فی الدنیا مثل ترتیب واعد له من الآلات ما یقصر الشرح عن وصفها"۔

یہ "دارالعلاج" اپنی گوناگوں خوبیوں اور وسعت وخوب صورتی کے لحاظ سے نہایت عظیم الشان تھا، اس میں ہر قسم کے آلات کثرت کے ساتھ

مہیا کیے گئے تھے۔ اور چھوٹی چھوٹی کے اطبا، اقصائے ممالک سے چھان بین کر کے بلائے گئے تھے ان کی تعداد پہلے پہل (۵۰ تھی) بعد کو انتخاب کے بعد گھٹ کر (۲۴) رہ گئی۔ یہ لوگ علاج معالجہ کیا کرتے اور طلباء کو درس و تدریس دیا کرتے تھے، ان طبیبوں میں ابن بکس، ابن کشکرایا، ابوعیسیٰ، بنوحسنو، ابوالفرج، ابن بطلان بغدادی جیسے نامور اطبا شامل تھے۔

ابن کشکرایا وہ شخص تھا، جس نے امیر سیف الدولہ کا علاج کیا کہتے ہیں میدانِ جنگ میں امیر کی کمر پر کاری ضرب لگی تھی۔ جس کی وجہ سے مجاریٔ بول میں سخت نقصان پہنچا اور قوتِ ماسکہ اپنے عمل سے بالکل عاجز آگئی تھی۔ بالآخر سیف الدولہ ابن کشکرایا کو حاضر دربار ہونے کا حکم دیا تو یہ موصل سے اس کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور "حب فرفیون" سے اس مرض کا علاج کیا۔ جس سے امیر کو بے حد فائدہ ہوا تو پھر یہیں سے اس کو شفاخانہ عضدیہ میں طلب کر لیا گیا۔ لکھا ہے کہ حقنہ اسی کی ایجاد ہے۔ اس کی تصنیفات سے کتاب "معرفت نبض" اور "کناشی" ہے جو امیر سیف الدولہ کے نام سے معنون کی ہے۔

ابن بطلان بغدادی کی کتاب تقویم الاطباء کا قلمی نسخہ

ابن بطلان بغدادی مشاہیر اطباء سے تھا۔ اس کا پورا نام ابوالحسن مختار بن عبدون بن سعدون ابن بطلان تھا۔

یہ نصرانی مذہب کا پیرو، اور شاعر بھی تھا۔ اس نے ۴۶۱ھ میں وفات پائی فنونِ حکمت میں کمال کے درجہ کو پہنچ چکا تھا۔ قسطنطنیہ و مصر کا سفر بھی کیا۔ اور اس کی یادگار میں ایک سفرنامہ بھی لکھا۔ اعمالِ ید اور جراحی میں ید طولیٰ رکھتا تھا۔ ابوالفرج کی معرفت سے شفاخانہ عضدیہ میں مقرر کیا گیا۔ اس کی

تالیفات سے کناشش الادیہ والرہبان مقالہ درخوردن دوائے مسہل کتاب دعوۃ الاطباء (جو امیر نصیر الدولہ کے نام معنون ہے) یادگار ہیں۔ اس کی ایک کتاب "تقویم الصحتہ" ہے جسے غالباً "تقویم الاطبار" بھی کہا جاتا ہے۔ یہ کتاب ہماری نظر سے گذری ہے۔ جو سُرخ و سبز و سیاہ روشنائیوں سے خطِ نسخ میں لکھی گئی ہے۔ خط کی شان و شوکت دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے، ڈرائنگ کے قابلِ لحاظ نمونوں اور بیل بوٹوں سے کتاب مزین ہے دوائرا وران کی گلکاری وغیرہ بہت ہی جاذبِ نظر ہے۔ اس کی جلد بھی قابلِ حفاظت اور نہایت قدیم ہے۔ اس کتاب میں ادویہ اور ان کے امزجہ وغیرہ جدولوں کے ذریعہ نہایت کمال اور عمدگی کے ساتھ واضح کیے گئے ہیں۔ اس کتاب کے شروع میں دیباچہ بھی لکھا ہے۔ جس کے حروف بوجہ قدامت اڑتے جارہے ہیں یہ کتاب نادر و کم یاب ہے ہم نے بدقت تمام اس کے مؤلف کے نام (مختار بن عبدو......) کو پڑھا۔ اور ہمارا یہ خیال ہے کہ ابن بطلان کی یہ وہی کتاب ہے جو "تقویم الصحتہ" کے نام سے یاد کی جاتی ہے۔ مؤلف کے نام کے جتنے حروف پڑھے جاتے ہیں ان سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔

اس کتاب کا دیباچہ فارسی زبان میں ہے۔ کتاب اپنے خط کی شان اور اور ابن بطلان کی تالیف کی وجہ سے نادرات کا حکم رکھتی ہے۔ اس کتاب کے کل (۸۴) صفحے ہیں۔ یہ کتاب خزائن الحکم کے ساتھ ملی ہوئی ہے اس کی بھی وہی تقطیع ہے۔

عضد الدولہ کی خوش قسمتی تھی کہ اُسے ایسے باکمال ہاتھ آگئے تھے۔ اور اُس کے شفاخانہ میں مامور تھے۔ جن کا جواب آج تک مسلمانوں میں پیدا نہ ہوسکا۔ جراحوں میں ابوالخیر، ابوالحسن نفاح جیسی مشہور شخصیت کے

لوگ تھے۔ ابوالصلت سی معروف عالم ہستی بھی ان میں شامل تھی جو اس شفاخانہ میں پٹی باندھنے والوں کا استاد مقرر کیا گیا تھا۔ اس فن میں جس کا کوئی جواب نہ تھا۔ کحالوں کا معلم ابو النصر بن الرحلی تھا محکمہ طبابت اور اس شفاخانہ کا افسر امین الدولہ بن تلمیذ مشہور عیسائی تھا عضد الدولہ کے عہد میں ابو العلاء فارسی لشکر شاہی کا طبیب تھا جو اپنا جواب نہ رکھتا تھا۔ عام طور پر اس کی اس قدر شہرت تھی کہ لوگ "دست شفا" اس کے سوا کسی اور کو حاصل نہیں سمجھتے تھے۔ عضد الدولہ کے بعد اس کے بیٹے شرف الدولہ کے دربار میں بھی اس کی وہی عزت برقرار رہی۔

مصنف چہار مقالہ نے آل بویہ کے عہد میں بوعلی سینا کے ایک اور نادر معالجہ کا ذکر کیا ہے۔

شیخ الرئیس کا ایک نادر علاج

وہ لکھتے ہیں کہ ان سے ان کے ایک معتبر دوست نے یہ واقعہ بیان کیا کہ آل بویہ کا ایک شاہزادہ مرض مالیخولیا میں مبتلا ہو گیا تھا۔ اور وہ اس بیماری کی وجہ سے اپنے آپ کو یہ سمجھتا تھا کہ وہ "گائے" ہو گیا ہے۔ ہر روز آوازیں کیا کرتا اور ہر شخص سے کہتا کہ مجھے ذبح کر کے ہریسہ تیار کرو۔ مرض نے اس قدر غلبہ کیا کہ اس نے اس وہم و تخیل کی وجہ سے کھانا پینا چھوڑ دیا اور حالت بدتر ہونے لگی۔ سارے اطباء علاج سے عاجز آ گئے کچھ فائدہ نہ ہوا۔ بوعلی سینا جو اس وقت علاؤ الدولہ کا وزیر تھا، سلطنت و ملک کے معاملات اور تصنیف و تالیف میں مشغول اور کتاب شفاء لکھ رہا تھا۔ اور جسے ان مصروفیتوں کی وجہ سے وقت ہی نہ ملتا تھا۔ اطباء نے عاجز ہو کر علاؤ الدولہ کی خدمت میں اس مریض شہزادہ کی بیماری کیفیت بیان کی اور کہا کہ اس کا علاج سوائے ابن سینا کے

اور کسی سے ممکن نہیں آپ شیخ سے اس کی سفارش کیجئے۔ چنانچہ علاء الدولہ نے بوعلی سے اس کے علاج کی درخواست کی تو اس نے بادشاہ کے حکم کی وجہ سے قبول کر لی اس کے بعد لوگوں سے کہا کہ اچھا اس مریض سے جا کر کہو اور اسے خوشخبری دو کہ تمہارے ذبح کرنے کے لیے قصاب آتا ہے۔ چنانچہ مریض یہ سنکر بیحد مسرور و خوش ہوا۔ اس کے بعد بوعلی سینا دو آدمیوں کے ہمراہ اس مریض کے پاس گیا، اس کو دُور سے دیکھنے کے باوجود لوگوں سے پوچھنے لگا کہ اچھا بتاؤ وہ گائے کہاں ہے؟ تاکہ میں اُسے ذبح کروں ۔ اس مریض نے جب یہ باتیں سنیں تو گائے کی طرح آوازیں کرنے لگا۔ بوعلی سینا نے حکم دیا کہ اس کے ہاتھ پیر گائے کی طرح باندھ دو اور جانور کو جس طرح ذبح کرنے کے لیے لٹاتے ہیں اس طرح اسے لٹا دو۔ چنانچہ جب اس کو باندھ کر لٹا دیا گیا تو شیخ اس کے قریب پہنچا اور چھری پر چھری رگڑنی شروع کی۔ جیسا کہ قصابوں کی عادت ہوتی ہے۔ اس کے بعد ذبح کرنے کے لیے بیٹھا۔ گلے پر چھری رکھنے سے پیشتر اس کا جسم دیکھ کر کہنے لگا کہ یہ کس قدر دبلی گائے ہے، اس کو ذبح نہ کرنا چاہیے، چارہ کھلاؤ تاکہ خوب موٹی ہو، اور گوشت بھی خوب نکلے۔ اُس وقت اِس کو ذبح کیا جائیگا۔" یہ کہنے کے بعد مریض کے پاس سے اُٹھا اور باہر آکر لوگوں کو ہدایت کی کہ اس کے ہاتھ پیر کھول دو۔ میں جو کچھ غذائیں تجویز کروں اس کو کھلایا کرو۔ اور اس سے کہو کہ خوب کھائے تاکہ موٹی تازی ہو سکے۔ چنانچہ اسی طرح عمل کیا گیا۔ اس کے بعد اس مریض کے سامنے جو کچھ لے جاتے اُسے موٹا ہو کر ذبح ہونے کی خاطر ہنسی خوشی کھا پی لیتا۔ اسی ترکیب سے دوائیں وغیرہ بھی استعمال کرائی گئیں اور اس سے کہا جاتا تھا کہ یہ دوا کھا اس سے گائے بہت جلد موٹی ہوتی ہے، وہ اسے فوراً کھا لیا کرتا تھا۔ اس کے بعد بوعلی سینا نے

دوسرے اطباء کو اس کے علاج کے متعلق ہدایتیں کردیں اس ترکیب سے مریض ایک مہینے کے اندر کامل صحت یاب ہوگیا[1]

غزنوی عہد میں بوعلی سینا کی حذاقت

ادھر قدرت کے فیاض ہاتھوں نے غزنی کے چھوٹے سے شہر میں ناصر الدین سبکتگین کے سر، ۳۶۵ھ میں تاج شاہی رکھا، اور اس کی اولاد سے ایک ایسا بادشاہ پیدا ہوا، جس نے اپنی فتوحات سے ہمعصر سلاطین کو لرزہ براندام کر رکھا تھا۔ سلطان محمود غزنوی کی جلادت و فتوحات کو کون نہیں جانتا۔ اہل علم و کمال کے ساتھ اس کی قدردانیوں کے واقعے کس نے نہیں سُنے۔ اس کے دربار میں جس قدر معرکۃ الآرا افاضل زمانہ جمع ہوئے تھے۔ شاید دنیا میں کسی اور بادشاہ کو نصیب ہوئے ہونگے۔ اس کی فضلاء پروری کا یہ عالم تھا کہ سارے ممالک پر اس کی نظریں تھیں، اور وہاں کے اہل کمال کے ناموں اور حالات سے واقف رہ کر ان کی جستجو میں رہتا، چنانچہ اس کو معلوم ہوا کہ ابوالعباس مامون خوارزم شاہ[2] کے دربار میں ابوالحسن احمد بن محمد السہیلی، ابوعلی سینا، ابوسہل مسیحی، ابوالخیر خمار ابوریحان بیرونی، ابونصر عراقی وغیرہ جمع ہیں اور یہ وہ افاضل روزگار ہیں، جن کا اسوقت دنیا میں جواب نہیں۔ اس نے ابوالعباس کی خدمت میں ایک فرمان خواجہ حسین بن علی میکال کے ہاتھ روانہ کیا، جو خود افاضل روزگار سے تھا۔ محمود نے یہ خواہش کی تھی کہ میں نے سُنا ہے کہ تمہارے دربار میں بہت سے اہل فضل و کمال جمع ہیں،

---

[1] چہار مقالہ (صفحہ ۱۰۲ مطبوعہ لاہور۔) ۱۲

[2] یہ شخص خاندان خوارزم شاہی سے نہیں ہے، بلکہ محمود غزنوی کے ابتدائی عہد میں، خوارزم علاقہ کی حکومت مامون نامی شخص سے متعلق تھی اس نے سلطان محمود کی بہن سے عقد بھی کیا تھا۔ اسے اگلے مورخین ابوالعباس مامون خوارزم شاہ کے نام سے یاد کرتے ہیں اور اکثر و بیشتر اگلی تاریخوں میں یہی نام دیکھنے میں آیا ہے ۱۲

لہٰذا ان میں سے فلاں فلاں کو میری خدمت میں روانہ کرو۔ تاکہ ہماری آستان بوسی کا شرف حاصل کریں۔" خوارزم شاہ نے ایلچی کی بڑی آؤ بھگت کی اور اسے ایک اچھے مقام پر ٹھہرایا اور اپنے دربار میں بلانے سے پہلے حکماء کو طلب کیا اور وہ فرمان پڑھ کر سنایا، اور کہا کہ محمود بہت صاحبِ قوت اور بہت بڑے لشکر کا مالک ہے، ہندوستان و خراسان وغیرہ پر اس نے اپنی حکومت جمالی ہے اور اب عراق کی طمع میں بیٹھا ہوا ہے۔ مجھے اس قدر قدرت حاصل نہیں ہے کہ میں اس کے فرمان سے سرتابی کروں، اب بتاؤ تم لوگ خود اس بارہ میں کیا کہتے ہو؟ بوعلی سینا اور ابوسہل مسیحی نے کہا کہ ہم ہرگز محمود کے پاس جانے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ لیکن ابونصر ابوالخیر اور ابوریحان بیرونی نے اس کی داد و دہش کی شہرت سن کر اس کے پاس جانے پر رضامندی ظاہر کی۔ یہ سن کر ابوالعباس نے کہا کہ اچھا تم دو آدمی قاصد کو بلانے سے پہلے فوراً یہاں سے نکل جانے کی کوشش کرو۔ خوارزم شاہ نے بوعلی سینا و بوسہل مسیحی کے لیے اسباب سفر مہیا کر کے ایک قاصد کے ساتھ ان لوگوں کو روانہ کر دیا۔ اور یہ لوگ جرجان کی طرف روانہ ہوئے۔ دوسرے دن خوارزم شاہ نے خواجہ حسین بن علی میکال کو دربار میں طلب کیا، اور اس کی بڑی خاطر مدارات کی، اور کہا کہ میں نے شاہی فرمان پڑھ لیا ہے، افسوس ہے کہ فرمان کے آنے سے قبل ہی میرے پاس سے بوعلی سینا اور ابوسہل مسیحی جا چکے ہیں، البتہ بقیہ لوگ سلطان کی خدمت کے لیے حاضر ہیں ان سب کو خواجہ حسین کے ہمراہ روانہ کرنے کے انتظامات کر دیئے ایلچی مذکور ان لوگوں کو لے کر سلطان محمود کی خدمت میں پہنچا۔ جب سلطان کو یہ معلوم ہوا کہ بوعلی سینا حاضر نہیں ہوا ہے، جس کے بلانے کی اس کو سب سے زیادہ خواہش

تھی، تو ابونصر عراقی (جو مصور تھا) کو حکم دیا کہ بوعلی سینا کی تصویر بنائے۔ چنانچہ اس نے تصویر بنا کر پیش کی، تو دوسرے مصوروں کو بلا کر حکم دیا کہ ایسی چالیس تصویریں اتار کر فرامین کے ساتھ انہیں اطراف ممالک میں روانہ کرو کہ جہاں کہیں اس صورت کا آدمی ملے فوراً اس کو گرفتار کر کے ہماری خدمت میں بھیج دیا جائے۔

ادھر ابو سہل و بوعلی سینا ابو العباس خوارزم شاہ کے دربار سے نکل کر جا رہے تھے، جب ایک مقام پر ٹھہرے تو بوعلی سینا نے زائچہ کھینچا اور دیکھا کہ اب ہم کس طالع سے نکل چکے ہیں اس کے بعد ابو سہل سے مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ اب ہم اِس طالع سے نکلتے ہی راستہ گُم کر دینگے، اور بڑی تکلیف اٹھائینگے، تو بو سہل نے کہا کہ خیر خدا کی مرضی ہم اس کی رضا پر راضی ہیں۔ میں خود یہ جانتا ہوں کہ میں اس سفر سے زندہ نہ نکل سکونگا۔ بوعلی سینا کہتا ہے کہ اس کے چار دن کے بعد راستہ میں ایک ایسی ہوا چلی اور اس قدر گرد و غبار اٹھا کہ ہم لوگوں نے رستہ گُم کر دیا، اور اس گرد و غبار کی وجہ سے رستے کے سارے نشان (پگڈنڈی) چھپ گئے۔ اس گرم ریگستان میں سخت پیاس اور تشنگی کی وجہ سے بو سہل مسیحی مرگیا، اور میں بدقت ہزار خدا کو زندہ رکھنا مقصود تھا اس لیے طوس پہنچ سکا۔ یہاں جب پہنچا تو معلوم ہوا اور ہر ہر پوسٹ مجی کہ سلطان محمود نے اس کو گرفتار کر کے روانہ کرنے کا حکم دیا ہے اس لیے نہایت پریشان ایک گوشہ میں اتر پڑا، اور چند دن ٹھہر کر جرجان کی طرف روانہ ہوا، کیونکہ یہاں کا حاکم قابوس[1] تھا۔ جو فاضل دوست اور نہایت نیک آدمی تھا، اور اسے یہاں پناہ ملنے کی توقع تھی۔

[1] شمس المعالی قابوس بن وشمگیر آل زیار کا چوتھا حکمراں تھا، ۳۶۶ھ میں جرجان میں تخت نشین ہوا عقل و دانش اور تدبیر و سیاست میں بے نظیر زمانہ تھا۔ متقی اور پرہیزگار، مگر اس کے ساتھ ساتھ سخت گیر بھی تھا۔

جرجان پہنچکر ایک سرا میں اقامت اختیار کی، اور اپنے چند پڑوسیوں کا علاج کیا، جس سے بہت جلد شہرت ہوگئی، قابوس کے اقربا میں سے ایک شخص بہت دنوں سے بیمار تھا، اور اطبار اس کے معالجہ سے عاجز آچکے تھے اور صحت کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی، جس کی وجہ سے قابوس بے حد دل گیر رہا کرتا تھا۔ قابوس کے کسی خادم نے اُس سے عرض کی کہ جہاں پناہ! فلاں سرا میں ایک طبیب آکر ٹھہرا ہوا ہے بہت ہی حاذق اور دستِ شفا رکھتا ہے۔ قابوس نے حکم دیا کہ اچھا اسے طلب کر کے بیمار کے پاس لے جاؤ اور علاج کراؤ۔ چنانچہ بوعلی سینا کو طلب کیا گیا اور بیمار کو دکھلایا گیا۔ اس نے دیکھا کہ ایک خوبصورت نوجوان، اور متناسب الاعضا شخص ہے۔ لیکن بیماری کی وجہ سے اس کی حالت بہت متغیر ہے۔ اس کی نبض دیکھی، اور قارورہ منگایا، اس کے بعد کہا کہ مجھے ایک ایسے شخص کی ضرورت ہے، جو جرجان کے تمام محلوں کے ناموں سے واقف ہو۔ چنانچہ ایک ایسا شخص حاضر کیا گیا۔ ابوعلی نے بیمار کی نبض پر ہاتھ رکھ کر اس شخص سے کہا کہ اچھا سارے محلوں کے نام کہتا جا۔ چنانچہ وہ نام کہتا جاتا تھا یہاں تک کہ اس نے ایک ایسے محلہ کا نام لیا کہ جس کو سنکر بیمار کی نبض میں ایک خاص حرکت پیدا ہوئی۔ محلوں کے نام سننے کے بعد بوعلی سینا نے کہا کہ اچھا اب محلوں کی گلیوں کے نام کہہ۔ پھر بیمار کی نبض ایک گلی کے نام پر اسی طرح حرکت کرنے لگی جس طرح کہ محلہ کا نام سن کر اس نے ایک خاص حرکت کی تھی۔ اس کے بعد ابن سینا نے کہا کہ مجھے اب ایک اور ایسے آدمی کی ضرورت ہے، جو ان گلیوں کے مکانوں سے واقف ہو۔ چنانچہ دوسرا اس قسم کا آدمی حاضر کیا گیا۔ اس نے بھی مکانوں کے نام گنانے شروع

گیے - ایک مکان کا نام سن کر بیمار کی نبض میں پھر وہی سابقہ حرکت پیدا ہوئی - اس کے بعد بو علی سینا نے کہا مجھے اب ایسا شخص چاہیے جو ان مکانوں میں رہنے والوں کے تمام ناموں سے واقف ہو چنانچہ ایسا شخص حاضر کیا گیا، اور اس نے تمام نام کہنے شروع کیے - ایک ایسے نام پر پہنچ کر بیمار کی نبض میں پھر وہی حرکت پیدا ہوئی، جو دو تین مرتبہ اس کے قبل ہو چکی تھی - اس کے بعد بو علی سینا نے قابوس کے متعلقین سے کہا کہ یہ نوجوان بیمار فلاں محلہ کی فلاں گلی میں، فلاں مکان کی رہنے والی فلاں نام کی لڑکی پر فریفتہ ہے - اس کی دوا، اس لڑکی کا وصال اور اس کا معالجہ اس کا دیدار ہے۔ بیمار کان لگائے بو علی کی یہ باتیں سنتا رہا، جوں ہی کہ یہ قصہ سنا فوراً شرم سے منہ پر چادر اوڑھ لی - جب تحقیق کی گئی تو حقیقت یہی نکلی - جب یہ قصہ قابوس کے سامنے بیان کیا گیا تو وہ بے حد متعجب ہوا، اور کہا کہ فوراً اس طبیب کو میرے دربار میں حاضر کرو - چنانچہ بو علی سینا قابوس کی خدمت میں حاضر ہوا - قابوس کے پاس سلطان محمود کی بھیجی ہوئی بو علی سینا کی ایک تصویر تھی، وہ اس کو دیکھتے ہی پہچان گیا - جب دربار میں آیا تو فوراً اس سے مخاطب ہوا کہ کیا تم ہی بو علی ہو؟ تو اس نے کہا کہ ہاں! قابوس تخت سے اتر پڑا، اور چند قدم چل کر اس کا استقبال کیا - اور تخت کے قریب جگہ دی، اور اس سے کہا کہ تم نے میرے عزیز کا جو علاج کیا ہے، ذرا اس کی پوری تفصیل مجھے سناؤ تو بو علی نے عرض کی کہ جب میں نے مریض کا قارورہ اور نبض دیکھی، تو مجھے یقین ہو گیا تھا کہ یہ شخص مرض عشق میں مبتلا ہے - میں نے اس نتیجہ پر پہنچنے کے بعد غور کی کہ اگر اس سے پوچھوں کہ تم کسی پر عاشق ہو؟ تو وہ شرم کے مارے ہرگز سچ نہ کہتا - اس لیے میں نے یہ ترکیب کی اور خود بخود اس کی عاشقی کے راز سے واقف

ہو گیا، کہ اس کو انکار کی کوئی گنجائش ہی باقی نہ رہے، اس لیے اُس نے اقرار بھی کر لیا۔ قابوس اس دانائی سے بیحد متحیر ہوا، اور کہنے لگا کہ "اے فاضلِ روزگار، عاشق و معشوق دونوں میرے بھانجا اور بھانجی ہیں، میں تمہاری رائے کے موافق ان کو رشتۂ ازدواج میں منسلک کر دیتا ہوں۔ چنانچہ اس طریقے سے بیچارے نوجوان مریض کی جان بچ گئی۔ اس کے بعد بوعلی سینا چند دن یہاں ٹھہر کر "رَے" میں علاؤ الدولہ کی خدمت میں پہنچا، اور اس کی وزارت پر مامور کیا گیا۔[1]

بوعلی سینا کے تفصیلی حالات سے ہم گریز کرتے ہیں، کیونکہ وہ بہت مشہور ہیں، اور ایک علیحدہ کتاب کی صورت چاہتے ہیں۔ اس کی تصنیفات سے سینکڑوں کتابیں ہیں۔[2] اس کے بہت سے شاگرد تھے، ان میں سے "ایلاقی" نے

---

[1] چہار مقالہ ص ۱۰۲ مطبوعہ لاہور۔

[2] ابن سینا کی حسب ذیل کتابیں ہماری نظر سے گذری ہیں۔ الادویہ القلبیہ[1] (قلمی)، الارجوزۃ السینائیہ[2] منظوم (مطبوعہ کلکتہ) رسالہ سکنجبین[3] (قلمی) مجموعہ بست و ہشت[4] رسائل شیخ الرئیس۔ رسالہ الفصد[5] (مطبوعہ)۔ رسالہ تدارک الخطاء[6] رسالۃ البندیہ[7]، قانون[8]۔ تقاسیم الحکمۃ[9]۔ رسالہ فی معرفۃ النبض و النفس[10]، معروف بہ فصول شیخ، رسالہ فی العلاج[11] الحمی نشط العنب، رسالہ درجواب مسائل طبیہ[12]۔ رسالہ فی القولنج[13]، رسالہ فی الحفظ الصحت[14]۔ رسالہ تعبیر الرؤیا[15] (مطبوعہ) رسالہ فی علم الکیمیاء[16] (قلمی)

شیخ الرئیس کی اُن کتابوں کی ہم تفصیل لکھتے ہیں جو یورپ میں چھپی ہیں :—

سنہ ۱۴۷۳ء میں قانون کے حصہ "عسل" کو وارا کو نے "مانپ" میں چھاپا تھا۔ اور اس کی جلد پنجم "Antidotarium." کے نام سے بمقام پادوی سنہ ۱۴۷۶ء میں شایع ہوئی۔

مکمل قانون سنہ ۱۵۹۳ء میں بمقام وینس میں شایع ہوا۔

(بقیہ حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

بہت شہرت حاصل کی تھی۔

ابن سینا کے شاگرد ایلاقی کی ایک قلمی کتاب

اس شخص کا نام سید ابو عبداللہ محمد بن یوسف شرف الدین تھا۔ طب اور علوم حکمیہ میں مہارت تامہ حاصل کی تھی۔ اس نے سینا کی کتاب قانون کی "مختصر" لکھی۔ ہم نے اس کی یہ تالیف دیکھی ہے۔ جو ۱۰۱۳ھ کی مکتوبہ ہے، اس کے خاتمہ پر لکھا ہے "تم الاختصار من الجزء الاول من القانون فی التصنیف الاول من شہر ربیع الآخر الذی من شہور سنہ ثمانی عشرہ وسبعمائۃ و ہذا المختصر للفاضل الایلاقی و ہو اجل تلامذہ الرئیس بن سینا"۔

سلطان محمود غزنوی نے سب سے پہلے مسلمانوں میں فوجی شفاخانہ کی بنیاد ڈالی۔ اس نے گو ساری عمر فتوحات میں گزاری لیکن رفاہِ عام کے کاموں سے اسکو بھی کمال شغف تھا۔ جب ابوریحان بیرونی جیسے بہت سے افاضل روزگار و اطباء جمع تھے تو ظاہر ہے کہ اس کے عہد میں طبی سررشتہ کو کتنی رونق ہوئی ہوگی۔ فی الحال ہم اس کے زمانہ کے طبی کارناموں کی کوئی تفصیل پیش نہیں کر سکتے۔

اس کے جانشینوں نے بھی برابر اس اہم ضرورت کی طرف توجہ کی۔ ابوالخیر خمار جس کے دربار غزنی میں آنے کا ذکر آگے لکھا جا چکا ہے اس کے متعلق لکھا ہے کہ سلطان ابراہیم غزنوی بھی اسکی وہی زبردست آؤبھگت کیا کرتا تھا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) مکمل قانون ۱۴۷۳ء میں بمقام پادوی چھپا۔ اور پھر ۱۵۲۱ء میں بمقام وینس دوبارہ شائع ہوا۔ سہ بارہ یہ کتاب ۱۵۲۲ء میں بمقام وینس پھر پانچ جلدوں میں مع تشریحات چھاپی گئی۔ ۱۵۳۰ء میں اس کا ایک ملخص یعقوب مینٹنو نے لاطینی میں وینس ہی میں چھپوایا جس کا نام اس نے "طریقہ علاج" رکھا تھا۔ ۱۵۴۳ء میں قانون کی بعض تشریحات کو مشہور فلسفی اور طبیب پرولیتینوس نے ترتیب دیکر چھپوایا تھا۔ ۱۵۴۴ء میں یہ کتاب پھر وینس میں اور ۱۵۵۶ء میں باسل میں چھپی۔ ۱۵۹۳ء میں روما میں اسکا ایک خاص ایڈیشن عربی میں پہلی دفعہ چھپا تھا اور بقیہ نسخے سب لاطینی میں تھے۔ یہ آخری ایڈیشن نہایت خوشخط اور مصور تھا اور اس میں طبی تشریحات کے متعلق نہایت ہی عمدہ تصویریں بھی تھیں۔ سارا نسخہ نقش و نگار سے آراستہ تھا۔ ۱۵۹۵ء میں ایک اور ایڈیشن نکلا۔ (ماخوذ از [illegible])

یہ ابوالخیر ابتداءً نصرانی تھا' بعد میں مشرف بہ اسلام ہوا۔ ربیع الاول ۳۳۱ھ میں پیدا ہوا تھا۔ ابن سینا اس کے متعلق ایک جگہ لکھتا ہے کہ ابوالخیر اپنے مرتبہ اور شان میں ایسا برتر ہے کہ اطباء زمانہ کے ساتھ اس کا شمار کرنا اس کی کسر شان ہے اور مجھ کو تو آرزو ہے کہ خدا اس سے میری ملاقات کرائے۔ یہ وہ زمانہ ہے جب کہ بوعلی سینا ابوالعباس خوارزم شاہ کے پاس ابھی ابھی پہنچا تھا' اس کے بعد ابوالخیر بھی یہاں بلایا گیا۔ ابوالخیر کی ساری عمر شاہان غزنویہ کے دربار میں گزری ایک دفعہ سلطان ابراہیم کی طلب پر دربار میں جارہا تھا' شاہی گھوڑا جو اس کے لئے آیا تھا' اس پر سوار تھا' رستہ میں کفشگروں کے بازار سے جب گزرنے لگا' تو ایک اونٹ بگا یک اس کے گھوڑے کے سامنے بڑی تیزی سے آیا' جس کو دیکھکر گھوڑا بدکا اور ابوالخیر اس زور سے گھوڑے سے گرا کہ فوراً مرگیا۔

سلجوقیہ دور میں طب کا اعجاز

۴۲۹ھ میں ایک اور خاندان سلجوقیہ کے نام سے برسر اقتدار آیا' جس نے خراسان پر حکمرانی کی۔ اس خاندان نے بھی اپنے معاصر اسلامی سلطنتوں کی طرح علم و فضل کی سرپرستی کی۔ ضروریات کے لحاظ سے انہیں بھی طبی شعبہ کی طرف توجہ کرنی پڑی ان لوگوں کے بھی دربار میں بڑے بڑے باکمال اطباء جمع تھے۔

ابوالحارث سلطان معزالدین سنجر بن ملک شاہ کے عہد میں بہت سے افاضل جمع ہو گئے تھے۔ حکیم انوری بھی اسی کے عہد میں تھا' جو شاعر ہونے کے علاوہ طب میں بھی دستگاہ رکھتا تھا۔ اس بادشاہ کے دربار کا طبیب ہبتہ اللہ بن ابوالمظفر بن محمد بن اردشیر بن کیقباد تھا۔ اس حکیم کو تقرب شاہی کا شرف حاصل تھا۔ اس نے بادشاہ کے حکم سے "لذت النساءؑ" کے نام سے ایک کتاب لکھی جو سترہ ابواب پر مشتمل ہے۔ مؤلف نے لکھا ہے کہ اس نے

چارسو چودہ کتابوں کے مطالعہ کے بعد اس کتاب کو مرتب کیا ہے۔ اسی میں حکماء کے اقوال کے سلسلہ میں ایک ہندی طبیب کا نام "طمطم ہندی" لکھا ہے۔ یہ کتاب بھی راقم کی نظر سے گذری جو بہت قدیم معلوم ہوتی ہے۔ بعض نسخے اور ترکیبیں ایسی ہیں کہ حیرت چھا جاتی ہے۔ سلجوقیوں کے پاس بھی باضابطہ شفاخانے اور اطبا موجود تھے۔ انہوں نے بھی اس شعبہ کو کافی ترقی دی تھی، چنانچہ ان کے فوجی شفاخانے کی نسبت لکھا ہے کہ وہ اس قدر بڑا تھا کہ دوسو اونٹوں پر اس کو لاد کر لے جاتے تھے۔

سکتہ کا ایک حیرت انگیز علاج

مصنف چار مقالہ نے لکھا ہے کہ سنجر کے دربار شاہی میں ایک ادیب اور طبیب تھا، جس کا نام ادیب اسماعیل تھا۔ یہ طبیب بڑا زبردست فیلسوف اور یگانۂ روزگار تھا اور "ہرات" میں رہا کرتا تھا اس کے متعلق یہ عجیب حکایت لکھی ہے کہ وہ ایک مرتبہ قصابوں کے محلہ سے گذر رہا تھا ایک قصاب کو دیکھا کہ وہ بکرے کو چھیل رہا ہے۔ اور چھیلتے چھیلتے بکرے کے پیٹ میں ہاتھ ڈال کر گرم گرم چربی کھاتا جا رہا ہے۔ خواجہ اسمٰعیل نے جب اس کی یہ حالت دیکھی، تو ایک بقال سے جو اس کے روبرو ہی دکان پر بیٹھا ہوا تھا، اس سے کہا کہ اگر کسی وقت یہ قصاب مرجائے، تو اس کو دفن کرنے سے پہلے ضرور تم مجھے خبر کرنا۔ حکیم نے اس سے یہ کہکر اپنی راہ کاٹی۔ پانچ چھ مہینے کے بعد ایک روز یہ خبر پھیلی کہ رات فلاں قصاب بغیر کسی بیماری اور سبب کے یکایک مرگیا، جب اس بقال کو معلوم ہوا تو وہ بھی اس کی تعزیت کیلئے پہنچا لیکن اس وقت تک اُسے طبیب کی وہ نصیحت یاد نہ آئی لوگوں کو دیکھا کہ رنج و غم میں مبتلا ہیں اور آپس میں تذکرہ کر رہے ہیں کہ کیا ہی افسوس ہے جوان مرگیا۔ ابھی تو اس بیچارے کے بہت چھوٹے چھوٹے

بچے ہیں۔ یہاں پہنچنے کے بہت دیر بعد اس بقال کو اس طبیب کا قصہ یاد آیا۔ وہ یہاں سے فوراً دوڑا اور اس کو اس واقعہ کی اطلاع دی۔ یہ سنتے ہی خواجہ اسمٰعیل نے فوراً اپنا عصا سنبھالا۔ اور اس مقام پر پہنچا۔ مُردہ کے سر سے چادر ہٹائی اور اس کی نبض دیکھی، اس کے بعد ایک شخص سے کہا کہ اس کی پیٹھ اور پیر پر عصا سے مارتے رہے۔ تھوڑی دیر بعد یہ مار دھاڑ موقوف کرادی۔ اس کے بعد مردہ کے لیے سکتہ کا علاج کیا۔ اس طرح تین دن تک علاج کرتا رہا۔ تیسرے دن مردہ زندہ ہوکر اُٹھ کھڑا ہوا۔ اگرچہ مفلوج ہو گیا تھا، لیکن بعد میں کئی برس تک زندہ رہا۔ لوگوں کو طبیب کی اس حذاقت و دانائی پر بہت بڑا تعجب ہوا۔ اور حکیم کی اس پیش بینی پر انتہائی حیرت ہوئی کہ اس نے اس کو چربی کھاتے ہوئے دیکھکر سکتہ کے مرض کا اندازہ لگا لیا تھا۔[1]

ذخیرۂ خوارزم شاہی | ایک اور سلطنت خوارزم شاہیہ قابلِ ذکر ہے جس کا نام آج تک بھی دُنیا نے طب میں زندہ چلا آتا ہے۔ یہ خاندان ۴۹۰ھ میں وجود میں آیا۔ یہ زمانہ کچھ ایسا تھا کہ بڑے بڑے باکمال اس دور میں اُٹھے، اور ہر سلطنت میں کچھ نہ کچھ جمع تھے۔ سلطان علاؤالدین محمدؒ خوارزم شاہ کے دربار میں بھی بہت سے فاضل جمع تھے۔ جن میں خاقانی، شروانی، امام فخرالدین رازی (جو علاؤالدین کے لڑکے سلطان محمد کو پڑھایا کرتے تھے) سید شریف شرف الدین اسمٰعیل بن حسین الحسینی جرجانی بھی تھے۔ یہ مسلمانوں کے مایۂ ناز اطباء سے گزرے ہیں۔ دربار شاہی میں بہت بڑی عزت رکھتے تھے، ہزار روپیہ ماہوار مقرر تھی، "ذخیرۂ خوارزم شاہی" ان ہی کی لکھی ہوئی کتاب ہے، جو اطباء میں بہت

---

[1] چہار مقالہ صفحہ ۱۰۰

ہی موثق کتاب سمجھی جاتی ہے۔ اور جس کی وجہ سے آج تک عام لوگوں میں بھی اس خاندان کا نام اس کتاب کی وجہ سے زندہ رہتا چلا آیا ہے۔ انہوں نے "ذخیرہ" کے سوا، کتاب الاغراض دو جلدوں میں "کتاب یادگار" اور خفی علائی دو دو جلدوں میں لکھی ہے

حفظانِ صحت کے موجودہ اصول کی ایک قدیم کتاب

خفی علائی ہم نے دیکھی ہے۔ اس کے دیباچہ میں انہوں نے لکھا ہے کہ بادشاہ نے ان سے کہا کہ "ذخیرہ" بہت بڑی کتاب ہے، اس کے سوا، آپ ایک اور ایسی کتاب لکھیے جو جامع و مانع ہو اور سفر و حضر میں کام آسکے۔ "خفی علائی" کو انہوں نے بڑی جدت اور عمدگی کے ساتھ لکھا ہے۔ پہلے فن طب کی دو شاخیں قرار دی ہیں۔ ایک علمی اور دوسری عملی۔ ان ہر دو پر ساری کتاب کا دار و مدار ہے ایک مقالہ تدبیر حفظ صحت میں اور دوسرا التقدیمۃ المعرفۃ یعنی بیمار پر جو علامات و حالات رونما ہوتے ہیں۔ ان سے مرض کا اندازہ لگانے' اور بیماری کی شدت سے امیدی و نا امیدی کے حالات پر غور کرنے کے بیان میں ہے۔ ہم اس کے چند خاص ابواب یہاں لکھتے ہیں۔ جو موجود زمانہ کے عین حفظانِ صحت کے مطابق ہیں' جن کی اہمیت کو سینکڑوں برس پہلے مسلمان جان چکے تھے۔

(۱) تدبیر فصلہا و سالہا۔ (۲) تدبیر ہوا و اصلاح آں۔ (۳) تدبیر شہر و مسکن (۴) تدبیر جامہ پوشیدن (۵) تدبیر غذا (۶) تدبیر آب (۷) تدبیر شراب (۸) تدبیر خواب و بیداری (۹) تدبیر حرکت و سکون۔ (۱۰) تدبیر اعراض نفسانی۔

ہم نے اس کتاب کا جو قلمی نسخہ دیکھا ہے وہ سنہ ۹۹۰ھ کا مکتوبہ ہے جس کا کاغذ نہایت پاکیزہ اور اعلیٰ درجہ کا ہے۔ خط ولائتی ہے اور نستعلیق ہے۔

ساری کتاب طلائی جدولوں سے مطلاّ و مذہب ہے۔ اس کے کل (۲۶۷) صفحے ہیں کاتب نے تاریخ کتابت ۱۴ ربیع الآخر جمعہ ۱۰۹۹ھ لکھی ہے۔ اور اپنا نام عباداللہ تستی مشہدی لکھا ہے۔ شروع کتاب پر دو مہریں ہیں۔ جس کی ایک مہر میں "مسیح ندارد غیر خدا بقا" لکھا ہے اور اس کے نیچے ۱۱۷۱ھ ہے۔ اور دوسری مہر حکیم وحید الدین حسین (۱۲۳۱ھ) کی ہے۔ اور دوسرے صفحہ میں شروع کتاب پر حسام اللہ خاں بہادر (۱۱۶۶ھ) کی بھی مہر ہے۔

یہ کتاب مطبع صدیقی واقع محلہ خواجہ قطب صاحب بریلی میں ۱۲۸۴ھ میں چھپی بھی ہے۔ اس مطبوعہ نسخے کے (۲۰۴) صفحے ہیں۔ اس کا سنہ اختتام طبع " انھا لخیر و شفاء سے نکلتا ہے۔

اندلس میں طب مسلمانوں کی فتوحات کا سیلاب عظیم ساری دنیا میں برابر پھیلتا جا رہا تھا۔ یہ نشۂ وحدت میں چور چور ہوتے جا رہے تھے اعلائے کلمۃ الحق میں ان کے آگے دنیا اور دنیا کی سلطنتوں کی کوئی وقعت نہ تھی، اپنی تبلیغ کی خاطر انہوں نے ممالک فتح کیے اس کے بعد وہاں انہیں حکومتیں بھی قائم کرنی پڑیں اور ان کے انتظام و نظم و نسق کی طرف بھی متوجہ ہونا پڑا، ادھر ان کی فتوحات مغرب کے آخری گوشۂ اندلس تک پہنچ چکی تھیں۔ مورخین نے لکھا ہے کہ چوتھی صدی ہجری میں اندلس مسلمانوں کا ایک بے مثل مقام تھا۔ اس کو خلیفہ " الحکم " نے انتہائی کوشش سے عروج پر پہنچانے کی کوشش کی تھی یہ بادشاہ بڑا ہی زبردست اور علم دوست تھا۔ اس نے بہت بڑا کتب خانہ قائم کیا تھا۔ اسلامی ممالک اور دوسرے مقامات سے ڈھونڈ ڈھونڈ کر کتابیں فراہم کی جاتی تھیں۔ اس سلطان کی علم پروری کا یہ حال تھا کہ جو کتابیں شام اور فارس میں تدوین پاتی تھیں وہ اپنے ہی ملکوں میں

نشر پانے سے قبل اندلس پہنچ جاتی تھیں اور یہاں ان پر درس بھی شروع ہو جاتا تھا۔ دمشق اور بغداد وغیرہ میں اس کام کے لیے بادشاہ کی جانب سے نمائندے مقرر تھے، جو کتابوں کو بڑی بڑی قیمتیں دے کر خریدتے اور اندلس بھیجا کرتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اندلس بہت بڑا علمی مرکز بن گیا جہاں سے بڑے بڑے باکمال اٹھے۔ یہاں کے شاہی کتب خانہ میں چار لاکھ سے زیادہ کتابیں موجود تھیں۔ چنانچہ ان کی اس علم دوستی کا حال ایک کتاب سے معلوم ہوتا ہے۔ جس کو شاہ قسطنطنیہ نے خلیفہ عبدالرحمٰن کی خدمت میں ۹۴۸ء میں تحفۃً بھیجا تھا۔ یہ "دیسقوریدس" کی اصل کتاب کا نسخہ تھا، جو بہت ہی خوبصورت اور مصور تھا، جس میں نباتات کی تصویریں اس قدر کمال سے بنائی گئی تھیں۔ جنھیں دیکھ کر حیرت ہوتی تھی خلیفہ نے قسطنطنیہ سے اس کتاب کے ترجمہ کے لیے ایک مترجم کو بلا بھیجا چنانچہ نکلس نامی مترجم خلیفہ کی بارگاہ میں حاضر ہوا، یہاں کے بعض علماء کی مدد سے اس کا ترجمہ کیا، اور قدیم عربی نسخہ کے نقائص دور کیے اور خود تجربۃً ہر پودے کی کامیابانہ شناخت کی۔[1]

بالآخر اندلس کی اس علمی بہار پر نظر لگی اور اس کے بعد جب اس کا بیٹا "ہشام" سریر آرائے حکومت ہوا تو منصور حاجب کے عرض کرنے پر کہ فلاسفہ بے دین ہوتے ہیں ساری فلسفیانہ کتابیں قرطبہ کے میدانوں میں جلوا دیں اور جو بچ رہیں ان کو سستے داموں میں مختلف ممالک میں فروخت کروا دیا۔ اور خود فلاسفہ مورد عتاب بنائے گئے نوبت یہاں تک پہنچی تھی کہ فلسفہ کا ہر طالب علم اپنی کتابوں کو چھپاتا

---

[1] اورنٹیل کالج میگزین۔ لاہور اگست ۱۹۳۳ء ص۱۰۱

پھرتا تھا، اور اپنے احباب سے بھی تذکرہ کرتے ہوئے ڈرتا تھا، اس کے بعد دو صدی تک اندلس کا بازارِ علم سرد رہا۔[1]

اس علمی چہل پہل کے زمانہ میں مسلمانوں میں وہ مایۂ ناز شخص پیدا ہوتا ہے، جس کی کتابوں پر سارا یورپ اپنی جراحی کے کمال کی بنیاد رکھتا ہے۔ یہ شخص ابوالقاسم زہراوی تھا۔ اس کے باپ کا نام عباس زہراوی تھا۔ یہ ۳۲۵ھ/۹۳۶ء میں مدینۃ الزہرا میں پیدا ہوا۔ اس شہر کو عبدالرحمٰن ثالث نے اپنی محبوبہ "زہرا" کے نام پر بسایا تھا، جو قرطبہ کے مضافات سے تھا۔ ابوالقاسم خلیفہ عبدالرحمٰن کا طبیب شاہی تھا۔ اُس کے فضل و کمال سے ایک عرصہ تک دُنیا ناواقف رہی۔ جب مغربی مصنفین نے اس کی تصنیفات پر تحقیقات شروع کی، اور اس کو اپنا ماخذ بنایا، تو اس وقت ساری دنیا کو اس کے فضل و کمال کا علم ہوا۔ یہ شخص بہت بڑا باکمال طبیب اور اس سے زیادہ بہترین جراح بھی تھا۔

مسلمانوں پر یہ جو الزام لگایا جاتا ہے کہ وہ طبیب تو ہوتے تھے، لیکن جراحی میں انہیں کچھ بھی دسترس نہ تھی، اس قسم کا الزام لگانے والے محض ناواقف ہوا کرتے ہیں۔ موجودہ حالات تو درحقیقت ہمارے اسلاف کے ناموں کو برباد کرنے کے ذمہ دار ہیں۔ مسلمانوں نے تو یونانی طب کے ساتھ ساتھ فنِ تشریح و جراحی کو بھی کمال عروج پر پہنچا دیا تھا۔ آج صرف ابوالقاسم زہراوی کی کتاب ہی دشمنوں کے منھ کو بند کرنے کے لیے کافی ہے۔

ابوالقاسم زہراوی کی وہ معرکۃ الآراء کتاب جو یورپ کی موجودہ سرجری کی ماخذ ہے

اس کی سب سے بڑی کتاب "التصریف" ہے جو طب اور جراحی کی انسائیکلوپیڈیا

[1] مقالہ تحفظ علوم قدیمہ سید ہاشم صاحب ندوی ص۳۵

سمجھی جاتی ہے۔ ہم لوگوں کو یہ سُنکر تعجب ہوگا کہ اس کتاب میں فن قبالت (مڈوائفری) پر بھی سیر حاصل مباحث لکھے ہیں۔ اور آلات جراحی سے کام لینا بھی سکھایا ہے۔ اس کتاب میں اُن آلات کی بھی تصویریں ہیں، جن سے مرے ہوئے بچے کو نکالا جاتا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ خود مصنف کو بھی اس فن میں بہت سے تجربات حاصل تھے۔ چنانچہ اس نے "اخراج جنینِ میت" کے حال میں اپنے ایک ذاتی تجربہ کو بھی لکھا ہے۔ اس کتاب میں صرف یہی نہیں، بلکہ قسم قسم کے نشتر، قینچیاں، پیشاب کی سلائیاں، پیٹ سے پانی، مثانہ سے پتھری نکالنے کے آلات کی بھی تصویریں موجود ہیں۔ اعضائے شریفہ کے آپریشن کے لیے لطیف ونازک آلات بھی وضع کیے گئے تھے۔ ان کی بھی تصویریں کتاب میں موجود ہیں، ٹوٹی ہڈیوں کے بٹھلانے اور ان کی بندش کے طریقے بھی نہایت عمدہ اسلوب و پیرایہ میں بیان کیے گئے ہیں اور ان کی تصویریں بھی درج ہیں۔ اس سے اندازہ لگائیے کہ آج سے کئی صدی پہلے ہی، مسلمانوں کا فن جراحی کس درجہ کمال پر پہنچ چکا تھا۔ یہ ضرور ہے کہ ایک چیز جب ایجاد ہوجاتی ہے تو بعد میں آنے والے اقتضائے وقت کے لحاظ سے اس میں نزاکتیں و سہولتیں پیدا کرنے کی کوشش کرتے چلے آئے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ ٹھیک ضرورت کے مطابق ہوجاتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود اس کے موجد کی عظمت و عزت میں کوئی فرق پیدا نہیں ہوسکتا۔ بلکہ اس کی ہستی اور قابلِ احترام ہوجاتی ہے اسی طرح مسلمانوں نے جراحی کے سارے اوزار و آلات بنائے تھے، جو تقریبًا آج طب مغربی میں ترقی یافتہ اور کچھ بدلی ہوئی شکل میں

نظر آ رہے ہیں۔ دُنیا کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ "مقالاتِ[1] زہراوی" ہی یورپ
کی سرجری کا واحد ماخذ ہے۔ جس پر آج اس کو ناز ہے لیکن افسوس ہے
کہ اس نے اپنے معلّمِ حقیقی کے ایجادی کارناموں کو پس پشت ڈال کر اپنی
شیخی بگھارنے کی کوشش کی ہے۔ مسلمانوں کے اس عظیم الشان کارنامہ کو
دُنیا کا زبر دست ہاتھ آج تک نہ مٹا سکا۔ اس کتاب میں امراض کا
داغ کے ذریعے علاج کرنے کے بھی طریقے لکھے ہیں جو عربوں میں پہلے
ہی سے بہت مقبول تھا۔ اسی معالجہ کی یادگار آج تک یہ مقولہ

---

[1] شروع تیرہویں صدی عیسوی میں یہ کتاب لاطینی زبان میں ترجمہ کی گئی۔ اور حسب ذیل مقامات پر اس کے مکمل نسخے موجود تھے۔ فلورنس (۲۵) بلوٹامارک (۴۳)، ہمبرگ، روم (۱۵ و ۳۵) مانٹی پلیرا (۱) بولڈین لائبریری (۱) اس لاطینی نسخہ کے علاوہ اس کتب خانہ میں اس کا ایک عبرانی ترجمہ بھی موجود تھا۔ مقالات زہراوی درحقیقت "التصریف" کے دوسرے حصے کا نام ہے۔ اور اس کتاب کا یہ دوسرا حصہ ہی صرف آج تک چھپا ہے۔ یہ حصہ سب سے پہلے لاطینی میں سنہ ۱۴۹۷ء میں بمقام وینس چھپا اور سنہ ۱۵۰۰ء میں کٹیلیس میں دوبارہ طبع ہوا۔ سنہ ۱۵۳۲ء میں اسٹراسبرگ اور سنہ ۱۵۴۱ء میں شاٹ اور بیسل میں چھپا۔ اس ایڈیشن میں رولینڈ، راجر، کانسٹینٹین اور گیسس کے حواشی بھی موجود ہیں۔ جان کیننگ نے پھر سنہ ۱۷۷۸ء میں آکسفورڈ میں اسے چھپوایا۔ اس نسخہ کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں اس نے التصریف کا عربی متن بھی لاطینی ترجمہ کے ساتھ برقرار رکھا۔ اس ایڈیشن کا ایک نسخہ برٹش میوزیم اور ایک بولڈین لائبریری میں موجود ہے کیننگ کا ایڈیشن نایاب ہے۔ سنہ ۱۸۶۲ء میں اس کا انگریزی میں بھی ترجمہ چھپا تھا۔ لوسین لکلرک نے سنہ ۱۸۶۱ء میں اسے فرانسیسی میں شایع کیا۔ ہندوستان میں صدیوں بعد بجائے خواجہ قطب الدین صاحب بانی نامی پریس لکھنؤ کو اس کے چھپوانے کا خیال ہوا تو انہوں نے مولانا شبلی نعمانی سے جان کیننگ کا چھاپا ہوا نسخہ لے کر دسمبر سنہ ۱۹۰۸ء میں اسے چھپوایا چونکہ اس کتاب میں بہت سے لغات تھے جو سمجھ میں نہ آ سکتے تھے۔ اس لیے موصوف نے اس کی ایک علیحدہ ڈکشنری بھی مرتب کر کے "لغات قطبیہ" کے نام سے اردو زبان میں شایع کی۔
(ماخوذ از رہنمائے صحت لکھنؤ)

"آخر الدواء الکی" ضرب المثل چلا آتا ہے۔ چنانچہ ان عربوں نے اس طریقہ سے فریڈرک شاہ سسلی کا علاج کیا تھا جس کے معالجہ سے سارے اطباء عاجز آچکے تھے تو اطباء عرب کو طلب کیا گیا تھا۔ چنانچہ اس موقع کی تصویر پوپ کے پاس محل میں ایک مرقع میں موجود ہے۔ اس کا اقتباس مشہور فرانسیسی پروفیسر ریونیو نے حاصل کیا تھا۔ چنانچہ یہ تصویر عام طور پر شائع ہوئی تھی جس میں مسلمان اطباء کو شاہ مذکور کا علاج کرتے ہوئے دکھلایا گیا ہے۔

ایک مسلمان جرّاح کا عجیب فنی کمال

علامہ ابن خلکان نے ایک ایرانی طبیب کی جراحی کے کمال سے متعلق ایک قصّہ یہ لکھا ہے کہ حکیم علاء الدین ایرانی نے ایک گنجے کو بیہوش کرکے اس کے سر کی کھال اتاری تھی اور اسکی جگہ کتے کی کھال لگاکر ٹانکے دیے تھے، جسکے بعد کھال پیوستہ ہوکر وہ اچھا ہوگیا تھا اور چند ہی روز میں اس کے سر پر بال آگئے تھے۔

عرب سرجری کی تعریف ایک مغربی فاضل کی زبان سے

ایک مغربی فاضل مسٹر ایم ڈبلیو ہلٹن سمتسن نے عرب میڈیسن اینڈ سرجری کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے انہوں نے اپنی ایک حالیہ تحقیق کے ذریعہ دنیا کو ایک عجیب غریب چیز سے آگاہ کیا ہے۔ جس سے آج صدیوں کے پرانے تجربے اور علم جراحی کی حرف بحرف تصدیق ہوجاتی ہے وہ لکھتے ہیں کہ میں ۱۹۱۲ء میں اپنی بیوی کے ساتھ افریقہ کے شمالی حصہ میں جو فرانس کے مقبوضات سے ہے تفریحاً گیا ہوا تھا اور میرا اس سیاحت سے یہ مقصد تھا کہ میں بصرہ کے شمال مشرقی (پہاڑی) علاقہ میں جو صحرائے افریقہ کے کنارہ ہے اور جو Auris. کے نام سے موسوم ہے یہاں کی قدیم قوموں سے متعلق کچھ تحقیقات کروں۔ اور اس کے بعد ان کے حالات قلمبند کروں۔ چنانچہ

جب وہ یہاں پہنچے تو انہیں ایک قوم دکھائی دی جس کا نام شوئیہ Shaucice. تھا جس کی طرزِ زندگی اور معاشرت بالکل عربوں کی سی تھی۔ ان میں چند عرب ایسے دکھائی دیے جو سر کی ہڈیوں کا نہایت کامیابی کے ساتھ علاج کرتے تھے۔ چونکہ فرانسیسی حکومت کی جانب سے یہاں جراحی کی ممانعت کردی گئی تھی اس لیے یہ لوگ چھپ چھپ کر علاج کیا کرتے تھے۔ فاضل موصوف نے تین سال تک متواتر اس علاقہ کی سیاحت کی۔ اور انہوں نے اپنے تیسرے سفر ۱۹۱۳ء میں ان عربوں کے تقریباً پچاس آلات جراحی اور جڑی بوٹیوں سے واقفیت پیدا کرلی، اور ان پر نوٹس لکھ کر ۱۹۱۹ء میں رائل سوسائٹی آف میڈیسن کے سامنے پیش کیا ۱۹۲۱ء میں چوتھی مرتبہ جب سفر کیا تو اور پچاس آلات کا سراغ لگا کر ان کے حالات لکھے۔ ان عربوں کے آپریشنوں اور جراحی کے حالات لکھتے ہوئے فاضل موصوف نے نہایت تعجب و حیرت کا اظہار کیا ہے کہ یورپ اس قدر ترقی یافتہ ہونے کے باوجود آج تک کاسۂ سر کی اسطرح قطع و برید پر کامیابی کے ساتھ قادر نہ ہوسکا جس کا کہ وہ صحرانشین عربوں میں عملی طور پر معائنہ کر آئے تھے۔[1]

ہسپانیہ کے مسلمان اطباء میں ابو مروان عبدالملک (۱۱۱۳ء-۱۱۶۲ء) بھی ایک مشہور حکیم گزرا ہے۔ اس کی سب سے بڑی کتاب "التیسیر" ہے جس کا لاطینی زبان میں بھی ترجمہ ہوا تھا اور جو شایع بھی ہوئی۔ اس کی دوسری کتابیں بھی لاطینی میں ترجمہ کی گئیں۔ اس کی کتابوں سے بھی یورپ نے بہت بڑا فائدہ اٹھایا ہے۔ کیونکہ اس نے اپنی کتابوں میں طب کے عملی پہلو پر زیادہ زور دیا ہے۔[2]

---

[1] رسالۂ رہنمائے صحت لکھنو۔ جولائی ۱۹۳۶ء ۱۲۔ [2] تاریخ الاطباء، غلام جیلانی صاحب ۱۲

یورپ میں ابن رشد کا مرتبہ

اس کے بعد اس کا نامور شاگرد ابو ولید محمد بن احمد ابن رشد نے جو شہرت حاصل کی، اسے ایک دُنیا جانتی ہے اس کے علم و فضل کا ڈنکا آج تک یورپ میں اور ساری دنیا میں گونج رہا ہے[1]۔ یہ ایک فاضل روزگار ہونے کے علاوہ خلیفہ عبدالمومن کے دربار میں شاہی طبیب بھی تھا۔ پندرہویں صدی عیسوی میں سارا یورپ اس کے فلسفہ کا گرویدہ رہا۔ اطالیہ کی درس گاہ پیڈو میں سب سے پہلے ابن رشد ہی کی طبی کتابیں شریک درس کی گئیں[2]۔ لکھا ہے کہ یہ لاطینی زبان کا بھی بہت بڑا ماہر تھا[3]۔ اس نے فلسفہ اور طب پر کئی کتابیں لکھیں۔ اسلامی فلسفہ کو اس کے نام کے ساتھ جو مناسبت ہے، اُسے دُنیا خوب جانتی ہے۔ اس نے ۵۹۵ھ مطابق ۱۱۹۸ء میں وفات پائی[4]۔

---

[1] یورپ میں "ابن رشد" کی تصنیف "طبی کلیات" کو وہی زبردست شہرت حاصل ہوئی جو شیخ الرئیس کی کتاب قانون کو حاصل تھی۔ یہ کتاب ۱۴۹۰ء میں وینس سے شایع ہوئی۔ اس کے بعد ۱۴۹۶ء و ۱۵۴۲ء میں اس کے اور ایڈیشن نکلے۔ پھر ۱۵۳۱ء میں بمقام لیٹون نہایت اہتمام سے چھاپی گئی۔ یہ کتاب تین ابواب پر مشتمل تھی۔ باب اول میں صحت اعضا، وقوائے جسمانی کا بیان جالینوس اور ارسطو کے اقوال کے مطابق لکھا تھا۔ دوسرے باب میں طریق الصحت، تحفظانِ صحت کے بیان خاص طور پر جالینوس کے نظریہ کی تحت بیان کیے گئے تھے، اور آخری باب مختلف امراض کے بیان پر شامل تھا۔ (تفصیل کے لیے اورنٹیل کالج میگزین لاہور فروری ۱۹۳۲ء دیکھیے)

[2] مقالہ تحفظ علوم قدیمہ صفحہ ۳۶ — [3] تاریخ الاطبا از غلام جیلانی صاحب ۱۲

[4] ابن رشد کو مغربی مصنفین "ایورس دی گریٹ" (Averrœs the great.) کہتے ہیں، اور بعض Ibn Rosh. بھی لکھتے ہیں۔ اس کے بہت سے مغربی شاگرد بھی تھے۔ ایک شاگرد

(بقیہ حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

مصر میں طب علامہ ابن جبیر جب چھٹی صدی ہجری میں حج کے ارادے سے نکلے، تو وہ بغداد، موصل، حلب، اور دمشق پر سے ہوتے ہوئے گزرے، انہوں نے اپنے سفرنامہ میں لکھا ہے کہ ان مقامات پر اس کثرت سے مجھے شفاخانے نظر آئے کہ میں ان کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ چنانچہ ان مریض خانوں کی نسبت انہوں نے اپنے سفرنامہ میں کچھ تفصیل لکھی ہے۔

دمشق کا نوریہ دارالعلاج مصر میں مسلمانوں کی ایک آزاد اور مستقل حکومت قایم ہو چکی تھی۔ اور یہاں کے سلاطین نے نہایت جاہ و جلال کے ساتھ سریر آرائی کی۔ نورالدین نے جب اس تخت پر جلوس کیا تو اپنے نام سے دمشق میں ایک شفاخانہ تعمیر کرایا، اس کی تعمیر کی وجہ یہ لکھی ہے کہ کسی معرکہ میں یورپ کا ایک حکمراں نورالدین کے اسیروں میں گرفتار ہوا۔ اس نے اپنی رہائی کے لیے ایک کثیر رقم پیش کی۔ جس کو سلطان نے منظور کر لیا، رقم لے کر اُسے رہا کر دینے کا حکم دیا۔ اور بعد میں اس رقم سے شفاخانہ تیار ہوا۔ یہ وہی "نوریہ شفاخانہ" تھا، جس کے خوبصورت دروازے مشہور باکمال نجار موئدالدین نے تیار کیے تھے۔ جو اس فن میں اپنا جواب نہ رکھتا تھا۔ اس دارالعلاج میں بہت سے منشی، طبیب اور خدام نوکر تھے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) "مائیکل سکاٹ" تھا، جس نے اپنے استاد کی کتابیں شاہ جرمنی کے ملاحظہ میں پیش کی تھیں، اور سب سے پہلے جرمنی کے افاضل کو ان سے روشناس کرایا۔ ایطالیہ میں ابن رشد کو بہت بڑا مرتبہ حاصل تھا، اور اس کی بڑی قدر کی جاتی تھی، چنانچہ یہاں کے ایک شاعر نے جالینوس کی طرح اس کا بھی ذکر نہایت عزت و احترام کے ساتھ کیا ہے۔ اور خود اطالیہ کے دارالعلوم میں ابن رشد کا مرتبہ ارسطو کے برابر سمجھا جاتا تھا۔ اور یورپ کے طلبہ اس پر فخر کیا کرتے تھے۔ انگلستان کا مشہور شاعر چاسر بھی اسے سرآوردہ لوگوں میں شمار کرتا ہے (ہمدرد صحت دہلی ص ۲ اپریل ۳۲ء) ۱۲

بیماروں کا رجسٹر منشی لکھا کرتے تھے۔ اور اس رجسٹر کی خصوصیت یہ تھی کہ بیماروں کے نام و نشان کے سوا، ان کے مصارف اور ضروریات کی تفصیل بھی درج کیجاتی تھی۔

یہ امر موجب حیرت تھا کہ ان شفا خانوں میں امراء اور مالداروں کو علاج کرانے کی اجازت نہ تھی، لیکن سلطان نور الدین ہی پہلا شخص تھا، جس نے اپنے وقف نامہ کی رُو سے یہ اجازت دے رکھی تھی کہ جو نایاب دوائیں یہاں کے سوا، اور کہیں نہیں مل سکتیں ان کے استعمال میں غریب اور امیر سب یکساں ہیں[1]۔

سلطان صلاح الدین غازی کی طبی دلچسپیاں

سلطان صلاح الدین کے ہاتھوں جب ملوک فاطمیہ کا خاتمہ ہوگیا، تو شاہی ایوانوں سے ایک ایوان جو بہت شاندار تھا۔ سلطان کو بیحد پسند آیا۔ کہتے ہیں کہ اس کی دیواروں پر پورا قرآن کریم لکھا ہوا تھا۔ صلاح الدین نے حکم دیا کہ تھوڑے سے تغیر کے ساتھ اس میں شفا خانہ قائم کردیا جائے۔ شبلی نے اس شفاخانہ کی تصویر علامہ ابن جبیر کی زبان سے ان الفاظ میں کھینچی ہے۔

قاہرہ کا بیت المرضاء

"قاہرہ کا یہ شفاخانہ صلاح الدین کے مفاخر میں سے ہے وہ ایک نہایت خوبصورت اور شاندار ایوان ہے۔ بہت سے کمرے ہیں، ہر کمرہ میں پلنگ بچھے ہیں جن پر سلیقہ سے بچھونے اور تکیے لگے ہیں، دواؤں کے لیے الگ کمرہ ہے، اور اس کے لیے دوا ساز اور منشی وغیرہ مقرر ہیں، عورتوں کے علاج کے لیے اسی سلسلہ میں ایک

---

[1] مقالات شبلی ص۱۱۰

جداگانہ قطعہ ہے، اور ان کی خدمت و خبرگیری اور علاج کے لیے عورتیں مامور ہیں۔ پاگلوں کے علاج کے لیے الگ مکانات ہیں جن کا نہایت وسیع احاطہ ہے۔ اور دریچوں میں لوہے کی جالیاں ہیں۔ شفاخانہ کا اہتمام ایک طبیب سکریٹری کے متعلق ہے۔ اس کے ماتحت بہت سے نوکر ہیں جو صبح شام دونوں وقت بیماروں کا ملاحظہ کرتے ہیں اور ان کی غذا اور دوا میں تبدیلی اور اصلاح کرتے رہتے ہیں سلطان ہمیشہ خود شفاخانہ کے ملاحظہ کے لیے آتا ہے۔ اور بیماروں کے معالجہ اور خبرگیری کی سخت تاکید رکھتا ہے[1]۔"

اس شفاخانہ میں کحال کی خدمت قاضی نفیس الدین (المتوفی ۶۳۶ھ) کے سپرد تھی، جو تمام مملکت مصر کے افسر الاطبا تھے لکھا ہے کہ قاہرہ میں بعینہ اسی درجہ کا ایک اور شفاخانہ ہے۔

اس بیان سے یہ بات روشن ہوتی ہے کہ مسلمانوں کا تمدن کس درجہ اعلیٰ اور ترقی یافتہ تھا۔ چنانچہ انہوں نے زنانہ ہسپتال بھی اسی سے ملحق الگ قایم کر رکھا تھا۔

قاہرہ کے اس شفاخانہ کے علاوہ سلطان صلاح الدین نے شہر اسکندریہ میں بھی ایک اعلیٰ درجہ کا دارالشفاء قایم کیا تھا۔ اس میں ایک خاص خصوصیت یہ تھی جو لوگ شفاخانہ کے علاج کو اپنی شان کے خلاف سمجھتے تھے ان کے علاج کے لیے اس ہاسپیتال میں خاص طور پر الگ طبیب و جراح مامور کیے گئے تھے۔ جو بروقت ضرورت ان لوگوں کے گھر پہنچ کر

---

[1] مقالات شبلی صـ ۱۲

علاج کیا کرتے تھے۔

مسلمانوں میں ادویہ شناسی کا ایک امام فن

ان اعلیٰ درجہ کے شفاخانوں کے لیے بہترین دوائیں فراہم کی جاتی تھیں، جو دوائیں خریدی جاتیں ان کی جانچ اور امتحان کے لیے ایک خاص محکمہ تھا، جس کا افسر "رئیس العشابین" کہلاتا تھا۔ اس عہدہ پر وہ اطباء مقرر ہوتے تھے جو نباتات کے فن میں کمال رکھتے تھے۔ چنانچہ مسلمانوں کا مشہور ومعروف ادویہ شناس شہرۂ آفاق طبیب ضیاء ابن بیطار اس محکمہ کا افسر مقرر ہوا تھا۔ اس کا پورا نام ابو محمد عبداللہ احمد المالقی النباتی ہے اسے ضیاء الدین العشاب بھی کہتے ہیں۔ اس نے دس بارہ سال دربارِ مصر میں شاہی طبیب کی حیثیت سے بھی گزارے۔ ادویہ شناسی کے فن میں تو یہ اجتہاد کا منصب رکھتا تھا۔ اور آج تک اس کا کوئی ہمسر پیدا نہ ہو سکا نباتات اور ادویہ پر جو کتابیں لکھی گئی تھیں وہ اس کو حفظ تھیں اس نے صرف اسی پر اکتفا نہ کی، بلکہ بڑے بڑے سفر کیے۔ چنانچہ اٹلی، یونان اور جزائر بحرروم میں نباتات اور ادویہ کی تحقیق کے لیے چپہ چپہ پھرا۔ اور اپنے ساتھ چند مصور بھی رکھ لیے تھے۔ جن سے ان جڑی بوٹیوں کی تصویریں اتروا تا پھرتا تھا۔ اور خود ان کی مختلف حالتوں کی مختلف تاثیریں قلمبند کرتا تھا۔ اس نے یونانیوں کی بیسیوں غلطیاں ظاہر کیں، اور بہت سی نئی ادویہ کا اضافہ کیا۔ جن کی یونانیوں کو ہوا تک نہ لگی تھی۔

بستان العقاقیر

مورخین اسلام نے لکھا ہے کہ ازمنہ ماضیہ میں شفاخانوں اور مدرسوں کی تحت نباتات وادویہ کی تحقیقات کے لیے باغ لگائے جاتے تھے۔ اور طبی عجائب خانے بھی قائم کیے گئے تھے، چنانچہ اکثر تاریخیں

آج تک اس بات کی شہادت دینے کو تیار ہیں۔ ان باغوں کو کامیاب بنانے کے لیے دُور دراز ملکوں سے قسم قسم کی نباتات اور بوٹیاں منگوائی جاتی تھیں۔ اور ان پر غور و فکر کیا جاتا تھا۔ چنانچہ علمائے مغرب نے بھی غرناطہ اور قرطبہ کے باغوں کے وجود کو تسلیم کر لیا ہے۔ لکھا ہے کہ غرناطہ کا باغ دسویں صدی عیسوی میں تھا۔ جسے عبدالرحمٰن اول نے بنایا تھا[1]۔

صلاح الدین کی داد و دہش اور اس کی علم پروری کے باعث بہت سے اہل کمال اس کے پاس جمع ہو گئے تھے وہ ہر ایک کی برابر قدر کیا کرتا تھا۔ ایک دفعہ اس کے پیر میں ایک چیتی سی پڑ گئی تھی، جس کے علاج سے اطباء عاجز آ چکے تھے، اور مشورہ دیا تھا کہ پیر کاٹ ڈالا جائے۔ سلطان بے حد پریشان ہوا، اس وقت ابو نجم نصرانی کی بڑی شہرت تھی۔ اسے دربار میں طلب کیا گیا، وہ حاضر ہوا، اور ایسا معالجہ کیا کہ بادشاہ کا پیر درست ہو گیا۔ اور کاٹنے کی نوبت نہ آئی۔ صلاح الدین اس علاج سے بے حد مسرور ہوا، اور اسے اپنے دربار ہی میں رکھ لیا۔ اس کی تصنیفات سے "تجربات ابو نجم" تین جلدوں میں ہے۔

سلطان صلاح الدین کے ایک درباری طبیب کا حیرت انگیز معالجہ اس طبیب کے ایک نادر علاج کا یہ قصہ مشہور ہے کہ یہ ایک دن عطر فروشوں کے بازار سے گزر رہا تھا۔ دیکھا کہ ایک شخص بے ہوش پڑا ہے اور لوگ اس کے گرد جمع ہیں۔ ابو نجم نے مجمع میں سے کسی شخص سے حالات دریافت کیے،

---

[1] رہنمائے صحت لکھنؤ ۱۲

اور خود لوگوں کو ہٹا کر مریض کے قریب گیا' اور لوگوں سے اس کے بے ہوش ہو جانے کا سبب پوچھا' تو جواب ملا کہ یہ اس بازار میں آتے ہی یکایک بے ہوش ہو گیا ہے۔ یہ سنکر ابو نجم اس کے سرہانے کھڑے ہو کر غور و خوض کرتا رہا' اور اس کے بعد علامات طبیہ سے معلوم کرنے کی کوشش کی کہ آیا اس میں ابھی روح حیوانی باقی ہے یا نہیں۔ اس کے بعد مریض کو جاننے والے لوگوں سے سوال کیا کہ یہ شخص کہاں رہتا ہے اور کیا کام کرتا ہے تو اس کو جواب میں معلوم ہوا کہ یہ چمڑا پکاتا ہے اور دباغی کا کام کرتا ہے۔ یہ سنتے ہی کہا کہ فوراً اس کو دباغیوں کے محلہ میں لے جا کر ڈال دو۔ چنانچہ ایسا ہی عمل کیا گیا۔ تھوڑی دیر بھی نہ گذری تھی کہ اس کے بدن میں حرکت پیدا ہوئی اور نبض اصلی حالت پر چلنے لگی۔ کچھ دیر کے بعد اُٹھ بیٹھا اور بات کرنے لگا لوگوں کو اس تدبیر سے حیرت ہوئی۔ بعض جاننے والوں نے اس تدبیر کے اسباب پوچھے تو طبیب نے کہا کہ اصل میں اس کو مرض ترک عادت کی وجہ سے لاحق ہوا' کیونکہ سالہا سال سے اس کا دماغ بدبو کا عادی ہو چکا تھا۔ جب وہ عطاروں کے محلہ میں پہنچا تو خوشبو سے اس کا دماغ پراگندہ ہوا جس کی وجہ سے بے ہوشی طاری ہو گئی۔ چونکہ اس کو اس کے اصلی مقام پر پہنچا دیا گیا تھا اس لیے وہ بدبو کے پہنچنے سے اصلی حالت پر عود کر آیا' پراگندگی اور بے ہوشی جو عطر سے پیدا ہوئی تھی دفع ہو گئی۔ اگر اس طریقہ سے علاج نہ کیا جاتا تو وہ ایک دو لمحہ ہی میں مر جاتا۔[1]

صلاح الدین کے دربار میں ایک اور مشہور و معروف طبیب تھا'

---

[1] یادگار سلف تذکرہ اطباء، صـ ۳۲

جس کا نام موفق الدین عبداللطیف بن یوسف بن محمد بن ابی سعد بغدادی معروف بہ "ابن اللباد" تھا۔ یہ اپنے وقت کا امام اور علم وفضل میں بے مثل آدمی تھا ۵۵۷ھ میں پیدا ہوا۔ اور شیخ ابی النجیب کے آغوش میں پرورش ہوئی۔ اور ۱۲ محرم ۶۲۹ھ میں وفات پائی۔ اس کی تصانیف کی تعداد تذکروں میں (۱۶۱) لکھی ہے۔ اس نے شہاب الدین سہروردی کی کتابوں کا بغائر مطالعہ کیا تھا اور کہتا تھا کہ دنیا والے اندھے ہیں، اس بزرگ کی کتابوں کو کیا سمجھ سکتے ہیں، درحقیقت علم تصوف تو یہی ہے۔ جو اس نے لکھا ہے۔ اس کی تصنیفات دستیاب نہیں ہوتیں اور نادر سمجھی جاتی ہیں ہم نے اس کی لکھی ہوئی شرح فصول بقراط دیکھی جس کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ حنین نے جالینوس کی کتابوں وغیرہ کا ترجمہ کیا تھا۔ میں نے بقراط کی "فصول" کی شرح لکھی۔

مسلمانوں کے فن تشریح کی تحقیق کی ایک مثال

عبداللطیف کی ایک تصنیف کا اور پتہ چلتا ہے جس کا نام مغربی مصنفین کے نزدیک Relation surl Egypte. ہے۔ اس کی دوسری جلد میں انہوں نے تشریح سے متعلق نہایت پُر مغز، قابل قدر معلومات پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ چنانچہ ایک جگہ وہ لکھتے ہیں کہ :۔

ہماری ذیلیہ باتیں ان عجیب غریب امور سے تعلق رکھتی ہیں جن کا ہمیں دنیا میں تجربہ ہوا ہے اکثر لوگ مجھ سے ملتے ہیں اور طب پر بحث و مباحث کیا کرتے ہیں لیکن ان کی یہ حالت ہوتی ہے کہ وہ جالینوس کی تشریح کو بدقت تمام بھی سمجھ نہیں سکتے، کیونکہ کسی چیز کے بیان میں اور فی نفسہٖ اس کے دیکھنے میں بہت بڑا فرق ہوتا ہے۔ ایک مرتبہ ہمیں یہ معلوم ہوا کہ "مکس" میں ایک پہاڑی ہے

جہاں انسانی ہڈیاں کثرت سے جمع ہیں چنانچہ ہم اس اطلاع پر وہاں پہنچے تو دیکھا کہ ایک بہت بڑا ٹیلہ ہے، جس میں یہاں سے وہاں تک انسانی ڈھانچے موجود ہیں، اندازاً جن کی تعداد بیس ہزار یا اس سے زائد ہی ہوگی۔ ان ڈھانچوں میں بعض پُرانے اور فرسودہ ہوگئے تھے۔ اور بہت سے نسبتہً تازہ بھی تھے۔"

ان ڈھانچوں کے مشاہدات اور تجربوں کے بعد وہ اپنی کتاب میں بڑی تفصیلی بحثیں کرتا ہے اور سارے اختلافات کو نہایت محققانہ حیثیت سے قلم بند کیا ہے[1]۔

خاندانِ آصفیہ کے جدِ اعلیٰ حضرت شیخ شہاب الدینؒ کے علمی و طبی کارنامے

سلطان صلاح الدین کے دور میں مسلمانوں کے ایک زبردست اور معرکۃ الآرا فلسفی اور حکیم کا نام سننے میں آتا ہے، جس کی ذاتِ گرامی سے ایک دنیا متحیر تھی۔ ان کا نام حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی (مقتول) علیہ الرحمۃ ہے۔ دکن کی موجودہ حکومتِ آصفیہ کے سلاطین اسی سہروردیہ خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔

مورخین ان کے حالات لکھتے ہوئے حیرت و استعجاب میں پڑ جاتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ شہاب الدین علوم حکمیہ میں نادرِ زمانہ، یکتائے روزگار اور جامع علوم و فنون تھے۔ چنانچہ بڑے بڑے اطبا کسی طبی مسئلہ میں جب اختلاف کرنے لگتے ہیں تو حضرت کی تحقیق اور ان کے ارشاد و تصانیف کا حوالہ دیا کرتے ہیں۔ ساری دنیا میں اس وقت فلسفہ اور فقہ میں ان کا جواب نہ تھا۔ اس قدر فصیح البیان اور فصیح العبارت تھے کہ ان کا کوئی شخص مقابلہ نہ کرسکتا تھا۔ اس بلا کے ذہین و طباع تھے کہ اپنی عقل کی روشنی کی وجہ سے

---

[1] ماخوذ از اورینٹل کالج میگزین لاہور مئی ۱۹۳۳ء صفحہ ۱۲۹۔

بڑا زبردست کمال حاصل کیا تھا۔ صاحب طبقات الاطبا لکھتے ہیں کہ شیخ فخرالدین ماردینی کہا کرتے تھے کہ کس بلا کی عقل و فہم کا انسان ہے اور کیا زبردست عالم ہے کہ جسے دیکھکر استعجاب ہوتا ہے۔ کسی نے ان سے امام فخرالدین رازی کے متعلق پوچھا تو کہا کہ "اُن کا ذہن افسردہ نہیں ہے" اور رازیؒ سے شیخؒ کے باب میں پوچھا تو فرمایا کہ " ان کا ذہن ایسا ذکی ہے جیسی کہ بھڑکتی ہوئی آگ ہو"۔ اور اسی طرح پھر کسی نے پوچھا کہ حضرت آپ افضل ہیں یا شیخ بوعلی سینا۔ تو کہا کہ " حکمت میں، مَیں اور وہ مساوی ہیں لیکن کشف و ذوق میں، مَیں بڑھا ہوا ہوں"۔

علوم باطنی و روحانی میں زبردست دستگاہ رکھنے کی وجہ سے نازک سے نازک مسائل آسانی سے حل کر دیا کرتے تھے۔ جن تک دنیاداروں کی عقل نہیں پہنچ سکتی تھی۔ اس لیے بعض مشاہیر و علماء جو علوم رُوحانی سے ناواقف تھے، اُن کی باتوں کو سمجھنے سے عاجز آ گئے تھے اس لیے ان پر طعن و تشنیع شروع کر دی تھی۔ ان کے علم و فضل اور حکمت کو اصول وہمیہ اور مثال خیالیہ پر مبنی جانتے تھے"۔ علامہ کشہ زوری" تاریخ الحکماء میں لکھتے ہیں کہ مَیں نے ان کی خدمت کا شرف حاصل کیا ہے۔ حضرت نے ساری عمر سیر و سیاحت میں گزاری۔ سفر کا بڑا شوق تھا۔ دنیائے اسلام کا وہ مشہور و معروف "معلم اخلاق" جسے بچہ بچہ شیخ سعدی (علیہ الرحمۃ) کے نام سے جانتا ہے، اور جس کے فضل و کمالات کو دنیا تسلیم کر چکی ہے۔ اسی شیخ شہاب الدین مقتول کے ماموں حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردی المتوفی ۶۳۲ھ کا مرید باصفا تھا۔ چنانچہ ایک دریائی سفر میں جہاز پر حضرت شیخ سعدی (علیہ الرحمہ) کی ان سے ملاقات ہوئی، اور شیخ سا جہاں دیدہ شخص شہاب الدین کے

آگے سرِ تسلیم خم کرکے دستِ نیاز بڑھاتا ہے اور اپنا کمزور ہاتھ شہاب الملتہ کے خدا پرست ہاتھ میں سونپ دیتا ہے چنانچہ حضرت شیخ سعدی نے اشعار ذیل میں اسی قصہ اور اپنی ارادت کیطرف اشارہ کیا ہے ؎

مرا پیر دانائے فرخ شہاب   دو اندرز فرمود بر روئے آب
یکے آنکہ با خویش خود بیں مباش   دگر آنکہ با غیر بد بیں مباش

شیخ شہاب الدین بڑی سخت سخت ریاضتیں فرمایا کرتے جنھیں سُنکر استعجاب ہوتا تھا کہ یا الٰہی یہ کس پایہ کا انسان ہے۔ لباس وغیرہ کے پہننے میں کسی نمایش یا اور کسی قسم کا خیال نہ کرتے تھے، جو کچھ میسر آتا پہن لیتے۔ کبھی کسائی پہنی، تو کبھی کچھ، مگر اکثر سُرخ لانبی ٹوپی، کبھی مرقع اور اس پر خرقہ پہنا کرتے تھے۔ اور کبھی کبھی صوفیا کے بھی لباس میں نظر آتے تھے۔ سماع، نغمہ اور موسیقی کے بڑے دلدادہ تھے۔ سیکڑوں کشف و کرامات ان سے سرزد ہوئے۔ جب سیاحت کرتے ہوئے وہ بلادِ روم سے حلب آئے، تو یہاں ان کی ملک ظاہر بن صلاح الدین یوسف سلطان مصر و یمن سے ملاقات ہوئی، شہزادہ ان کے فضل و کمال کو دیکھ گرویدہ ہوگیا۔ اور اپنے پاس ہی ٹھہرا لیا۔ اور ان کی جناب میں کمال اعتقاد رکھتا تھا۔ جب باتوں باتوں میں کبھی کبھی مسائل کا ذکر آجاتا تو شیخ شہاب الدین ان مسائل میں کم فہم علماء کی غلطیوں کو واضح فرمایا کرتے اور ان کے کلام کی تنقیص کیا کرتے تھے۔ یہ خبریں دوسرے علماء کو ملتی تھیں، اور وہ یہ سُن کر ان سے جلتے تھے۔ اس لیے علمائے حلب نے ایک دن مناظرہ کے لیے مسائل پر گفتگو کی خاطر مقرر کیا علماء نے ان سے مناظرہ کیا، لیکن جواب دینے والا وہ باکمال اور ایسی متحیر شخصیت کا انسان تھا کہ

اس نے ہر مسئلہ کی بال کی کھال نکال کر انہیں دکھا دی' اور ان کو ان کی غلطیوں اور کمزوریوں سے آگاہ کیا' اس مناظرہ میں شہاب الدین کی قوت گویائی اور کمال کا یہ عالم بندھا رہا کہ وہ بڑے بڑے علماء جو بڑے بڑے ادعاؤں کے ساتھ آئے تھے' دم بخود ہوگئے اور کچھ نہ کہہ سکے۔ لوگ کہتے ہیں کہ اس دن ان سے ایسے عجائبات سرزد ہوئے'' معلوم یہ ہوتا تھا کہ رُوح الامین کی قوت ان کے ہمراہ ہے۔

اس مناظرہ کا یہ نتیجہ نکلا کہ ملک ظاہر کی نظر سے سارے علماء کی وقعت گر گئی اور ان لوگوں کی رسوائی ہونے لگی' تو چند مفسد علماء نے اُن کے خلاف پروپگنڈہ کی کوشش شروع کی اور ان کی تکفیر و قتل کے فتوے صادر کئے۔ اور شاہزادہ کو ان کے شہید کرنے پر مجبور کیا جب وہ راضی نہ ہوا تو انہوں نے ایک محضر بنا کر سلطان صلاح الدین کے پاس دمشق بھیجا کہ اگر شہاب الدین زندہ رہے تو ملک کے اعتقاد بگاڑ دینگے اور فتنہ و فساد کی آگ مشتعل ہو جائیگی اگر ان کو یہاں سے کسی اور جگہ بھیجدیا جائیگا تو ہر جگہ یہ فساد کی آگ پھیلاتے پھرینگے اس لیے ان کا قتل کر دینا مناسب ہے۔ سلطان صلاح الدین نے شہزادہ کو لکھا تو وہ راضی نہ ہوا' لیکن پھر اس پر بہت زور اور دباؤ ڈالا گیا اور کہا گیا کہ تجھ سے حلب کی حکومت چھین لی جائیگی۔ جب حضرت شہاب الدین کو ان کے قتل کا قصہ معلوم ہوا تو خود انہوں نے فرمایا کہ مجھے مقید کر کے کھانا پانی نہ دو اس طرح خود بخود میرا کام تمام ہو جائیگا بعض کہتے ہیں کہ انہیں تلوار سے شہید کر دیا گیا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ قلعہ کی دیوار پر سے گرا دیا اور جلا دیا گیا۔ ان کی شہادت ۵۸۶ھ کے بعد

لوگوں نے خواب میں دیکھا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں اور اُن کی ہڈیوں کو جمع فرماتے جا رہے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ "یہ شہاب الدین کی ہڈیاں ہیں"

صاحب طبقات الاطباء نے لکھا ہے کہ ان کو دفن کیا گیا تھا، اور اُن کی قبر پر یہ شعر لکھے ہوئے تھے[۱]

قد کان صاحب ھذا القبر جوھرۃ ۔۔۔ مکنونۃ قد براھا اللہ من الشرف

فلم تکن تعرف الایام قیمتہ ۔۔۔ فردھا غیرۃ منہ الی الصدف

حضرت شافعی مذہب کے پیرو تھے۔ پچاس سے زیادہ کتابیں تصنیف کی تھیں۔ فارسی اور عربی میں شعر بھی کہا کرتے تھے۔ کہتے ہیں کہ ارسطو کے بعد سے آج تک مسلمانوں میں "حکمت اشراق" کا فاضل سوائے شہاب الدین کے کوئی اور شخص پیدا نہ ہو سکا۔

صلاح الدین جیسے زبردست فرماں روا کے دَور کا یہ نہایت افسوس ناک واقعہ ہے، جسے دنیا ہرگز نہ بھلا سکے گی۔

عبرت نظراں کز رشتِ زیبا دیدند ۔۔۔ نقصانِ کمال و لفظ و معنیٰ دیدند

ملعوں خواندند ازیں سبب دنیا را ۔۔۔ کیں جا صاحب دلاں اَلمنا دیدند

ملک منصور قلاؤن کا ایک عظیم الشان دار العلاج

نور الدین اور صلاح الدین کی شعبۂ طب کی دلچسپیوں کی وجہ سے لوگوں کو اس حقیقی ضرورت کا اندازہ اور احساس ہوا۔ اس لیے ان کی تقلید میں بہتیرے شفا خانے قایم ہوئے۔ ملک منصور قلاؤن جس کی حیثیت اس زمانہ میں ایک

---

[۱] طبقات الاطباء صفحہ ۲۶۷ جلد دوم

فوجی افسر کی تھی، جب ایک مرتبہ دمشق پہنچا تو اتفاق سے قولنج کے عارضہ میں مبتلا ہوگیا۔ جو نسخہ اس کے لیے تجویز ہوا تھا، اس میں ایسی دوائیں تھیں جو دوسرے مقامات سے دستیاب نہیں ہوسکتی تھیں، اس لیے نورالدین کے شفاخانے سے منگوائی گئیں اور اس سے اس کو صحت ہوگئی، جب ملک منصور تندرست ہوا اور شفاخانہ کے معائنہ کے لیے گیا، تو اس کو دیکھ کر متعجب ہوا۔ دل میں نیت کی کہ "جب مجھے سلطنت نصیب ہوگی تو اس سے بہتر شفاخانہ بنواؤنگا۔ چنانچہ جب وہ ۶۷۸ھ میں تخت نشین ہوا تو ایک دارالعلاج کا سنگ بنیاد رکھا۔ یہ علاج گھر اس شان کا تیار ہوا، کہتے ہیں کہ شفاخانۂ عضدیہ کے بعد اس کی مثال کہیں نہیں مل سکتی تھی۔ یہ ہسپتال ایک شاہی محل میں بہت کچھ اضافہ و ترمیم کے بعد قایم ہوا۔ تاریخیں ناقل ہیں کہ یہ فاطمیین کا ایک بڑا شاہی محل تھا۔ جس کو خلیفہ العزیز باللہ کے بیٹے نے تعمیر کرایا تھا اس خاندان کی تباہی کے بعد یہ صلاح الدین کے قبضہ میں آیا، اور اس کے بعد اس کی اولاد میں یہ وراثۃً چلا آتا تھا۔ قلاؤن نے جب شفاخانہ بنوانے کا ارادہ کیا تو اس کو اس سے زیادہ کوئی موزوں عمارت نہیں مل سکتی تھی۔ اس لیے اس محل کو اس کے مالک سے خریدا۔ اور ۶۸۳ھ میں تعمیر کے آغاز کا حکم دیا۔

اس محل میں چار بڑے ایوان تھے۔ اور اس کا کل احاطہ (۱۰۶۰۰) گز تھا۔ اس احاطہ کے اندر ایک نہر تھی۔ جس کے ذریعے ایوانوں میں پانی آتا تھا، ملک منصور قلاؤن نے ایوانات تو ویسے ہی رہنے دیے لیکن اس میں بہت سی نئی عمارتیں اضافہ کیں۔ تین سو قیدی اور بہت سے مزدور روزانہ تکمیل عمارت میں مصروف رہتے تھے۔ حکم دے رکھا تھا کہ

مصر اور قاہرہ میں جس قدر مزدور ہیں وہ شفاخانہ کے سوا، اور کہیں کام نہ کرنے پائیں۔ شفاخانہ کے جو ستون تھے وہ سنگِ مرمر یا سنگِ رخام سے تیار کرائے تھے۔ خود ملک منصور روزانہ عمارت کے ملاحظہ کے لیے آیا کرتا تھا۔ اس انتظام اور سرگرمی سے کوئی گیارہ مہینے میں شفاخانہ کی عمارت مکمل ہوئی جو قاہرہ کی عظیم الشان عمارت تسلیم کی جاتی تھی۔ اس دارالمرضاء کے مصارف کے لیے قلاؤں نے دس لاکھ درہم کی جائداد وقف کردی تھی۔ اس کے وقف نامہ میں لکھا تھا کہ بادشاہ سے لے کر غلام تک کے لیے شفاخانہ عام ہے۔ بلکہ جو لوگ اس میں رجوع نہ ہوسکیں وہ بھی اس کی دوائیں استعمال کرسکتے ہیں۔

اس شفاخانہ کے تفصیلی حالات میں لکھا ہے کہ ہر مرض کے علاج کے لیے علیحدہ علیحدہ وارڈ مقرر تھے۔ بخار کے مریضوں کے لیے وہی چار قدیم ایوان مختص کر دیے گئے تھے۔ آشوبِ چشم، لرزہ، اسہال وغیرہ کے لیے الگ الگ مکانات تھے۔ مردوں اور عورتوں کے لیے بھی بالکل جداگانہ انتظامات عمل میں لائے گئے تھے۔ ان کے علاوہ درس و تدریس، دواؤں کی تیاری، اور مطبخ وغیرہ کے لیے متعدد مکانات مخصوص کیے گئے تھے، اور ان سب میں نہروں کے ذریعے پانی آتا تھا۔ اور ہر وقت ان میں پانی کی چادریں چلتی رہتیں جو ایک عجیب سماں پیدا کرتی تھیں۔ شفاخانہ کا انتظام کئی صیغوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ اور ہر صیغہ کا ایک منتظم مقرر تھا۔ اس ہاسپتال کے مرجوعہ کا یہ عالم تھا کہ روزانہ کئی ہزار مریض رجوع ہوا کرتے تھے اور دواؤں کے خرچ کے متعلق لکھا ہے کہ معمولی دواؤں کو چھوڑ کر جو روزانہ بے غل و غش خرچ ہوتی تھیں خاص دوائیں

میں شربت انار وغیرہ کے پانسو رطل صرف ہوتے تھے[1]۔

عہد غوریہ میں طب

غزنوی خاندان کے چراغ کو بجھا کر ایک سلطنت وجود میں آئی، جو تاریخ میں غوریوں کے نام سے مشہور ہے۔ اس خاندان کا پہلا حکمران علاء الدین بن حسین تھا، جسے مورخین "جہاں سوز" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اس غوریہ خاندان کی ابتداء جنگ جدل سے ہوئی۔ اس بادشاہ کی طبی سرپرستیوں کا کوئی حال نہ معلوم ہو سکا۔ صرف اس قدر پتہ چلتا ہے کہ ابوالحسن نظام الدین یا نجم الدین احمد بن عمر بن علی معروف بہ نظامی عروضی سمرقندی مؤلف چہار مقالہ اس کے درباری طبیب تھے۔ جنھوں نے مجمع النوادر کے نام سے چہار مقالہ جیسی بہتر کتاب لکھی۔ نظامی عروضی ایک ادیب انشاء پرداز شاعر اور مجمع الکمال آدمی ہونے کے سوا ایک اچھے طبیب بھی تھے، چنانچہ انہوں نے اپنی کتاب میں اپنے معالجہ کا ایک واقعہ لکھا ہے۔

مرض "کثرت طمث" کا ایک عجیب علاج

وہ لکھتے ہیں ۵۴۷ھ میں سلطان عالم سنجر بن ملک شاہ میں اور میرے آقا سلطان علاؤ الدین بن حسین کے درمیان مقام "اوبہ" پر جنگ چھڑ گئی، جس میں لشکر غور کو شکست فاحش نصیب ہوئی، اور میں اس زد و خورد میں اپنے آپ کو بچانے کی فکر کرتا اور چھپتے پھرتا تھا۔ کیونکہ میں دربار غور سے تعلق رکھتا تھا، جس کو شکست نصیب ہوئی تھی۔ اسی پریشانی کے زمانہ میں ایک رات ایک شریف اور نیک آدمی کے گھر میں میں نے پناہ لی، اور اس گھر والے کے ساتھ کھانا کھایا۔ اس کے بعد میں حاجت کے لیے باہر نکل آیا۔ اور جب ضرورت سے فارغ

---

[1] رسائل شبلی ص ۱۵۱

ہو کر گھر میں پہنچا، تو صاحب خانہ میرا بڑا احترام اور ادب کرنے لگا جیسا کہ
محتاج کیا کرتے ہیں کچھ دیر تک میرے پاس بیٹھا رہا، اور مجھ سے باتیں
کیں اور کہنے لگا کہ اے میرے بزرگ مجھے ایک لڑکی ہے جس کے سوا میری
کوئی اور اولاد نہیں، لیکن بدقسمتی سے اس کو ایک عارضہ ہے جس کی وجہ
سے میں سخت پریشان ہوں اور متعدد علاج کرا چکا ہوں مگر کوئی فائدہ نہ ہوسکا
کاش آپ میرے حال پر رحم فرما کر اس کا علاج فرمائیں تو میں عمر بھر آپ کا
شکرگزار رہونگا۔ میں نے اس سے مرض کی تفصیل پوچھی، تو کہنے لگا کہ اب
کو عذر کے دنوں میں دس پندرہ سن[1] خون ہر مہینے خارج ہوا کرتا ہے۔
جس کی وجہ سے بے حد ضعیف و کمزور ہو جاتی ہے۔ اگر خون بند کر دیا
جاتا ہے تو نفخ پیدا ہو جاتا ہے (یا پیٹ بڑھ جاتا ہے) اور درد شروع
ہونے لگتا ہے۔ اگر بند نہیں کیا جاتا ہے تو خون کی کثرتِ اخراج سے
ضعف و کمزوری طاری ہو جاتی ہے۔" یہ کیفیت سنکر میں نے کہا کہ اب کی
بار جس مہینہ میں عذر شروع ہو جائے مجھ سے کہنا۔ دس دن بھی نہ گزرے
تھے کہ مریضہ کی ماں میرے پاس آئی اور مجھے اس لڑکی کے پاس لے گئی۔
میں نے دیکھا کہ ایک نہایت خوبصورت نوجوان لڑکی ہے مگر دہشت زدہ
اور زندگی سے مایوس نظر آتی ہے مجھے دیکھتے ہی میرے قدموں پر
گر پڑی، اور کہنے لگی کہ اے میرے باپ خدا کے لیے میری فریاد
کو پہنچ، اور میری زندگی کو بچا، کچھ اس طرح گڑگڑانے لگی کہ میرے دل پر
اس کا سخت اثر ہوا، اور میری بھی آنکھوں سے آنسو نکل گئے۔ میں نے اس سے

---

[1] معلوم نہیں اس دور میں "سن" کتنی مقدار کے وزن کو کہتے تھے ۱۲

کہا کہ ناامید نہ ہو، تیرا علاج بہت آسان ہے، میں نے اس کی نبض دیکھی تو قوی پائی۔ لیکن چہرہ کا رنگ بدلا ہوا تھا۔ میں نے کہا کہ ایک فصاد (فصد لگانیوالا) کو حاضر کیا جائے۔ جب وہ آیا تو عورتوں کو اس کے پاس سے ہٹا دیا اور فصاد کو حکم دیا کہ اس کے دونوں ہاتھ کی رگ یا سلیق میں فصد لگا کر خون نکالے اور تقریباً ہزار درم خون نکالا۔ اور اس کے بعد پھر اس کو روک دیا۔ مریضہ اس عرصہ میں بے ہوش ہوگئی۔ اس کے بعد میں نے آگ منگائی۔ جب آگ حاضر کی گئی تو اس کے قریب بیٹھ کر مرغ کے کباب لگائے، یہاں تک کہ سارا کمرہ کباب کی بو اور اس کے دھویں سے بھر گیا۔ یہ بو اور دھواں اس مریضہ کے دماغ تک پہنچا تو ہوش میں آئی اور رونے لگی۔ فوراً اسے شربت پلایا، اور ایک مفرح دوا کھلائی۔ یہاں تک کہ ایک ہفتہ تک اس کا علاج کیا خدا کے فضل سے تندرست ہوگئی اور اس کا مرض بالکل جاتا رہا۔ اور خون اپنی اصلی مقدار پر لوٹ آیا۔ چنانچہ یہ لڑکی اب نہایت صحت و تندرستی کے ساتھ میرے پاس ہے میں نے اسے اپنی لے پالک بیٹی بنا لیا ہے اور وہ میرے لیے میرے دوسرے بچوں کے برابر ہے[1]۔"

ہم اپنے قارئین کو ہندوستان کی طبی کارفرمائیوں کی طرف متوجہ کرنے سے قبل ایک ایسی طب کی کتاب کا ذکر کرنا ضروری سمجھتے ہیں، جو اساتذۂ فن میں ایک عرصہ سے معتبر اور مشہور ہوتی چلی آئی ہے۔ لیکن بدقسمتی سے اب لوگ اس کی اہمیت اور اس کے نام سے ناواقف ہیں۔ اس کتاب کا نام "اختیارات بدیعی" ہے اس کا مؤلف علی بن الحسین الانصاری المشتہر بحاجی (زین الدین) ابن العطار ہے۔ اس نے

---

[1] چہار مقالہ ص ۱۰۹

یہ کتاب ۷۷۰ھ میں تالیف کی۔ مسلمانوں کی طبی دلچسپی اس دور میں اس قدر بڑھ گئی تھی کہ اس کی توسیع و اشاعت اور اس کے اہلِ کمال کی قدر دانی میں شاہی خواتین نے بھی بہت بڑی دل چسپی کا اظہار کیا تھا۔ چنانچہ یہ اہم ترین کتاب ایک عالی مرتبت خاتون، عصمت الدنیا والدین، "بدیع الجمال" کے نام معنون کی گئی تھی۔ اور اسی کے نام پر اس کا نام "اختیارات بدیعی" رکھا گیا۔

ہم اس سلطانہ کے فی الحال تاریخی واقعات کی تحقیق نہ کر سکے۔ انشاء اللہ کسی اور موقع پر روشنی ڈالنے کی کوشش کرینگے۔[1]

اس کتاب کے دو حصے ہیں۔ پہلا حصہ مفرد ادویہ کے لغت پر مشتمل ہے اور دوسرا مرکبات کے نسخوں پر شامل ہے۔ پہلا حصہ (لغتِ طبی)، بہت بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ مصنف نے اکثر و بیشتر ہندی دواؤں کے نام اور ان کے ممکنہ عربی نام لکھ کر اپنے خاص تحقیقاتی حالات و افعال و خواص لکھے ہیں، جو ہندی ادویہ کی تحقیق کے سلسلہ میں بہت بڑی اہمیت رکھتے ہیں اور یہ غالباً پہلا لغت ہوگا، جس میں مولف نے ہندی ادویہ کے متعلق بھی تحقیقات کر کے، ان کے علمی نوٹس لکھنے کی کوشش کی۔

یہ کتاب مطبع نولکشور میں ۱۲۹۶ھ میں طبع بھی ہو چکی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس سے قبل دہلی میں بھی چھپی تھی۔ اس مطبوعہ نسخہ کے (۵۰۹) صفحے بڑی سائز پر ہیں جس سے کتاب کی جامعیت و اکملیت کا اندازہ ہو سکتا ہے اس کا ایک قدیم نسخہ خدا بخش خاں کی بھی لائبریری میں موجود تھا۔

---

[1] ہم نے "طب کی نادر کتابوں" کے عنوان سے کچھ لکھنے کا ارادہ کیا ہے، اس وقت اگر خدائے کارساز کو منظور ہوگا تو ہم بہت سی کتابوں پر، ہر ایک سے متعلق تفصیلی معلومات پیش کرنے کی کوشش کرینگے۔ اس لیے اس کتاب میں ایسی کتابوں کے متعلق کما حقہ، تفصیلی معلومات جس کی ضرورت ہے گنجایش نہ ہونے کی وجہ سے قلم بند نہ کرینگے۔

اس کتاب پر ایک اور شخص نے "قرا یادین جلالی" کے نام سے اضافہ کیا ہے، جس کا نام حاجی جلال بن امین الطبیب المرشد گازرونی تھا۔ اس نے لکھا ہے کہ اختیارات بدیعی کے مؤلف سے جو تسامحات ہوئی ہیں اور ان سے جو ضروری چیزیں متروک ہوئیں ان سارے نقائص کو دور کرنے کے لیے میں نے یہ کتاب لکھی ہے اور خدا کے فضل سے، اس معاملہ میں پوری پوری کوشش صرف کی ہے۔

یہ تتمہ کہیں نہیں چھپا۔ ہم نے اس کا ایک قلمی نسخہ دیکھا ہے، جو دولت آباد میں ۲۶، شعبان ۱۰۹۷ھ میں لکھا گیا تھا۔ اور جس کے کاتب کا نام حافظ قلندر تھا۔ اس مخطوطہ کے شروع صفحہ پر "صمصام الملک" کی بھی مہر ہے۔ ممکن ہے کہ یہ مہر "صمصام الملک صمصام الدولہ شاہ نواز خاں" (دیوانِ دکن) کی ہو۔ جن کے کتب خانہ کی بڑی شہرت تھی۔ اس مہر کے سوا ایک مہر "بنت رفاہیت طلب خاں" اور ایک "شفا طلب خاں" (۱۱۹۵ھ) کی بھی ثبت ہے۔

ہم فی الحال ابتدائی اسلامی سلطنتوں کی طبی سرپرستیوں کے پہلے مقالہ کو اسی حد تک محدود رکھتے ہیں کہ ؎

افسانۂ این و آں تسلسل دارد
بر خود بپیچید و رشتہ کوتاہ کنید

طبِ ہند میں (شمالی)

غزنین کا آخری حکمراں خسرو شاہ علاء الدین کے ڈر سے لاہور آگیا تھا، اور یہیں سکونت اختیار کرلی تھی۔ لیکن جب اس کے بعد اس کا بیٹا خسرو ملک حکمراں ہوا، تو شہاب الدین غوری نے پہلے پہل لاہور ہی تک حملے کیے۔ اسی کے عہد سے ہندوستان پر مسلمانوں کی مستقل حکومت کی ابتدا ہوتی ہے، اور اس کے بعد ہی ہند میں ایک اسلامی سلطنت قایم ہو جاتی ہے۔ اس ابتدائی دور کے طبی کارناموں کی ہمیں فی الحال کوئی تفصیل نہیں ملی۔ قیاس کہتا ہے کہ جب ہندوستان پر مسلمانوں کی مستقل حکومت قایم ہو گئی اور کچھ امن و امان ملا، تو اس طرف سلاطین نے ضرور توجہ کی ہوگی۔

خلجی دور میں طب ہمیں اپنی تحقیق میں سب سے پہلی طبی تصنیف سلطان جلال الدین "فیروز شاہ" خلجی کے عہد کی ملی ہے۔ اس سلطان کا فیروز شاہ بھی خطاب تھا[1]۔ یہی وہ دلی کا بادشاہ ہے، جو علاؤ الدین خلجی کا چچا تھا۔ اس نے ۶۸۹ھ سے لے کر ۶۹۵ھ تک حکومت کی۔ معلوم ہوتا ہے کہ

[1] ملاحظہ ہو طبقات ناصری اور تاریخ فرشتہ کہ جلال الدین کا فیروز شاہ بھی خطاب تھا ۱۲

اس کے دربار میں بہت سے اطبا جمع تھے۔ اور طبابت کی طرف کافی توجہ کی گئی تھی۔ مذکورالفوق کتاب پرندوں کے علاج معالجہ کے ذکر میں ہے، جس کو عربی میں "زردقہ" کہتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جب جانوروں کی نگہداشت کی طرف اس قدر توجہ مبذول تھی، تو پھر بنی نوع انسان کے لیے کیوں نہ آسائش و آرام کی صورتیں اختیار کی گئی ہونگی۔ بعض مورخین کا جیسا کہ خیال ہے، فاتح ہمیشہ اپنی مفتوح قوم میں ہر دل عزیزی حاصل کرنے کی فکر کیا کرتے ہیں اور ان کو آرام و آسائش پہنچا کر اپنی حکومت سے مانوس اور اس جنگ و جدل کی نفرت کو دور کرنا چاہتے ہیں۔ جن میں کہ ان کو کامیابی نصیب ہوی تھی، اس کے لیے انہوں نے سب سے بہتر صورت شفاخانوں کے قیام کی نکالی تھی۔ جہاں کہیں فتح نصیب ہوئی اور ان کی حکومت قایم ہو جاتی، تو فوراً وہ اس ضروری رفاہِ عامہ کے کام کی طرف متوجہ ہو جاتے تھے۔ اسی طرح ہندوستان میں بھی ضرور ہوا۔ لیکن ہمیں اس وقت تک تفصیلی شہادتیں دستیاب نہ ہو سکیں۔

پیش نظر کتاب کا نام "رسالۂ فیروز شاہی" ہے۔ اس کے مؤلف کا نام "شاہ قلی" ہے۔ اس نے سبب تالیف میں یہ لکھا ہے کہ سلطان فیروز شاہ، ایک دن نہایت خوشی اور مسرت کی حالت میں بیٹھا ہوا تھا اور حکما زمانہ اس کے دربار میں موجود تھے۔ اس نے میری طرف خطاب کر کے حکم دیا کہ "تو پرندوں کے علاج میں ایک کتاب لکھ، تاکہ اس سے دلچسپی اور شوق رکھنے والے فائدہ اٹھائیں" چنانچہ میں نے یہ کتاب سنہ ۷۸۰ھ میں لکھی، تاکہ شاہی میر شکاریاں اور دوسرے شوقین اس سے

فائدہ اٹھائیں۔ لیکن مؤلف نے جو سنہ تالیف لکھا ہے اس عہد میں تو سلطان معزالدین کیقباد، دلی کے تخت پر حکمران تھا۔ لیکن ہماری نظر سے فی الحال تاریخوں میں اس کا فیروز شاہ خطاب نہیں گزرا۔ البتہ سلطان جلال الدین خلجی کا "فیروز شاہ" بھی خطاب لکھا ہے[1] ممکن ہے کہ اسی عہد کی کتاب ہو، اور کاتب کی غلطی سے سنہ لکھنے میں کچھ سہو ہوا ہو۔ ہم فی الحال اور زیادہ تلاش و تحقیق کیے بغیر اس کتاب کو اسی عہد سے منسوب کرتے ہیں۔ یہ ایک مختصر کتاب ہے جو انتیس (۲۹) ابواب پر مشتمل ہے۔ اور چھوٹی تقطیع کے کل (۸۶) صفحوں پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب اس قدر قدیم، اور طرزِ کتابت اس قسم کا معلوم ہوتا ہے کہ کیا عجب ہے کہ یہی اصل مسودہ کتاب ہو، اور دنیا میں اس کا ایک ہی نسخہ ہو۔

طب کے لیے تغلق خاندان کی سرپرستی

شفاخانوں کے مستقل رواج کا پتہ، محمد شاہ تغلق (۷۲۵ھ / ۷۵۲ھ) سے پہلے نہیں چلتا۔ مولانا شبلی نے لکھا ہے کہ "اگر ہم مقریزی کی روایت کا اعتبار کریں تو صرف شہر دہلی میں محمد تغلق کے زمانہ میں ستر شفا خانے جاری تھے۔"

محمد تغلق کے بعد جب مشہور نیک دل سلطان فیروز شاہ سریر آرائے دہلی ہوا تو اس نے اپنے عہد حکومت میں دہلی میں ایک بڑا شفاخانہ بنوایا، جس میں امیر، غریب، ہندو مسلمان ہر شخص کو مفت دوائیں دی جاتی تھیں۔ اس شفاخانہ کا سالانہ خرچ (۳۶) لاکھ ٹکے تھا۔

---

[1] سلطان شمس الدین التمش کی وفات کے بعد رکن الدین بھی "فیروز شاہ" کے نام سے حکمران رہا ہے جس کا سنہ وفات ۶۳۴ھ ہے، اور تغلق خاندان کے تاجدار "فیروز شاہ" نے ۷۵۲ھ سے ۷۹۰ھ تک بادشاہت کی ہے۔

فیروز شاہ نے اپنے خود نوشت سوانح حیات میں اس شفاخانہ کے متعلق یہ لکھا ہے کہ:-

میں نے خدا کی عنایت سے ایک دارالشفاء بھی قایم کیا ہے' تا کہ اس میں ہر شخص کا علاج ہو سکے - اطباء حاذق مقرر کیے ہیں تا کہ مریضوں کا معقول علاج ہو سکے' میں نے مصارف دواخانہ کے لیے ایک کثیر جائیداد وقف کر دی ہے اور اس دواخانہ میں رجوع ہونے والوں کو انشاء اللہ تعالٰی خدا اپنے فضل سے شفا بخشے گا - پروردگار کا احسان ہے کہ اس نے مجھے اس نیک کام کی توفیق دی اور میری یہ دیرینہ آرزو پوری ہو گئی[۵۱]"

اس کے سواء اس بادشاہ نے تخت نشین ہوتے ہی رفاہ عام کے کام سب سے پہلے شروع کیے اور حکم دیا کہ بتیس[۳۲] شہر' چالیس[۴۰] پختہ جامع مسجد' تیس[۳۰] مدرسے بیس[۲۰] خانقاہیں' دو سو[۲۰۰] سرائیں' ایک سو[۱۰۰] نہریں' اور سو[۱۰۰] شفاخانے' دو سو چھپن[۲۵۶] حمام وغیرہ بنائے جائیں[۵۲] - اس مجسم خیر سلطان کی یہ یادگاریں اہل دنیا کی آرام و آسائش کی کفیل بنیں' اور بعض چیزوں کے اب تک باقی رہنے کی وجہ سے آج تک کا اس کا نام زندہ ہے -

سلطان محمود شاہ نے ۸۴۹ھ میں مانڈو[۵۳] میں ایک نہایت عمدہ شفاخانہ تعمیر کرایا تھا - اس شفاخانہ کا مہتمم حکیم فضل اللہ تھا' جو بڑا صاحب کمال طبیب تھا' جسے سلطنت کی طرف سے حکیم الحکماء کا خطاب بھی عطا ہوا تھا[۵۴] -

ہندوستان میں جب اسلامی طب داخل ہوئی' تو مسلمانوں نے یہاں کی ہندی طب میں بھی مہارت و واقفیت پیدا کرنے کی کوشش کی اگو دربار خلافت میں ہندی طب کی طرف توجہ کی جا چکی تھی - لیکن جب مسلمان فاتحین کے

[۵۱] آثار خیر ص ۸۸ - [۵۲] تاریخ رشیدالدین خانی ص ۴۵ [۵۳] اب یہ مقام ریاست دھار میں واقع ہے - [۵۴] آثار خیر ص ۸۹

قدم اس سرزمین پر پہنچے اور انہوں نے یہاں بودوباش اختیار کر لی تو یہاں کے علوم میں بھی دستگاہ اور کمال حاصل کرنے کی کوشش کی مسلمانوں میں خلفائے عباسیہ کے عہد کے بعد سب سے پہلا اور بڑا شخص ابو ریحان بیرونی تھا، جس کے شوق و ذوق کو دیکھ کر انتہائی استعجاب ہوتا ہے کہ اس نے کیا کیا مصیبتیں سہہ کر ہندی علوم میں مہارت و کمال بہم پہنچانے کی کوشش کی تھی۔ اس کے بعد حضرت امیر خسرو علیہ الرحمہ کا نام آتا ہے، جن کے جیسا مجمع الکمال انسان آج تک پیدا نہ ہو سکا۔ فن طب چونکہ ایک اہم فن تھا۔ اس لیے سب سے پہلے اپنے اسلامی طب کے ساتھ ساتھ یہاں کے دیسی فن سے بھی مسلمانوں نے فائدہ اٹھایا اور اپنی طب میں اس کو ایک اعلیٰ اور علمی نقطۂ نظر سے جذب کر لیا۔ مسلمان فاتحین جب پہلے پہل آئے تھے تو یہاں کے طبیبوں کو وہ اپنی زبان میں "مصری" کہا کرتے تھے، کیونکہ یہ دیسی اطباء اپنے راجاؤں کے درباروں اور ان کے دار السلطنتوں میں رہا کرتے تھے اور مسلمان جوان مقامات سے شروع شروع اکثر دُور رہا کرتے تھے جو کسی ایسے دیسی طبیب کا ذکر آتا یا اُن کو بلانے کی ضرورت پڑتی تو کہتے کہ اس "مصر" کے (جس کے معنی عربی میں شہر کے ہیں) طبیب کو بلا لاؤ۔ اس طرح عرب فاتحین کے نزدیک ان طبیبوں کا نام شہر میں سکونت رکھنے کی وجہ سے مصری پڑ گیا۔ ہمارے محترم مولوی حکیم قاسم علی بیگ صاحب اخگر کے بقول اسی زمانہ سے ہندی اطبا کو مسلمانوں میں مصری طبیب کہنے کا رواج پڑ گیا۔ ورنہ درحقیقت مصر جو مشہور و معروف ملک ہے۔ اس سے یہاں کی اس طبابت کو دُور کا بھی واسطہ نہیں یہ لفظ "مصری" مسلمانوں کی دیسی طب کی طرف پہلی توجہ و خیالات کی آج تک یادگار چلا آتا ہے اور ہمارے دعوے کی بڑی دلیل ہے مسلمانوں

نے یہاں کی نباتات وادویہ پر غور کرکے اور ہندی اطباء کی تحقیقات پر تجربہ کرکے ان کو اپنی طب میں داخل کرلیا۔ اور دیسی اطباء کی کتابوں کا مطالعہ شروع کیا۔ ان کی کتابوں کے فارسی میں ترجمے کیے۔ اور اس شوق و ذوق سے مسلمانوں نے اس طرف توجہ کی جیسا کہ شروع میں انہوں نے یونانی طب کی طرف توجہ کی تھی۔ مگر افسوس ہے ہمارے پاس آج ان کے مکمل کارنامے موجود نہیں ہیں، ہمیں اپنی سرسری تحقیقات میں جن کتابوں تک دسترس حاصل ہوسکا ہے، ان کے متعلق یہاں ایک حد تک اجمالی تفصیل مناسب ہوگی۔

سنہ ۹۰۲ھ کی ایک تالیف ہماری نظر سے گزری جس کا نام "طب سلیمان شاہی" ہے۔ یہ ایک زبردست اور ضخیم کتاب ہے۔ اور "سلیمان شاہ" نامی ایک سلطان کے نام سے منسوب کی گئی ہے۔ ہم اس پر تاریخی روشنی ڈالے بغیر فی الحال اس کتاب کی اہمیت کو واضح کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ کتاب ساٹھ (۶۰) فصلوں اور ایک سو پندرہ (۱۱۵) ابواب پر پھیلی ہوئی ہے۔ ساری کتاب میں امراض کے اسلامی ناموں کے ساتھ ساتھ ہندی نام بھی دیے ہیں چنانچہ اٹھائیسویں (۲۸) باب میں جو "آروغ" کے بیان پر مبنی ہے اس کے متعلق لکھا ہے کہ اس کو ہندی میں "ڈکار" کہتے ہیں اور "فواق" کے متعلق لکھا ہے کہ اس کو ہندوی میں "ہچکی" کہتے ہیں۔ اور ہر جگہ ان کو تفصیل سے سمجھانے اور لکھنے کی کوشش کی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب کسی ہندی کتاب کا ترجمہ ہے۔ یا مصنف کی جدت و تحقیق کی مرہون احسان ہے۔ اس میں اس قسم کی کوئی صاف صاف

لے ہمارے محترم اردو لسانیات کے ماہرین کیلئے یہ طبی کتابیں نیا سامان ہیں، ان سے موتی پیش کردہ ناموں پر غور فرمائے، اور اب شاید آپ کو ادبی کتابوں کو چھوڑ کر سب سے پہلے اردو کی لسانی تحقیقات کے سلسلہ میں طبی کتابوں کی طرف توجہ مرکوز کرنی پڑیگی ۱۲

تصحیح نہیں ہے۔ پھر بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس نے طب ویدک سے نہایت سیر چشمی کے ساتھ فائدہ اٹھایا ہے اور اس میں بڑی زبردست مہارت رکھتا ہے۔

ہم نے حال ہی میں پڑھا تھا کہ یورپ کے ماہرین و اطباء اب اس بات کی کوشش کر رہے ہیں کہ "خوابوں" کے ذریعہ مریض کی حالتوں کا اندازہ لگائیں اور مرض کو سمجھیں۔ مگر ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ مسلمانوں نے اسی سلسلہ میں بہت پہلے ایسی تحقیقات کر کے کتابیں بھی مبسوط لکھ دی تھیں، جنھیں آج آپ پڑھ کر اپنی نئی تحقیقات کے نام سے دنیا کو روشناس فرما رہے ہیں۔ ذکریا رازی، بوعلی سینا اور دیگر مشہور اطباء نے تو علم الرویا کے نام سے مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ اور یہ علم مسلمانوں میں اہمیت رکھتا ہے۔ بوعلی سینا کا تو رسالہ چھپ بھی چکا ہے۔ خود ہندوستان کی دیسی طب میں بھی اس قسم کی مثالیں موجود ہیں، یا تو فی نفسہٖ ویدک میں بھی اس علم و فن کے متعلق کافی لٹریچر ہوگا، یا خود مسلمانوں نے اس دیسی طب میں اس تعبیر رویا کو داخل کر دیا۔ یہ ایک تحقیق طلب امر ہے۔ اس ساری طویل بحث کا مقصد یہ ہے کہ پیش نظر کتاب میں بھی ایک باب ہے جس میں بیماروں کے خوابوں سے ان کے امراض کی شناخت و علاج کے متعلق لکھا ہے۔ اور لطف یہ ہے کہ اس طبی کتاب میں ایک باب "آب و دانِ سلحہ" کے بھی عنوان سے موجود ہے جس کی بڑی تفصیل لکھی ہے۔ ایک اور مستقل باب "برص" کے علاج میں بھی لکھا ہے۔ ایک باب دواؤں کے ناموں کے لیے مختص ہے۔ ہمارا پیش نظر نسخہ سنہ ١١٠٤ھ کا مکتوبہ ہے جس کے کاتب کا نام محمد صدر الدین ہے۔

لودھیوں کا دور طب کے لیے

جب لودھیوں کا خاندان دلی کی حکومت پر برسر اقتدار آیا تو اس طبقہ کے ایک حکمران سلطان سکندر لودھی نے

اپنے دورِ حکومت (۹۴ھ تا ۹۲۴ھ) میں بہت سے نامی گرامی اطباء کو ولایت ایران وخراسان سے طلب کرکے دلی میں جمع کیا۔ کیونکہ اس کو علم طب سے خاص شغف تھا۔ اس کی ان دلچسپیوں کا ہی سبب تھا کہ یہاں کی ویدک پر اس کے عہد میں بھی خاص تحقیقات ہوئی۔ اس کے دربار میں ایک طبیب تھا۔ جس کا نام بہوہ بن خواص خاں تھا۔ بادشاہ نے اس کی استدعا پر حکم دیا کہ حکماء ہند کی کتابوں کا مطالعہ کرکے ایک ایسی کتاب تیار کرے جو خاص وعام کو اس سے نفع پہنچتا رہے۔ مصنف نے لکھا ہے کہ یہ کتاب میں نے ہندی سے فارسی میں ترجمہ کی ہے اور بعض الفاظ جن کے لیے فارسی میں کوئی لفظ نہ تھا۔ ان کو ہندی ہی میں رکھا ہے، لیکن ان کی تشریح نہایت تشفی بخش طریقہ پر کردی ہے۔ بعض اصطلاحیں جو فارسی میں تھیں اور جن کے لیے ہندی میں کوئی الفاظ نہ تھے، تو ان کا ذکر اور تفصیل ہندی میں لکھی ہے۔ یہ کتاب اس نے ۹۱۸ھ میں ایک مقدمہ اور تین باب پر لکھی۔

مقدمہ میں علم طب کی تعریف اور اس کی بزرگی کا بیان ہے۔ پہلا باب مقدمات علاج میں ہے۔ جس کی (۳۲) فصلیں ہیں۔ دوسرا انسان کی پیدائش کی کیفیت اور اس کے اعضاء کی تشریح کے بیان میں ہے۔ جو نو فصلوں پر مبنی ہے۔

تیسرا باب۔ امراض کی علامتوں اور ان کے علاجوں کی تفصیل میں لکھا ہے جو (۷۷) فصلوں پر مشتمل ہے۔ اور پوری کتاب ایک ہزار ایک سو سرسٹھ امراض اور ان کے علاج وادویہ کے ذکر میں ہے اور اس نے اپنی کتاب ششرت، چرک، جاتوکرن، بھوج، باگ بھٹ، ورس رتناکر

سارنگدھر، بنکسین، مادھونداں، چکردشت، کیدت، چنتامن، برندہ وغیرہ
کی کتابوں سے مدد لے کر مرتب کی ہے۔ اس نے اپنی اس کتاب کا نام
اپنے مربی اور بادشاہ کے نام کی مناسبت سے "معدن الشفائے سکندر شاہی"
رکھا۔ مؤلف شاعر بھی تھا۔ چنانچہ اس کے چند اشعار کتاب کے شروع
اور آخر پر موجود ہیں۔ اس کتاب کا ہم نے ایک مطبوعہ اور قلمی نسخہ بھی
دیکھا ہے۔ پہلا نسخہ مطبع نولکشور نے حکیم نیاز علی رئیس جالیسر سے
حاصل کر کے ۱۲۹۴ء میں چھاپا تھا۔ اور دوسرا قلمی نسخہ بڑی اور چوڑی
تقطیع کے (۸۱۰) صفحوں پر مشتمل ہے۔ پنجاب یونیورسٹی کے کتاب خانہ
میں بھی اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ موجود ہے، جو ۱۰۸۲ھ کا مکتوبہ ہے۔

مورخین نے لکھا ہے کہ سکندر لودھی نے ویدوں اور حکیموں کو
جمع کر کے یہ حکم دیا تھا کہ ویدک اور اسلامی طب دونوں کو جمع کر کے ان
کے مضامین کا انتخاب کر کے ایک مجموعہ تیار کرو۔ چنانچہ جب یہ کتاب
تیار ہوئی تو اس نے اس کا نام "طب سکندری" رکھا۔ ویدک کی
ایک کتاب امرگرہا نامی کا سنسکرت سے فارسی میں ترجمہ بھی کرایا تھا[1]

اس کے بعد کی طبی تصانیف اور کارناموں سے متعلق ہماری
تحقیقات ابھی آگے نہیں بڑھ سکیں۔ اور مغلیہ خاندان کی ابتدا تک
فی الحال ہماری نظر سے کوئی اور مواد نہیں گزرا۔

مغلیہ عہد میں اکبری دور طب کے لیے

سلطنت مغلیہ کے بانی کی ساری عمر لڑائیوں میں صرف ہوئی۔ اس لیے اُسے کوئی خصوصیت کے ساتھ رفاہ عام کے کام کاج کرنے کا موقع نہ ملا۔ اس کے بعد ہمایوں بادشاہ

[1] آثار خیر ص ۸۹

کی بھی زندگی اسی طرح پریشانیوں میں گزری۔ مگر اس کے باوجود اس کے عہد کی ایک طبی تالیف کا پتہ چلتا ہے جس کا نام "ریاض الادویہ" تھا۔ یہ مولانا یوسفی نام بزرگ کی مُرتبہ تھی، جس کو انہوں نے ۹۳۶ھ ہجری میں لکھا تھا۔ یہ کتاب مفرد اور مرکب ادویہ کے بیان پر حاوی تھی۔ اس کا ایک نسخہ مرحوم خدا بخش خاں کی لائبریری میں موجود تھا۔

اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ سلاطین اسلام کے درباروں میں یہ لوازم سلطنت اور صحت و سلامتی کی خاطر ضرور طبیب مقرر ہوا کرتے تھے۔ شیر شاہ سوری نے ہمایون کے بعد جب دلی پر قبضہ جمایا تو بہت سے رفاہی کام انجام دیئے، کیا عجب ہے کہ سب سے زیادہ نمایاں کام اس نے ہسپتالوں، طبیبوں اور فن طب سے متعلق کیا ہو، اگر تلاش و تحقیق کا سلسلہ جاری رکھا جائے تو ان سب ادوار کے متعلق کچھ نہ کچھ مواد ضرور ہاتھ آ جائیگا۔ شیر شاہ کے خاندان کے ختم ہونے کے بعد پھر ہمایون نے ہندوستان کی حکومت حاصل کرلی اور اس کے بعد اس کا بیٹا جلال الدین محمد اکبر حکمران ہوا۔ جس کے عہد میں سلطنت مغلیہ نے بہت بڑا عروج حاصل کیا۔ اور شہنشاہ عالمگیر کے عہد تک اس شان و شوکت کی سلطنت تھی جس کی نظیر اس کی ہم عصر سلطنتوں میں ملنی ناممکن تھی۔

جب ہندوستان کی شہنشاہیت کے تاج نے اکبر کے فرق شاہی پر زینت پائی، تو مغلیہ حکومت کو چار چاند لگ گئے۔ اس نے رفاہِ عام کے جو کام انجام دیے اس سے ساری تاریخیں بھری پڑی ہیں۔ اس کا دربار علماء فضلاء کا مرکز تھا۔ بڑے بڑے نامی گرامی اطباء اس کے اردگرد موجود تھے۔ جن میں حکیم مصری، حکیم ابوالفتح گیلانی، حکیم علی گیلانی، حکیم ہمام

حکیم شیخ حسن پانی پتی، حکیم عین الملک شیرازی، حکیم فتح اللہ گیلانی قابل ذکر ہیں۔
حکیم مصری کے متعلق لکھا ہے کہ یہ فرزانۂ روزگار حکیم علوم عقلی میں درجۂ کمال رکھتا تھا۔ بادشاہ نے دکن سے بلا کر پایۂ تخت کے حکما میں شامل کیا تھا۔ ابوالفضل اس کی نسبت لکھتا ہے کہ اگر طب کی ساری کتابیں مفقود ہوجائیں تو یہ حکیم اپنی قوتِ حافظہ کے زور پر ان کو پھر لکھ سکتا ہے[1]۔ اس نے بمقام برہان پور ۸۰ برس کی عمر میں انتقال کیا۔
حکیم ابو الفتح گیلانی کے متعلق لکھا ہے کہ دربار اکبری میں بہت بڑا منصب رکھتا تھا۔ اور (۸۲۰۰) روپیہ ماہوار مقرر تھی جب اس کا انتقال ہوگیا تو خود اکبر بنفسِ نفیس اس کی قبر پر فاتحہ پڑھنے گیا۔ فیضی نے اس کا مرثیہ بھی لکھا ہے اور عرفی شیرازی نے بھی کئی قصیدے لکھے تھے۔ اس نے شرح قانونچہ، قیاسیہ اور چار باغ تصنیف کی اور اپنے تجربات کا ایک مجموعہ بھی مرتب کیا تھا۔ جس کا ایک نسخہ پنجاب یونیورسٹی کے کتاب خانہ میں بھی موجود ہے۔
حکیم علی گیلانی۔ یہ وہ باکمال طبیب تھا جسکی حذاقت اور کارناموں سے آج بھی ایک دنیا متحیر ہے کہتے ہیں کہ جب شروع شروع دربار میں آیا، تو اکبر نے اس کے امتحان کے لیے حکم دیا کہ یہ جس وقت میرے پاس آئے اس کے سامنے مریض، تندرست، گائے اور گدھے کا قارورہ بیک وقت پیش کرو۔ چنانچہ اس کی تعمیل کی گئی۔ حکیم علی نے اپنی دانائی اور حذاقت سے ہر قارورہ کی نہایت صحیح صحیح صراحت کردی۔ جس کی وجہ سے بادشاہ کی نظروں میں اس کی وقعت پیدا ہوگئی۔ یہ طبیب ہونے کے علاوہ

[1] آثار خیر صفحہ ۹۴

بہت بڑا ریاضی داں بھی تھا۔

حکیم علی گیلانی کا عجیب و غریب حوض

کہتے ہیں کہ اس نے ۱۰۰۲ھ میں لاہور میں ایک حوض بنایا تھا۔ جس کا عرض و طول ۲۰ × ۲۰ گز تھا اور جو پانی سے لبریز تھا۔ اور اس حوض میں ایک کشادہ حجرہ تعمیر کیا تھا۔ جس کو چاروں طرف سے پانی گھیرے ہوئے تھا، اور کمرہ کی چھت بالکل پانی کے اندر ڈوبی ہوئی تھی۔ اس کمرہ میں داخل ہونے کے لیے پانی میں غوطہ لگا کر اس کے دروازہ تک پہنچنا پڑتا تھا۔ اور صرف ایک بلند منار اس کے مقام کو پانی سے سر باہر نکالے ہوئے ظاہر کرتا تھا، کہ کمرہ یہاں ہے۔ یہ ایک اعجوبۂ روزگار کمال تھا کہ اس حجرہ کے دروازے بالکل پانی کے اندر ہی کھلے ہوئے تھے اور چاروں طرف سے اور اوپر سے ان کو پانی گھیرے ہوئے تھا اور کیا مجال تھی کہ پانی کا ایک قطرہ بھی کھلے دروازوں کے ذریعے کمرہ کے اندر داخل ہوتا۔ اس حجرہ کے دروازہ میں کھڑے ہو کر ہر شخص اپنے قریب ہی پانی کو دیکھ سکتا تھا، اور متحیر ہوتا تھا کہ حجرہ کا دروازہ کھلا ہے۔ مگر پانی اندر داخل ہونے نہیں پاتا۔ سائنس کے ماہرین اور جاننے والے اس کمال کو سمجھ سکتے ہیں کہ اس نے پانی اور ہوا کی روک اور دباؤ کی قوت کو خصوصی طور پر معلوم کر کے اس قسم کے کمال کا اظہار کیا ہوگا۔ کہتے ہیں کہ اس کے تیار ہونے کے بعد اکبر سے اس حجرہ کے معائنہ کی درخواست کی۔ خود شہنشاہ نے بہ نفس نفیس چل کر اس کے معائنہ پر رضامندی ظاہر فرمائی۔ چنانچہ اس نادر روزگار کمال کو دیکھنے کے لیے مع خدم و حشم حوض پر پہنچا۔ پہلے مقربین کو جا کر اس کے معائنہ کا حکم دیا۔ جو شخص غوطہ لگاتا اُسے یا تو رستہ نہیں ملتا تھا۔ یا بدقت پہنچ سکتا تھا۔ اور بعض

غوطہ کی عادت نہ ہونے کی وجہ سے حبسِ دم کی باعث بہت جلد باہر نکل آتے تھے۔ بالآخر خود بادشاہ نے کپڑے اُتارے اور غوطہ لگایا۔ اور اس کمرہ میں پہنچا۔ جو نہایت وسیع اور آراستہ تھا۔ جس میں روشنی بھی کافی مقدار میں آرہی تھی۔ کمرہ کی وسعت اس قدر تھی کہ اس میں دس بارہ آدمی بسہولت تمام رہ سکتے تھے۔ حکیم علی نے پہلے ہی سے اس مکان کے سارے لوازم مکمل کر رکھے تھے۔ فرش نہایت صفائی کے سجا سجایا تھا۔ ایک طرف کو بستر، سامان اور دیگر اسباب رکھا ہوا نظر پڑا اور اندر کمرہ کے طاقوں میں کتابیں سلیقہ کے ساتھ جمی ہوئی تھیں اور دوسری طرف کو دستر خوان مع لوازم تیار تھا۔ اکبر اس کو دیکھکر بے حد خوش ہوا، اور حیران رہ گیا۔ ان سب چیزوں کے تفصیلی معائنہ کی وجہ سے باہر نکلنے میں کچھ دیر ہو گئی تو سارے مصاحبین اور دوسرے لوگ پریشان ہو گئے کہ آخر کیا بات ہے جو جہاں پناہ کے نکلنے میں اتنی دیر ہو گئی۔ بادشاہ جب باہر نکل آیا تو سب کو اطمینان ہوا، اور اس نے سب لوگوں کے سامنے اس کمرہ کی حقیقت کو کمال کو بیان کیا۔ اکبر نے خوش ہو کر حکیم علی کے اعزاز و مراتب بہت بلند کر دیے۔ میر حیدر علی معمائی نے جب یہ حوض مکمل ہوا، تو اس کی تاریخ تعمیر "حوض حکیم علی" سے نکالی تھی۔

۱۰۰۲ھ

جب حکیم علی جہانگیر کے عہد میں آگرہ پر متعین ہوا تو اس نے بادشاہ کے حسب الحکم ۱۰۱۶ھ میں اسی قسم کا ایک اور حوض بنایا۔ جہانگیر نے اس حوض کے معائنہ کی تفصیل اپنی توزک میں بھی لکھی ہے وہ لکھتا ہے کہ "آج میں حکیم علی کے گھر اس حوض کا تماشہ دیکھنے گیا۔ جیسا کہ اس نے اس سے قبل والد کے عہد میں لاہور میں بنایا تھا۔ یہ ایک شش پہلو اور روشن حجرہ،

جس کا رستہ پانی کے اندر سے ہے۔ اس میں پانی اندر نہیں آ سکتا۔ دس بارہ آدمی بخوبی اس میں بیٹھ سکتے ہیں۔[1]

اس حوض کو دیکھ کر جہانگیر نے حکیم علی کو دو ہزاری منصب پر فائز کیا (جس کی ماہوار بارہ ہزار روپیہ تھی) کہتے ہیں کہ آگرہ میں یہ مقام جمنا کے کنارے اب تک موجود ہے، اور حکیم کے باغ کے نام سے مشہور ہے یہ قصہ بھی لکھا ہے کہ جہانگیر جب قلعہ سے کشتی پر سوار ہو کر اس حوض کو دیکھنے کے لیے نکلا۔ تو اس نے دریا میں اس قدر کیوڑہ بہا دیا تھا کہ کچھ دیر کے لیے سارا دریا کیوڑہ سے معطر ہو گیا تھا۔[1]

ایک دفعہ اکبر اسہال کے عارضہ میں مبتلا ہو گیا تھا تو اس حکیم نے علاج کیا، کوئی فائدہ نہ ہوا، اس لیے بادشاہ اس سے ناراض رہتا تھا۔ ایک دفعہ جب اس کے روبرو حاضر ہوا تو بادشاہ نے کہا کہ کیا ہی افسوس ہے، تو میرے علاج میں بے پروائی کرتا ہے اور مجھے کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ تو حکیم نے عرض کی کہ جہاں پناہ آج میں نے اپنی ساری طبابت ختم کر دی۔ اور انتہائی غور و خوض سے بھی علاج کیا لیکن میری بدقسمتی کہ فائدہ نہیں ہو رہا ہے، دیکھئے ایسی ایسی نایاب و بہترین دوائیں دی ہیں پھر بھی مزاج مبارک کو آرام نہیں ملتا۔ یہ کہنے کے بعد اس نے اپنی جیب سے ایک "پڑیا" نکالی اور پانی کے دو کوزے منگوائے، اور اس دوا کو ان کوزوں کے پانی میں ڈال دیا، جس سے فوراً پانی جم گیا، اور سارے لوگ یہ ماجرا دیکھ کر حیران ہو گئے۔[2]

---

[1] آثار خیر صفحہ ۹۷ [2] مآثر الامراء بضمن تذکرہ حکیم علی گیلانی ۱۲

لکھا ہے کہ یہ حکیم کچھ بدقسمت تھا، اس لیے زیادہ آرام سے نہ گزر سکی علی عادل شاہ کے دربار میں سفیر بنا کر بھی بھیجا گیا تھا[۱]۔ اس نے اپنی ذاتی آمدنی سے ہر سال چھ ہزار رُپے غربا کو طبی امداد بہم پہنچانے کے لیے وقف کر دیے تھے[۲]۔ اس نے اپنی یادگار میں چند کتابیں بھی چھوڑی ہیں۔ قانون کی شرح بھی چار جلدوں میں لکھی اور ایک کتاب "مجربات علی گیلانی" کے نام سے مرتب کی تھی۔

حکیم ہمام۔ بادشاہ کا بڑا زبردست جلیس و انیس تھا، اور شہنشاہ اکبر کو اس سے بے انتہا محبت تھی اور بے حد عزت و وقعت کرتا تھا۔ ایک دفعہ جب اس کو عبداللہ خاں والئ توران کے پاس سفیر بنا کر بھیجا تو اپنے فرمان میں اس کی نسبت یہ الفاظ لکھے کہ

> "افادت و حکمت پناہ، زبدۂ مقربان ہوا خواہ عمدہ محرمان کار آگاہ، یعنی حکیم ہمام کو ہم آپ کی خدمت میں اپنا سفیر بنا کر بھیجتے ہیں۔ یہ ہمارا مخلص راست گفتار و نیک کردار شخص ہے۔ اور جب سے کہ اس نے ملازمت شاہنشاہی کا شرف حاصل کیا ہے اُسے ہم نے ہمیشہ اپنے تقرب کی عزت بخشی ہے اور کسی حالت میں بھی ہمیں اس کی جدائی پسند نہیں رہی۔ اسی لیے ہم نے اس کو یہ مرتبہ دے رکھا ہے کہ وہ بغیر کسی توسط کے، راست ہم سے عرض معروض کیا کرتا ہے۔ آپ بھی اپنی مجلس گرامی میں اس کے ساتھ یہی سلوک روا رکھیں۔ یہ جو کچھ عرض کریگا، اس کو سمجھئے کہ آپ اور ہم بلا واسطہ آپس میں بیٹھے گفتگو کر رہے ہیں[۳]۔"

---

[۱] رشید الدین خانی صفحہ ۲۰۹ [۲] آثر الامراء تذکرہ حکیم علی۔

[۳] آثر الامراء جلد اول صفحہ ۵۶۴ - یہ فرمان دفتر ابوالفضل حصہ اول میں بھی موجود ہے ۱۲

"جب حکیم ہمام ایران میں تھا' تو بادشاہ کو اس کی جدائی بڑی شاق گزرتی تھی' اور کہتا تھا کہ جب سے ہمام چلاگیا ہے ہمیں کھانا پینا اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ اس کے بھائی ابوالفتح گیلانی سے کہتا کہ تمہارا حقیقی بھائی ہونے کے باوجود تم کو اسقدر رنج نہ ہوگا' جتنا کہ مجھے ہے[1]۔"

حکیم شیخ حسن پانی پتی اس کو دربار شاہی سے مقرب خاں کا بھی خطاب عطا ہوا تھا اور عام طور پر لوگ اسے "حسو" کہا کرتے تھے۔ یہ اکبری عہد کا ایسا باکمال جراح تھا کہ اس وقت اسکی کوئی ہمسری نہ کرسکتا تھا۔ شاہی جراح ہونیکے ساتھ ساتھ طبیب بھی تھا۔ صاحب مآثرالامراء نے لکھا ہے کہ خصوصیت سے ہاتھیوں کے علاج میں بڑی شہرت حاصل کی تھی' اور یہ علاج اسی کی نادر وعجیب و غریب ایجاد سے تھا۔ ۱۰۱۰ھ میں اتفاق سے ایک ہرن کے سنگھوں کو بادشاہ سنگوٹیاں چڑھا رہا تھا کہ وہ بدک کر بادشاہ کے ہاتھوں میں سے بھاگ نکلا۔ اور اس بری طریقہ سے بھاگا کہ بادشاہ کے بیضہ کو صدمہ پہنچا' اور ورم کر گیا۔ جس کی وجہ سے چلنا پھرنا اور اٹھنا بیٹھنا دشوار ہوگیا حکیم مصری اور حکیم علی نے علاج میں بہت سر مارا لیکن فائدہ نہ ہوا۔ جب شیخ حسن اور اس کے باپ نے بادشاہ کا علاج کیا' اور ایسی مرہم پٹی کی کہ بہت جلد آرام ہوگیا۔ جس کی وجہ سے بادشاہ بے حد خوش ہوا[2]۔

شیخ حسن مقرب خاں نے "عین الشفاء" کے نام سے ایک کتاب بھی لکھی۔ لکھا ہے کہ یہ کتاب "طب سکندری" وغیرہ کے نسخوں اور بیانوں کا تجربہ کرنے کے بعد میں نے مرتب کی ہے۔ جو پوری میری آزمودہ ہے۔

[1] مآثرالامراء جلد اول ص ۵۶۳

[2] مآثرالامراء جلد سوم ص ۳۷۹ ۔

اس کتاب میں بھی ہندی و یونانی طب کا اچھا امتزاج کیا ہے۔ کل کتاب (۷۰) فصلوں پر مشتمل ہے۔ اور احمد شاہ بادشاہ کے ۱۷ سنہ جلوس میں اس کی نقل یا کتابت عمل میں آئی ہے۔ اور ساری کتاب (۲۳۵) صفحوں پر حاوی ہے۔

حکیم عین الملک تبریزی۔ اس کا نام نورالدین محمد عبداللہ تھا۔ یہ باکمال طبیب دربار اکبری میں بڑی عزت رکھتا تھا۔ فیضی کا شاگرد اور اس کا بھانجا تھا۔ طبیب ہونے کے علاوہ شاعر بھی تھا۔ اور دوائی تخلص کیا کرتا تھا۔ اپنے خلق و مروت کے باعث بڑی شہرت حاصل کی تھی۔ پہلے لاہور پر متعین کیا گیا، بعد میں ابوالمظفر علی عادل شاہ کے دربار میں سفیر بنا کر بھیجا گیا[1] تھا۔ موضع ہانڈیہ میں انتقال کیا۔

اس نے بہت سی کتابیں تالیف کی تھیں۔ الفاظ الادویہ[2]، جامع الاطباء، سبب ستہ رشیدیہ، اور فوائد الانسان ہماری نظر سے گزر چکی ہیں۔ فوائد الانسان پوری منظوم کتاب ہے، اور اس کتاب کا نام اکبر کا ہی رکھا ہوا ہے اس کے متعلق لکھا ہے کہ اس نے یہ کتاب تین سال کے عرصہ میں منظوم کی، اور اس کے بعد بادشاہ سے اس کے نام کے لیے درخواست کی تو بادشاہ کی زبان سے بے اختیار یہ موزوں مصرع نکلا ع

"شدہ اتمش فوائد الانسان"

اس کتاب میں مفرد ادویہ کے افعال و خواص لکھے ہیں، اور آخر پر مرکب نسخے بھی درج کیے ہیں۔

---

[1] تاریخ رشیدالدین خانی صفحہ ۲۰۹ ۱۲ [2] اس کتاب کا ایک نسخہ پنجاب یونیورسٹی کے کتب خانہ میں ہے اور ایک خدا بخش خاں کے بھی کتب خانہ میں تھا۔ "الفاظ ادویہ" کتاب کا تاریخی نام ہے ۱۰۳۸ھ۔ یہ کتاب ادویہ کے ہندی، ترکی، سریانی، رومی، فارسی، عربی وغیرہ زبانوں کے ناموں کی لغت پر مشتمل ہے۔

طب کے سوائے اس نے ایک اور کتاب بھی فیضی کے وہ نشأت جمع کرکے مرتب کی ہے، جو ابوالفضل سے مرتب کرنے میں رہ گئے تھے۔ اور آخر کتاب پر خود اپنے خطوط بھی جمع کر دیئے ہیں۔ یہ ایک تاریخی اور نہایت عمدہ چیز ہے۔ اس مجموعہ سے بھی اکبر کے دور پر کافی روشنی پڑ سکتی ہے۔ (اس کا ایک نسخہ پنجاب یونیورسٹی میں بھی موجود ہے)۔

حکیم فتح اللہ گیلانی۔ یہ طبیب کابل میں متعین کیا گیا تھا طب میں بڑی مہارت حاصل کی تھی، اور اکثر و بیشتر اپنی زندگی ایک طب کے طالبعلم کی حیثیت سے گزاری۔ علم ہیئت میں بھی مہارت پیدا کی تھی۔ "قانون" کا فارسی میں ۱۰۰۲ھ میں ترجمہ کیا تھا۔ جو غالباً چھپ چکا ہے۔

اکبر کے عہد میں مشہور مورخ علامہ شمس الدین محمد شہ زوری کی کتاب "تاریخ حکماء" کا ترجمہ خود بادشاہ کے حسب الحکم ۱۰۱۱ھ میں مقصود علی نامی نے کیا۔ جو حکماء کے حالات میں ایک اچھی اور عمدہ کتاب سمجھی جاتی ہے۔

ابوالفضل نے آئین اکبری میں متذکرہ بالا طبیبوں کے سوا حسب ذیل مشاہیر اطباء کے نام درج کیے ہیں:۔

ملا میر طبیب ہروی، حکیم زنبل بیگ شیرازی، حکیم حسن گیلانی حکیم حسن، حکیم ارسطو، حکیم مسیح الملک شیرازی، حکیم جلال الدین مظفر عربستانی، حکیم لطف اللہ گیلانی، حکیم سیف الملک، حکیم الملک گیلانی، شیخ بینا، حکیم شفائی، حکیم نعمت اللہ، حکیم داوی، حکیم طلب علی، حکیم عبدالرحیم، حکیم روح اللہ، حکیم فخر الدین، حکیم محمد اسحق، مہادیو، بھیم ناتھ، نرائن، شیوجی۔

اکبر نے جہاں بہترین اور چوٹی کے اطباء جمع کر رکھے تھے وہاں رفاہ عام کیلئے

اس نے حکیم ابو الفتح گیلانی کی تجویز کے مطابق ساری سلطنت میں مختلف مقامات پر شفاخانے قایم کر دیئے[1]۔ جن کی تفصیل فی الحال معلوم نہ ہو سکی البتہ دار الخلافت اکبر آباد میں متعدد شفاخانے موجود تھے[2]۔ منشی سیل چند نے بھی اپنی تاریخ آگرہ میں بلا تعین مقامات شفاخانوں کے قیام کے متعلق لکھا ہے کہ بہت سے بیمارخانے بنائے گئے تھے، اور اس فن کو ترقی دینے کی بڑی کوشش کی گئی تھی۔

جہانگیری طب | اکبر کے بعد جب مملکت ہند کا تاج جہانگیر کے زیب سر ہوا تو اس نے جلوس (۱۶۰۵ء) کے ساتھ ہی یہ حکم صادر فرمایا کہ :-

"در شہر ہائے کلاں دار الشفاہا ساختہ اطباء بجہت معالجۂ بیماراں تعین نمایند، و آنچہ صرف و خرچ می شدہ باشد از سرکار خالصہ شریفہ می دادہ باشند"۔

اس عہد کے نامور اطباء میں حکیم روح اللہ کابلی، حکیم علی گیلانی (جس کا ذکر اکبر کے عہد میں آچکا ہے) حکیم رکنا کاشی، حکیم صدرا، حکیم عبد الشکور، علی اکبر، امان اللہ المخاطب خان زمان بن مہابت خان وغیرہ تھے۔

۱۳ جلوس میں جب جہانگیر سخت بیمار ہوا، اور تمام ہندی و مسلمان اطباء علاج سے عاجز آ گئے، تو اس موقع پر حکیم روح اللہ نے شہنشاہ کا بڑا معرکۃ الآراء علاج کیا۔ جس سے بادشاہ کو صحت نصیب ہو گئی۔ بعد صحت جہانگیر نے اس حکیم کے مراتب میں اضافہ فرمایا۔

---

[1] اکبر نامہ جلد سوم صہ ۱۳۱ نولکشور ۱۲ [2] آثار خیر صہ ۹۱ ۱۲

انعام و جاگیر کے سوا، اس کو اس کے ہم وزن سونا مرحمت کیا[1]۔

حکیم عبدالشکور کے متعلق لکھا ہے کہ ۹ سنہ جلوس میں جہانگیر کے سر میں سخت درد اٹھا، کسی علاج معالجہ سے کم نہ ہوا، تمام اطبا تھک گئے، مگر مرض دفع نہ ہو سکا۔ آخر بادشاہ کو اس کے علاج سے صحت نصیب ہوئی۔

حکیم رکنا کاشی، حکیم نظام الدین احمد کاشی کا بیٹا تھا۔ ابتداء میں شاہ عباس فرمانروائے ایران کی سرکار میں ملازم تھا۔ وہاں سے ہندوستان آکر شاہی ملازمت میں داخل ہوا۔ ۲۴ ہزار روپیہ سالانہ تنخواہ پاتا تھا۔

علی اکبر۔ جہانگیر کے عہد کا بڑا باکمال جراح تھا۔ ۱۳ سنہ جلوس میں بادشاہ نے ایک ہزار روپیہ انعام سے سرفراز کیا تھا۔

حکیم صدرا۔ مسیح الزماں نام تھا، اور مسیح اللہی تخلص کیا کرتا تھا، اس کو دربار میں سہ ہزاری، پانسو سوار کا منصب تھا، اور "عرض مکرر" کی خدمت پر فائز تھا۔ یہ خدمت ایسی تھی جس کو سوائے بادشاہ کے معتمد علیہ اور مزاج داں آدمی کے، کوئی دوسرا انجام نہیں دے سکتا تھا[2]۔ ۱۶ سنہ جلوس میں بادشاہ نے سفر حج کے لیے بیس ہزار روپئے مرحمت کیے۔ شاہ جہاں کے عہد میں لاہور میں متعین رہا۔ پھر یہاں سے سورت پر مامور کیا گیا۔ سالانہ پچاس ہزار روپیہ تنخواہ مقرر تھی۔ ایک دفعہ دس ہزار روپے بھی انعام میں مرحمت ہوئے۔

حکیم امان اللہ خاں۔ اس کا خطاب خان زماں تھا۔ یہ جہانگیری عہد کے مشہور سپہ سالار مہابت خاں فیروز جنگ کا لڑکا تھا، اور امانی تخلص کیا کرتا تھا۔ صاحب دیوان گزرا ہے۔ لوگ حیرت کرتے تھے کہ

---

[1] آثار خیر ص۱۰۱ [2] مآثر الامراء جلد اول ص۴۷۶

ایک ایسے باپ کا اس قدر لایق بیٹا کیونکر ہوا، علم وفضل میں بڑی دست گاہ رکھتا تھا۔ اس نے ۱۰۴۲ھ میں وفات پائی اور کسی نے سال وفات "رستم زمانہ مرد" لکھا۔ باپ کے برخلاف نہایت خوبیوں اور عمدہ صفات کا مالک تھا۔ علم وفضل کے ساتھ ساتھ اس کو طب سے بھی بڑی دلچسپی تھی چنانچہ اس نے اپنی یادگار میں "گنج باد آورد" کے نام سے ایک اچھی کتاب چھوڑی ہے[1]۔ ہم نے اس کی یہ تالیف دیکھی ہے جو بادی النظر میں ناقص معلوم ہوتی ہے، کیونکہ شروع صفحہ ہی سے اس کا آغاز "فتح دہم" کی تحت ہوتا ہے۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کتاب بہت ہی ضخیم ہوگی اور ناقص الاول والآخر ہے۔ پھر بھی اس حالت میں اس کے (۶۰۴) صفحے ہیں۔ شروع میں اوزان طبی کی تفصیل ہے۔ اس کے بعد مفرد ادویہ کا لغت ہے۔ آخر پر بلحاظ امراض مفرد ادویہ کے نام لکھے ہیں اور مرکبات کے بھی نسخے ایک علیحدہ باب میں درج کیے ہیں اور اس میں بھی بڑی خوبی یہ ہے کہ مولف نے ہندی ادویہ بھی اس میں شریک کرلی ہیں اور ان کے بھی افعال و خواص درج کیے ہیں۔ اس کے مطالعہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مؤلف نے قطب شاہی عہد کی مشہور طبی تصنیف "میزان الطبایع قطب شاہی" سے فائدہ اٹھایا ہے۔

جہانگیری عہد میں ان اطبا کے بھی نام پڑھنے میں آتے ہیں جو اس دور میں مشہور تھے۔ حکیم ابو القاسم گیلانی، حکیم مومنائی شیرازی حکیم حمید گجراتی، حکیم یاد علی، مقیم بید گجراتی، حکیم تقی گجراتی۔

---

[1] مآثر الامراء جلد دوم صفحہ ۴۰ ۔ ۱۲

طبِ شاہجہانی الطاف میں

ہندوستان کی حکومت نے کچھ آرام و اطمینان حاصل کرنے کے لیے شہزادۂ خورم کو اپنی بادشاہت کیلیے منتخب کیا جو شہاب الدین شاہجہاں کے لقب سے دلی کا نامور اور صاحبِ عظمت و جلال، شہنشاہ گزرا ہے۔ اس کی علمی قدردانیوں اور رفاہِ عامہ سے دلچسپیوں کے باعث سارے مملکتِ ہند میں عجیب رونق اور چہل پہل تھی۔ اس نے اپنے باپ جہانگیر کی "سنت" یعنی شفاخانوں کے رواج کو ترقی دینے کے لیے کوششیں کیں۔ اس کے عہد کے امن و امان میں فنِ طبابت کمال کو پہنچ چکا تھا۔ اطبا کی وہ وہ قدردانیاں کی ہیں کہ آج تک کسی نے اتنی فیاضی نہ دکھلائی ہوگی۔ چنانچہ ملا عبدالحمید لاہوری نے بادشاہ نامہ میں حکیم میر محمد ہاشم کے حالات کی ضمن میں لکھا ہے کہ جب بادشاہ کو حکیم موصوف کے کمالات و علم و فضل کا علم ہوا تو اس نے ان کی بڑی عزت کی، اور خصوصاً ان کی طبی دستگاہ سے وہ بہت متاثر ہوا۔ قدردانی کے طور پر صدارت کی خدمت کے ساتھ ساتھ احمد آباد کی طبابت پر بھی مامور فرمایا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ "احمد آباد" میں بھی ایک بڑا استفاخانہ موجود تھا۔

شاہجہاں نے جامع مسجد کے عقب میں، شمال کی طرف ایک دارالشفاء بنوایا تھا، جس میں فاضل اطبا مقرر تھے اور بیماروں کو دوا ملتی تھی۔ غالباً سن ۱۰۶۰ھ میں تیار ہوا تھا۔[1]

اس بادشاہ کے دربار میں حکیم محمد داؤد تقرب خاں، حکیم ابوالقاسم گیلانی، حکیم مومنائی (جو جہانگیر کے عہد میں بھی تھے) حکیم فتح اللہ، حکیم حاذق

---

[1] آثار صنادید صفحہ ۹۶ باب تیسرا۔ ۱۲

حکیم خوش حال، حکیم جلالائے کاشی، جگ جیون جراح عارف جراح، مامون جراح سید عبداللہ خاں فیروز جنگ وغیرہ موجود تھے۔ ان میں سے چند کے مختصر حالات ہم پیش کرتے ہیں۔

تقرب خاں کے متعلق لکھا ہے کہ جب یہ حکیم پہلی دفعہ دربار شاہجہانی میں حاضر ہوا، تو بادشاہ نے بیس ہزار روپے مرحمت کیے اور منصب ہزاری سے سرفراز کیا۔ اتفاق سے ملکتہ الزمانی کے کپڑوں میں آگ لگ گئی۔ جس سے شہزادی کا جسم جل گیا۔ بادشاہ اس رنج و الم کے واقعہ سے بے حد متاثر رہا۔ اور خود ہی تیمار داری کیا کرتا تھا۔ پہلے تین دن تک تو تصدقاً پانچ ہزار اشرفیاں اور پانچ ہزار روپے محتاجوں کو مرحمت کیے اور جب تک صحت نصیب نہ ہوئی ہر روز ایک ہزار روپے بخشش کیے جاتے تھے۔ تقریباً سال بھر میں تین لاکھ ساٹھ ہزار روپے صرف محتاجوں پر بطور تصدق تقسیم کیے اور اس کے علاوہ (۷) لاکھ روپے کہیں سے وصول طلب تھے۔ وہ معاف فرما دیے۔ اس بات پر غور فرمایئے کہ بادشاہ کو اس کی صحت کس قدر عزیز نہ ہوگی۔ چنانچہ بڑے بڑے حکما وقت نے علاج کیا۔ کوئی خاطر خواہ فائدہ نہ ہوا۔ شہزادی کی آنکھیں جل جانے کی وجہ سے ورم کر گئی تھیں، بخار رہا کرتا تھا، اور بے حد جسمانی تکلیف میں مبتلا تھی۔ ایسے موقع پر حکیم تقرب خاں نے علاج کیا۔ اور خدا کے فضل سے شہزادی کو آرام نصیب ہو گیا۔ شاہ جہاں انتہا سے زیادہ خوش ہوا۔ اور تقرب خاں کو جشن صحت میں اس کے ہزاری منصب میں دو سو سواروں کا اضافہ فرمایا۔ اور بڑے بڑے شاہانہ عطیے سرفراز فرمائے اور حکم دیا کہ ایک سال تک جمعہ کے دن جو پیشکش بھی وصول ہو وہ حکیم تقرب خاں کو دے دیا جایا کرے۔

حکیم موصوف نے ایک اور نازک زین موقع پر اکبرآبادی محل کا علاج کیا، اور اپنے فن کے بہت بڑے کمال کا اظہار کیا۔ جس سے بادشاہ نے خوش ہوکر چار ہزاری منصب سے مفتخر کیا۔

خود شاہجہاں بادشاہ کو ایک دفعہ "حبس بول" کی شکایت ہوگئی تھی۔ علاج کے بعد اس کی بجائے "سلس البول" اور قبض پیدا ہوگیا۔ بہتوں نے علاج کیا، لیکن افاقہ نہ ہوسکا۔ جب تقرب خان نے معالجہ شروع کیا، اور نسخہ میں "شیرخشت" شریک کیا، تو بادشاہ کو بے حد آرام ہوگیا۔ اس کے صلہ میں شاہ جہاں نے حکیم کے مراتب میں اور اضافہ کرکے پنجہزاری منصب پر فائز فرما دیا[1]۔

جگ جیون جراح عہد شاہجہانی کا ایک بے نظیر جراح سمجھا جاتا تھا اس کے علاوہ اور دو جراح بھی مشہور تھے۔ جن کا نام عارف و ہامون تھا۔ اول الذکر کو بادشاہ نے سات ہزار روپے مرحمت کیے تھے، اور دوسرے کو اس کے ہم وزن روپیہ سرفراز کیا تھا۔

سید عبداللہ خاں فیروز جنگ۔ یہ شاہ جہاں کے عہد کے مشہور امراء میں سے تھا اور اکثر مہموں میں بھیجا جاتا تھا۔ اور وہاں سے فتح وفیروزی کے ساتھ مراجعت کرتا، بادشاہ کے دربار میں اس کا بہت اعزاز تھا۔ اس نے "فرس نامہ" کے نام سے ایک خاص کتاب لکھی ہے۔ سبب تالیف میں لکھتا ہے کہ

میں نے بادشاہ شاہجہاں کے حکم سے رانائے چتور امر سنگھ پر فوج کشی کی اور سلطان کے اقبال سے ایسے مغرور راجہ پر فتح پائی اس فتح میں جو مال

---

[1] مآثر الامراء جلد اول صفحہ ۴۹۰ ۱۲

غنیمت ہاتھ لگا اس میں کتابوں کے چند صندوق میرے ہاتھ لگے، جن میں ہندی کتب کا کافی ذخیرہ موجود تھا۔ ان کتابوں میں ایک کتاب "سالوتر" بھی موجود تھی۔ تو میں نے اس کو اس قدر اہم پایا کہ اس کا فارسی میں ترجمہ کردیا۔ اور یہ کتاب مرتب کی۔ اس میں لکھا ہے کہ شاہ جہاں کے طویلہ میں اس کے صرف خاص کے گھوڑے صرف بارہ ہزار تھے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے ایک اور اہم کتاب کا پتہ چلتا ہے وہ لکھتا ہے کہ

سلطان مظفر شاہ گجراتی

نے "سہس کرت" نامی ایک کتاب کا ترجمہ خود کیا تھا، یا کسی سے کرایا تھا۔ ہم نے اس کتاب سالوتر کے متعدد نسخے دیکھے ہیں۔

شاہ جہاں کے عہد میں فنِ طب کو بہت بڑا عروج حاصل تھا۔ ادھر اہلِ فن، الگ اپنے اپنے کمالات کے اظہار میں مصروف تھے تو خود دربار کے امراء نے بھی اس سے گہری دلچسپی لی، اور خود تالیف و تصنیف کی کی صورت میں اپنی یادگاریں چھوڑیں، لیکن ان سب باتوں سے زیادہ قابلِ قدر یہ چیز ہے کہ بادشاہ کا سب سے بڑا لڑکا اور ولی عہد سلطنت دارا شکوہ جہاں بہت سے علوم و فنون کا دلدادہ تھا، اس فنِ طب سے خاص شغف رکھتا اس نے بھی اپنے اِرد گِرد، اچھے اطباء جمع کر رکھے تھے اور خود اس فن میں مہارت تامہ حاصل کی تھی اور معلوم ہوتا ہے کہ اس شہزادہ کے لیے فن طب کی کتابوں کا بہت بڑا اور بہترین ذخیرہ مہیا کیا گیا تھا۔ اس کے دربار کے ایک طبیب نے شہزادہ کی یادگار میں "طب دارا شکوہی" کے نام سے ایک عظیم الشان اور بے مثل مجموعہ مرتب کیا تھا۔ مگر افسوس ہے کہ ہماری نظر سے فی الحال اس کا مکمل نسخہ نہیں گزرا۔

جو نسخہ پیشِ نظر ہے، وہ گفتارِ ششم سے شروع ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے پیشتر سات مقالے اس کے اور ہونگے۔ اس میں بھی یونانی اور ہندی طب کو ممتزج کر دیا ہے۔ خود مؤلف کے تجربات ہیں، اور نسخوں کی اہمیت و معالجات کی تفصیلی تاریخ اور ان کے تجربہ کے حالات بھی درج کیے ہیں۔ جس سے اس کتاب کی اہمیت دوسری کتابوں کی بہ نسبت ایک خاص ممتاز حیثیت رکھتی ہے۔ چنانچہ آنکھوں کے علاج کے سلسلہ میں ایک جگہ لکھتا ہے کہ ۱۰۴۲ء میں جب قلعۂ دولت آباد و ملک دکن کو حضرت صاحبقران ثانی شاہجہاں بادشاہ نے فتح کیا، اور یہاں قیام فرما رہے، تو بادشاہ کو خاص طور پر ایک شخص نے یہ روغن کا نسخہ بتایا تھا۔ جس کا حضرت بادشاہ سلامت نے تجربہ بھی فرمایا تھا۔ اس وقت سے اب جبکہ میں ۱۰۵۶ء میں یہ مجموعہ مرتب کر رہا ہوں، وہ نسخہ مجھے بھی فرطِ عنایاتِ بادشاہی سے سرفراز ہوا ہے، اور میرے کامل تجربہ میں آچکا ہے۔ میں نے جس کسی کا اس نسخہ سے علاج کیا خدا کے فضل سے ہر جگہ کامیابی نصیب ہوئی۔

گفتارِ ہشتم جہاں سے کہ پیش نظر نسخہ شروع ہوتا ہے۔ یہ استحمام، فصد، حجامت، داغ، اور جونک لگانے کے بیان پر مشتمل ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مجموعہ مُصوّر تیار کیا گیا تھا۔ اس آٹھویں باب میں مقاماتِ حجامت کو دکھلانے کے لیے نہایت عمدہ تین انسانی تصویریں دی ہیں، اور ان میں مقامات کی نہایت عمدگی سے تشریح کی ہے۔ اور لکھا ہے کہ فلاں فلاں مقام پر حجامت سے فلاں فلاں مرض کو فائدہ ہو گا۔

یہ مجموعہ جو ناقص الاول و الآخر ہے۔ بہت بڑی تقطیع کے (۴۵۳) صفحوں پر حاوی ہے۔ کاش اس کا مکمل نسخہ دستیاب ہو جائے۔ تو اس

کتاب پر تفصیل کے ساتھ روشنی پڑ سکیگی۔ صفحہ ۳۶۴ کی ایک عبارت سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ ممکن ہے، اس مجموعہ کے مرتب کا نام نورالدین محمدؒ ہو۔ شاید اسی کا خطاب حکیم صدرا مسیح الزماں ہے، جو حکیم فخرالدین محمد شیرازی کا بیٹا تھا۔ ہم کسی اور موقع پر اس کی کامل تحقیقات کرینگے۔

طب کی عالمگیری سیادت اورنگ زیب جیسے خدا ترس اور ہمدرد انسان بادشاہ کو اس ضروری امر کی طرف توجہ نہ ہوتی تو بڑا تعجب تھا۔ اس نے اپنے "آباءِ اولینؒ" کے نقشِ قدم پر طب اور اطباء دونوں کی سرپرستی میں وہی شاہانہ روایات برقرار رہی نہیں رکھیں۔ بلکہ ان میں معتدبہ اضافہ کیا۔

عالمگیر کے عہد میں خاص شہر دہلی کے سوا ممالک محروسہ مغلیہ کے سارے بڑے بڑے شہروں میں اعلیٰ درجہ کے شفا خانے موجود تھے۔ شہر سورت میں بھی ایک شفا خانہ تھا۔ جب اس شفا خانہ کے افسرالاطباء کی جائیداد خالی ہوئی، تو سید سعداللہ نامی ایک بزرگ نے، جو سورت ہی کے رہنے والے تھے اور جنھیں بادشاہ کے مزاج میں رسوخ حاصل تھا، اس عہدہ کے لیے حکیم اشرف کے لڑکے کی سفارش کی۔ تو بادشاہ کو یہ بات ناگوار گزری، مگر سیدِ موصوف کی خاطر ان کی اس سفارش کو قبول کرلیا۔ اور آئندہ کے لیے اس قسم کی سفارش کی ممانعت کردی۔ رقعات عالمگیری اور منتخب اللباب نے اس واقعہ کو لکھا ہے۔

اورنگ زیب کے عہد تک شفا خانوں کا اس قدر رواج ہو چلا تھا کہ شاہی ہاسپتالوں کے سوا بہت سے اُمراء نے خود اپنے ذاتی صرفہ سے کئی شفا خانے جاری کر رکھے تھے۔ چنانچہ اس عہد میں اٹاوہ کے فوجدار نواب خیراندیش خان کنبوہ نے اپنے علاقہ میں ایک شفا خانہ قائم کیا تھا اس میں

ہندو مسلمان یونانی و وید دونوں شامل تھے ۔ اس دواخانے کے اطباء میں مرزا محمد علی بخاری، حکیم محمد عادل، حکیم محمد اعظم، حکیم عبدالرزاق بیتاپوری، حکیم عبدالمجید صفاہانی، کنول نین، سکھانند، اور نین سکھ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ اور غریبوں کے لیے مفت علاج معالجہ کا انتظام تھا۔ لکھا ہے کہ خود نواب خیر اندیش خاں طب میں بڑی دستگاہ رکھتے تھے اور "خیر التجارب" کے نام سے ایک کتاب یادگار چھوڑی[15]۔ اپنی اس کتاب کے دیباچہ میں وہ یہ لکھتے ہیں :—

"اما بعد ایں قلیل البضاعت کثیر العصیان مسمّی بہ محمد خاں مخاطب بہ خیر اندیش خاں کہ برائے اکتساب صوابِ اُخروی در بلدہ اٹاوہ دار الشفاء بنا ساختہ اکثر اطباء یونانی (ان حکماء کے نام ہم نے اوپر ہی لکھ دیے ہیں) و مشیرانِ ہندی کہ رفیق قدیم ایں احقر اند ۔ مامور ساخت تا دواہائے قیمتی و سہل البیع از ہر اقسام معہ غذاہائے ناحتاج برائے مساکین و غربا مہیا دارند، و لوازمات معالجات و بیمارداری باعنوان شایستہ تبقدیم رسانند، چنانچہ بفضلِ الٰہی، حسب دلخواہ کارخانہ جاری است۔"

اورنگ زیبی عہد میں مشاہیر حکماء میں حکیم صادق خاں، حکیم الملک محمد مہدی حکیم محمد امین عالمگیری، حکیم محمد اکبر ارزانی وغیرہ موجود تھے ۔

ان میں حکیم الملک محمد مہدی کو دربار شاہی میں بڑا رتبہ حاصل تھا۔ انہوں نے شہزادہ محمد اعظم کے مرض استسقاء کا بڑا معرکۃ الآراء علاج کیا تھا۔ کہتے ہیں کہ شہزادہ کا جسم اس مرض کی وجہ سے اس قدر متورم تھا کہ چودہ گرہ کی بھی آستین اس کے ہاتھ پر تنگ ہوتی تھی۔ اور پائجامہ کے پائنچے کا دور ایک گز چھ گرہ بھی کافی نہ ہوتا تھا اس سے اُس شاہزادہ کے مرض کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ

[15] آثار خیر صـ۹۳ ۱۲

کس قدر نازک اور ابتر حالت ہو چکی ہوگی۔ بادشاہ کو شہزادہ سے بے انتہا محبت تھی، روزانہ اس کے دیکھنے کے لیے آیا کرتا تھا۔ زیب النسا بیگم جو اس کی حقیقی بہن تھی، اس کے لیے پرہیزی غذاؤں کا انتظام کیا کرتی تھی اور خود بھی اس کی خاطر پرہیزی غذائیں کھاتی تھیں۔ سارے اطبا شہزادہ کے علاج سے عاجز آ گئے تھے۔ جب حکیم الملک نے معالجہ شروع کیا، تو پروردگارِ عالم نے اپنے فضل سے اس کے علاج کی وجہ سے شفا بخشی، اور شہزادہ صحت یاب ہو گیا۔ بادشاہ کو بے اندازہ مسرت ہوئی، اور حکیم موصوف کو چار ہزاری منصب سے مفتخر فرمایا۔[1]

صاحبِ مآثرِ عالمگیری نے اس علالت سے متعلق ایک قصہ یہ بھی لکھا ہے جس کو خود اس نے، شہزادہ کی زبان سے سُنا، جب کہ وہ اپنے پدر بزرگوار یعنی عالمگیر بادشاہ سے عرض کر رہا تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ شہزادہ نے کہا کہ ایک دن مرض کی شدت انتہا کو پہنچ چکی تھی اور تمام لوگ مایوس ہو کر رونے لگے تھے اور سب لوگوں کو یہ گمان ہو چکا تھا کہ میرا جسم عنقریب ترک جائیگا اسی دن مجھے نیند اور بیداری کے عالم میں میرے پاس ایک پیر نورانی تشریف لائے، اور مجھے ہدایت فرمائی کہ تو توبۂ نصوح کر انشاء اللہ تعالیٰ شفا ہو جائیگی۔ چنانچہ میں نے توبہ کی، اور غفلت کے بعد جب بیدار ہوا تو پیشاب کی ضرورت محسوس ہوئی اور اس قدر آیا کہ دو بڑے بڑے طشت بھر گئے۔

ایک دفعہ جب خود شہنشاہ عالمگیر ۱۱۱۶ھ میں بیمار رہا تو حکیم الملک نے بادشاہ کا علاج کیا۔ جب صحت نصیب ہوئی تو حکیم موصوف کو اس کے

[1] آثار الامراء جلد اول ص ۵۶۹ ۱۲

ہم وزن اشرفیاں مرحمت فرمائیں، اور اسی موقع پر حکیم الملک کا خطاب دیا۔[1]

حکیم محمد اکبر عرف محمد ارزانی۔ حاجی محمد مقیم کے صاحبزادے تھے یہ وہی مشہور و معروف طبیب ہیں جن کی تصانیف سے میزان الطب، طب اکبر قرابادین قادری، حدود الامراض، مجربات اکبری وغیرہ جیسی مقبول عام متعدد کتابیں ہیں جو آج تک سارے ہندوستان کے طبی مدارس میں شریک درس ہوتی چلی آئی ہیں۔ اور نہایت معتبر درجہ رکھتی ہیں۔ ان کتابوں کی مقبولیت سے مصنف کے علم و فضل کا اندازہ ہوسکتا ہے کہ انہوں نے کس قدر عمدہ کتابیں یادگار چھوڑی ہیں جو بہت سی بڑی بڑی کتابوں سے ابتدائی اور متوسط آدمی کو بھی بے نیاز کر دیتی ہیں۔ طب اکبر کے دیباچہ میں انھوں نے (جو ۱۱۲۱ھ کی تالیف ہے) لکھا ہے کہ میں نے یہ کتاب عالمگیر بادشاہ غازی کے دکن فتح کرکے واپس دار السلطنت آنے کے بعد ختم کی ہے۔

ان کی ایک اور خاص کتاب سے بہت کم لوگ واقف ہونگے۔ انھوں نے بھی "طب ہندی" کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔ جو ہندی ادویہ سے متعلق قابل قدر کتاب ہے۔ ان کے بھائی محمد اصغر بھی طبیب تھے، لیکن بڑے بھائی کے مقابلہ میں ان کو شہرت نصیب نہ ہوسکی۔ "مجربات اکملی" کے نام سے ایک تالیف بھی یادگار چھوڑی۔

عالمگیری دور کی اور دو کتابیں ہماری نظر سے گزریں ایک کا نام تحفۃ الاطباء ہے، جس کا مؤلف حکیم شیخ احمد قنوجی ہے۔

مؤلف نے لکھا ہے کہ اس نے یہ کتاب کسی کتاب سے منظوم ترجمہ کی ہے، لیکن اس قدر اضافے کیے ہیں کہ اصل کتاب میں اور اس میں

[1] آثار رحیمی صفحہ ۱۰۵ ۱۲

مطابقت ہوتی مشکل ہے۔
دیباچہ کے شروع میں اورنگ زیب کی گولکنڈہ پر چڑھائی، اور سلطان ابوالحسن تانا شاہ کی قید کا سرسری طور پر ذکر بھی کیا ہے، حسب معمول طبی لغت منظوم ہے، اور بعد میں مرکبات درج ہیں۔ پھر امراض اور ان کے معالجات وغیرہ غرض طب کی ہر شاخ پر مصنف نے معلومات پیش کرنے کی کوشش کی ہے، اور ساری کتاب منظوم ہے۔ بڑی تقطیع کے قریباً تین سو صفحات پر مشتمل ہے۔ اور کئی بڑے بڑے ابواب پر حاوی ہے۔
اس نے دیوانہ کتے کے زہر کے علاج میں فصد کھلوانے کی رائے دیتے ہوئے ایک قصہ لکھا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ شاہی خواجہ سرا (بختاور) نے مجھ سے بیان کیا کہ دربار شاہی میں داخل ہونے سے پہلے ہم تین شخص ایک جگہ رہا کرتے تھے اتفاق سے ہم تینوں کو ایک دیوانہ کتے نے کاٹ کھایا، ہم میں سے ایک تو مر گیا، اور دوسرا سخت مریض رہا، اور میں نے فوراً ایک فصد لگانے والے کے پاس جا کر فصد کھلوائی، اور اس کے بعد ضماد اور دوسری دوائیں لگاتا رہا، جب تک زخم ہرا رہا، اس سے رطوبت برابر جاری رہتی تھی، اور اس اثنا میں میری دماغی حالت درست نہ تھی، اور ہر وقت کتے کی سی آوازیں لگانے کو جی چاہتا تھا، جب زخم بھر گئے تو میں بہت جلد اچھا ہو گیا، اور جان سے بچ گیا۔ اور یہ زندگی مجھے فصد کھلوانے کی وجہ سے نصیب ہوئی۔ ورنہ میں بھی اپنے ساتھی کی طرح مر جاتا۔
دوسری کتاب "ریاض عالمگیری" کے نام سے دیکھی گئی، جس کا مؤلف محمد رضا شیرازی ہے۔ اس نے بڑی محنت اور تفصیل سے یہ کتاب لکھ کر شہنشاہ اورنگ زیب کے نذر کی۔ جو دو حصوں پر مشتمل ہے۔ حصۂ دوم کا نام

"ریاضِ مناظر" لکھا ہے ۔ غالباً یہ کتاب ۱۰۸۴ھ میں لکھی گئی ہے ۔
شہنشاہ اورنگ زیب کے عہد میں ہی وہ مشہور و معروف ڈاکٹر بھی تھا، جس کا نام " برنیر" ہے اس نے اپنا ایک سفرنامہ بھی لکھا ہے ۔ جس کا اردو ترجمہ شایع ہو چکا ہے ۔ اُسے دربارِ شاہی سے ماہانہ تین سو روپیہ ماہوار مقرر تھے یہ شاہ جہاں کے اواخر عہد میں ہندوستان آیا تھا۔ کچھ دن اس کی ملازمت میں بھی گزارے ۔ بعد میں نواب دانشمند خاں کے ملازمت میں چلا گیا۔ اور آٹھ برس تک سلطنت مغلیہ کا نمکخوار رہا ۔

محمد شاہی دارالصحت | فردوس آرام گاہ محمد شاہ کے عہد تک دلّی میں ایک بڑا شفاخانہ قایم تھا اور اس کے سوا چھوٹے چھوٹے دیگر شفاخانے بھی موجود تھے اس جنرل ہاسپتال کے مہتمم حکیم قوام الدین خاں تھے ۔ اس دارالشفاء کا خرچ سالانہ تین لاکھ روپیہ مقرر[1] تھا۔ اس بادشاہ کے دَور میں بھی کئی نامی گرامی طبیب تھے، جن میں حکیم غلام علی خاں اور معتمد الملوک حکیم علوی خاں چوٹی کے اطباء شمار کیے جاتے تھے ۔ علوی خاں کا نام تو آج تک بھی زندہ چلا آتا ہے ۔ اور کون ہے جو اُن کی حذاقت کے کارناموں سے واقف نہیں ۔ ان کا ایک قصہ بڑا شہرۂ آفاق ہے ۔

علوی خاں کا اعجاز | کہتے ہیں کہ جب نادر شاہ نے دلّی کی لوٹ و غارتگری کے بعد دیارِ ایران کا قصد کیا، تو یہاں کے اہلِ کمال کو بھی چُن چُن کر ہمراہ لے لیا ۔ ان میں حکیم علوی خاں بھی " دست بستہ دگرے " چلے جارہے تھے کسی ایک منزل پر پہنچ کر حکیم علوی خاں کو نادر نے بلایا ۔ اور کہا کہ " میں مریض ہوں علاج کرو، مگر شرط یہ ہے کہ میں کوئی دوا پیونگا، نہ کوئی بیرونی طور پر

[1] المشاہیر صفحہ ۲۳۹ ۔ ۱۲

ضماد وغیرہ لگاؤنگا، حتیٰ کہ نبض اور قارورہ تک نہ دکھاؤنگا۔ ان سب باتوں کے باوجود ہمیں صحت ہوجانی چاہیئے ورنہ تمہارے ساتھ تدارک مناسب کیا جائیگا۔

حکیم صاحب اس حکمِ نادری کو سُنکر کچھ مضطرب ہوگئے۔ مگر خداداد عقل وذہن پایا تھا۔ کسی مناسب تدبیر کی دُھن میں لگ گئے۔ اور عرض کی کہ انشاءاللہ ایسا ہی ہوگا۔ دربار سے برخاست ہونے کے قبل بادشاہ کے چہرہ پر ایک غائر نظر ڈالی تو دیکھا کہ آنکھیں سُرخ ہیں، چہرہ پر یبوست و بدمزاجی کی کیفیت پیدا ہے۔ اس روز گرمی کی بھی شدت تھی۔ حکیم صاحب نے صرف ان معمولی علامتوں ہی سے تاڑ لیا کہ اس وقت بادشاہ کو دردِ سر لاحق ہے، عرض کی کہ اجازت ہو تو گھر جاکر علاج کے لیے غور وفکر کرتا ہوں۔ اور نماز ظہر کے بعد بارگاہِ عالی میں حاضر ہونگا۔ حکیم صاحب نے دربار سے آکر نماز ادا کی اور خدمت گار کو حکم دیا کہ "سدا گلاب" کا ایک پنکھا تیار کرو۔ اور اسے عطرِ خس میں معطر کرو۔ جب یہ تیار ہوگیا، تو خود علوی خاں اس کو دربار میں لے کر نادرشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کی کہ علاج کی فکر کر رہا ہوں، پنکھا مجھے نہایت اچھا جھلنا آتا ہے۔ اگر حکم ہو تو خدمت سلطانی بجالاؤں۔ اجازت ملنے پر حکیم صاحب پنکھا جھلنے لگے۔ پھولوں کی خوشبو بادشاہ کے دماغ میں پہنچی اور عطر کے قطرہ غیر محسوس طریقہ پر چہرہ اور پیشانی پر ٹپک پڑے، جس کی وجہ سے روح اور قلب کو فرحت پہنچی۔ اور نادرشاہ پر اس پنکھے کی خوشبودار ہوا کی وجہ سے غنودگی کے آثار طاری ہوگئے۔ یہاں تک کہ وہ نہایت غفلت کے ساتھ سوگیا۔ ادھر علوی خاں نے جب بادشاہ کو سوتا پایا تو اپنے خیمہ میں واپس چلے آئے۔ جب نادرشاہ سوکر اٹھا تو درد کا مطلق اثر نہ تھا۔ علوی خاں کو بلاکر ان کی دانائی کی تعریف کی اور کہا کہ جو چاہے مانگ؟

حکیم صاحب نے پہلے تو ایفائے عہد کا پیمان لیا، اور بعد کو عرض کی کہ "غلام
کی صرف اس قدر آرزو ہے کہ اس کو دلی کو واپس جانے کی اجازت
مل جائے۔" نادر شاہ یہ سُنکر بے حد متأسف ہوا، اور کہا افسوس ہے کہ تجھ سا
طبیب اس حیلہ سے مجھ سے جُدا ہوتا ہے۔ الغرض نہایت اعزاز و اکرام کے
ساتھ واپسی کا حکم دیا۔ اور حکیم صاحب ایک ظالم کے پنجہ سے چھوٹ کر
خوشی خوشی دلی چلے آئے۔ (ہائے رے حب الوطن)

حکیم صاحب نے کتاب النباتات عربی میں، جامع الجوامع، خلاصۃ التجارب،
مطب علوی خاں وغیرہ فارسی میں اپنی یادگار چھوڑی ہیں۔ انہوں نے جب
"تحفۂ محمد شاہی" لکھ کر محمد شاہ کے نذر کی، تو بادشاہ نے ایک مروارید کا مالا
سرپیچ مع شمشیر ولائتی، خلعت اکیس پارچہ اور ساٹھ ہزار رُپے نقد مرحمت
کیے۔ سنہ ۱۱۶۰ھ میں انتقال کیا "طبابت از جہاں رفت" تاریخ وفات کا
مادہ ہے۔

احمد شاہ بادشاہ دہلی کے عہد میں حکیم امام الدین خان مشاہیر اطباء
سے تھے، ان کو دربار شاہی میں پانصدی ذات کا منصب تھا۔ اور
عالمگیر ثانی کے عہد میں حکیم الملک کے خطاب سے بھی سرفراز ہوئے تھے۔

احمد شاہ کے عہد میں ایک سریانی کتاب کا ترجمہ

اس بادشاہ کے عہد میں حکیم سکندر نامی ایک شخص نے ایک خاص کتاب لکھی اور اس کا نام
"قرابادین حکیم سکندر" رکھا۔ اس نے سنہ ۱۱۶۰ھ میں ہی اس کو لکھنا شروع
کیا تھا۔ لیکن احمد شاہ بادشاہ کے اوائل عہد میں (سنہ ۱۱۶۲ھ میں) مکمل ہوئی۔
مؤلف لکھتا ہے کہ میں نے اپنی شبانہ روز کی محنتوں، اور (۲۵۰)
کتابوں کے مطالعہ کے بعد یہ کتاب جس محنت و جانفشانی سے لکھی ہے

اُسے میرا ہی دل جانتا ہے۔ اس نے یہ کتاب کلیۃً سریانی زبان کی کتابوں کے مطالعہ کے بعد مرتب کی ہے اور ان کا ترجمہ کیا ہے۔ امراض اور ادویہ کے سریانی نام ہی برقرار رکھے ہیں۔ عربی میں جو سریانی کتابیں مثلاً قانون اسکندریہ، جامع قوانین معالجات وغیرہ ترجمہ ہوئی تھیں ان سے بھی پورا پورا استفادہ کیا ہے۔ پہلا باب قرابادین سریانی سے نقل کیا ہے۔ جو مرکب عرقوں اور ان کی ترکیبوں اور نسخوں پر مشتمل ہے اس کے ساتھ ساتھ "سنرکے" اور شربتوں کا بھی بیان لکھا ہے۔ ساری کتاب کے سریانی ناموں کی آخر پر فرہنگ دی ہے، اور ساتھ ہی ان کے مروجہ یونانی وطبی اصطلاحی نام بھی لکھ دیے ہیں۔ مثلاً "اکواسیل" کا مترادف یا ترجمہ "ماء العسل" لکھا ہے۔ آخر پر "ایسیتینس" یعنی "روح" بنانے کی ترکیبیں بھی تفصیل سے لکھی ہیں۔ ہم نے اس کے دو قلمی نسخے دیکھے ہیں، جو ناقص سے ہیں۔

ابوالمظفر جلال الدین عالی گوہر شاہ عالم ثانی (۱۲۲۱-۱۱۷۳ھ) کے عہد میں حکیم سلامت علی خاں النخاطب حکیم حذاقت خاں، حکیم شریف خاں، حکیم راضی خاں مشاہیر اطبا سے تھے، اور ان سب کا دربار شاہی سے تعلق تھا۔

شاہ عالم ثانی کے عہد میں حکیم شریف خاں کی طبی مساعی

حکیم شریف خاں، بڑے نامی گرامی طبیب تھے، اور صاحب علم وفضل، انہوں نے فن طبابت میں ید طولیٰ حاصل کیا تھا، اور کثیر التصانیف مؤلف ہیں۔ اسرار العلاج، عجالۂ نافعہ علاج الامراض، تالیف شریفی، رسالہ تحفۂ عالم شاہی، خواص الجواہر ہماری نظر سے گزری ہیں۔ تالیف شریفی میں انہوں نے خاص طور پر "ہندی ادویہ"

کے متعلق فنی وطبی معلومات اکٹھے کیے ہیں۔ اور رسالۂ تحفۂ عالم شاہی ہیں، فواکہ واغذیہ ہندیہ کے خواص، ہندی کتابوں، اور خود اپنی ذاتی تحقیق و تجربہ کی بنا پر لکھے ہیں۔ جہاں کہیں جس چیز کے متعلق کچھ لکھا ہے وہاں اپنے تجربہ کی ساری باتیں بیان کی ہیں۔ ہر ایک چیز بڑی عمدگی اور تشریح کے ساتھ لکھی ہے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ صرف غذاؤں ہی کے خاص طریقہ پر استعمال کرانے سے مرض بہت جلد دفع ہو سکتا ہے اور اسی نظریہ کی تحت یہ رسالہ مرتب کیا ہے۔ جو نہایت اچھا اور خاص چیز ہے۔ یہ کتاب جو ہمارے پیشِ نظر ہے، خود ان ہی کی زندگی کی لکھی ہوئی ہے۔

"مختصر رسالۂ خواص الجواہر" بھی ایک عمدہ تالیف ہے، انہوں نے دیباچہ میں لکھا ہے کہ میں ایک دن شاہِ عالم کے دربار میں حاضر تھا، تو بادشاہ نے مجھے جواہر کے افعال و خواص مرتب کرنے کا حکم دیا۔ میں نے ارشاد خسروی کی حسبِ تعمیل کی، اور یہ رسالہ لکھا۔ وہ لکھتے ہیں کہ میں نے اس سے پہلے "خواص الجواہر" کے نام سے ایک تفصیلی رسالہ لکھا ہے، یہ اس کا ایک مختصر انتخاب ہے۔ اور اس کا نام بھی شاہِ موصوف ہی کے نام پر رکھا ہے۔

ہمایوں بادشاہ کا زمرد کے خواص دریافت کرنا۔

زمرد کی تعریف اور اس کے خواص بیان کرتے ہوئے ایک خاص تاریخی چیز یہ لکھی ہے کہ:-

"اگر زمرد کا کچھ حصہ سانپ کی آنکھوں میں پھیر دیا جائے تو اندھا[1] ہو جاتا ہے۔ لیکن ہمایوں بادشاہ نے اپنے بعض رسالوں[2] میں لکھا ہے کہ

---

[1] لیکن میں نے بعض کتابوں میں اس کے خلاف بھی پڑھا ہے کہ اس کی آنکھیں زمرد کے پھرانے سے بہت زیادہ روشن ہو جاتی ہیں۔ اس موقع پر غالب کا یہ شعر بھی پڑھیے۔ سبزۂ خط سے ترا کاکل سرکش نہ دبا، یہ زمرد بھی حریف دمِ افعی نہ ہوا

[2] ہمایوں بادشاہ کے رسالوں کے متعلق غالباً یہ معلومات پہلی ہیں کہ اس نے بھی چند رسالے لکھے ۱۲

مجھے ہندوستان میں یہ معلوم ہوا کہ زمرد سے سانپ کی آنکھیں اندھی کیجا سکتی ہیں تو میں نے اس کا تجربہ کرنے کی ایک عرصہ سے ٹھان لی تھی ۔ چونکہ ہندوستان میں "افعی" جو خاص سانپ کہلاتا ہے وہ یہاں نہیں ہوتا تھا اس لیے مجھے بہت دنوں تک اس کے تجربہ کا موقع نہیں ملا ۔ لیکن میں جب بلادِ عراق پہنچا[1] تو مجھے یہ معلوم ہوا کہ یہاں "رَے" کے کوہستانوں میں بہت سے سانپ ہیں تو میں نے ایک "افعی" کے لانے کا حکم دیا ۔ جب یہ حاضر کیا گیا تو جواہر خانہ کے داروغہ کو حکم دیا کہ ہمارے جواہر خانہ میں فلاں زمرد جو سب سے بہتر ہے وہ لایا جائے ۔ اس کے آنے کے بعد لوگوں کو حکم دیا کہ سانپ کی آنکھ کے قریب لے جائیں ۔ لیکن قریب لے جانے سے جب کوئی اثر نہ ہوا تو پھر حکم دیا کہ اس کی آنکھیں اس کو پھیریں اس پر بھی کوئی اثر مترتب نہ ہوا تو پھر حکم دیا کہ زمرد کو پیس کر سانپ کی آنکھ میں اس کا سرمہ لگائیں لیکن اس نوبت پر بھی کچھ اثر نہ ہوا"

دوسرے صاحب تصنیف حکیم راضی خاں تھے جن کے باپ کا نام قطب الدین خاں تھا انہوں نے شاہ عالم بہادر کے حکم سے "فوائد معدہ" کے نام سے ایک کتاب لکھی اور لکھا ہے کہ بادشاہ کو ضعف معدہ کی بڑی شکایت تھی اور ہندوستان میں اکثر و بیشتر یہ مرض عام طور پر ہر شخص کو ہوتا ہے اس لیے اس مسئلہ پر میں نے تحقیقات کر کے یہ کتاب لکھی ہے ۔

ہم نے طب کے آغاز سے سلطنت مغلیہ تک اس کے مختصر سے حالات و تاریخ پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے ۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ

---

[1] ہماری نظر سے ہمایوں کے عراق کے سفر کی کوئی تاریخی شہادت نہیں گزری ۱۲

"موضوع طب" اس قدر وسیع اور بے پایاں دریا ہے کہ اس کے متعلق مکمل معلومات فراہم کرنا یا اس کا احاطہ کرنا سخت دشوار ہے۔ ہم نے اپنی معلومات کی رسائی کی حد تک ساری چیزیں پیش کرنے کی کوشش کی ہے، اور جس قدر کتابیں بیک نظر مطالعہ کیں، اور ان کو سمجھا ہے ان کے متعلق مختصر سی یادداشتیں قلم بند کر دی ہیں۔ اگر کوئی شخص ہر دور کے متعلق کامل تحقیقات کرنا چاہے تو یقین ملنیے کہ اس پر ایک ایک کتاب لکھی جا سکتی ہے۔ مغلیہ شاہنشاہوں کے دربار میں سیکڑوں نامی گرامی طبیب تھے، اور سیکڑوں تاریخی واقعات فن طب و اطباء سے متعلق گزر چکے ہیں۔ ہم نے خود بھی اکثر حالات اور بہت سی چیزیں طوالت کے خوف سے نظر انداز کر دی ہیں۔ ورنہ عام طور پر بہت سے اطباء ہر ایک سلطنت میں موجود تھے، یہ مقالہ درحقیقت "طب اسلامی" کا ایک بالکل سرسری خاکہ ہے۔ اس پر کچھ فرصت سے لکھا جائے تو ایک عظیم الشان کام ہو سکتا ہے۔ اور ہم نے فی الحال ایک بنیادی اور ابتدائی چیز اپنی بساط کی حد تک ناظرین کی نظروں تک پہنچا دی ہے مغلیہ دور کے صرف اس حد تک منتخب حالات لکھے ہیں اور اس کے بعد کے واقعات کو بالکل نظر انداز کر کے ہم اب اس حصہ کیطرف رجوع ہوتے ہیں جس کا تعلق دکن سے ہے۔ اور درحقیقت اسی عنوان (طب دکن میں) کی تحت موجودہ فضاء نے ہمیں اس موضوع پر متوجہ کرایا تھا جسکی تمہیدی طفیل میں یہ مختصر سے حالات اکٹھے کرنیکی ضرورت محسوس ہوئی لیکن اس خاص موضوع و مقصد پر بھی کا حصہ اپنی فقدان رسائی کا اعتراف شاید آئندہ کیلئے قارئین کے ذریعہ وسعت موضوع کا باعث بن سکے۔

طِب دکن میں

کچھ ازل سے ہی، قدرت نے دکن کی سرزمین کو خصوصیات بخشی ہیں، یہاں کا امن و امان، یہاں کی دولت و ثروت کے افسانے، اب تک تاریخوں کے تحیر کن ابواب بنے ہوئے ہیں۔ چنانچہ، گولکنڈہ اور حیدرآباد کو، ہیروں کی زمین ہی کہا جاتا ہے۔ دنیا کا وہ مشہور و معروف ہیرا جو "کوہ نور" کے نام سے معروفِ عالم ہے، آج اسی خاک کا ایک ذرہ ہے، جو تاج برطانیہ کے لیے عظمت و وقار کا سرمایہ فراہم کر رہا ہے۔ یہی وہ سرزمین ہے، جہاں کبھی "ہُون" کی بارش ہوا کرتی تھی اور آج تک جس کی یہ خصوصیت ضرب المثل کے طور پر بولی جاتی ہے۔ ان سب سے زیادہ یہ علمی، ادبی اور فنی دلچسپیوں کا عجیب مرکز رہی ہے۔ یہاں سے بھی ایسے بڑے بڑے صاحبِ کمال اُٹھے اور ایسی ایسی علمی و فنی سرپرستیاں اور ترقیاں عمل میں آئیں کہ دنیا ایک بڑی حد تک آج ان سے ناواقف ہے۔ ان کے متعلق مستقل اور مسلسل کام کی ضرورت ہے کہ اہلِ عالم کو اس پرشوکت سرزمین کے مایۂ ناز فرزندوں کے کارناموں سے رُوشناس کرایا جاسکے۔ یہ مسلم ہے کہ مسلمانوں کے قدم دکن میں ساتویں صدی ہجری کے اواخر میں، فاتحانہ حیثیت سے

سلطان علاء الدین خلجی کے عہد میں آئے، اور اس کے بعد یہاں ایک عظیم الشان اسلامی سلطنت "بہمنیہ" کے نام سے قایم ہوئی۔

طب پر بہمنی رحم و کرم | اس خاندان کا پہلا نیک دل سلطان حسن گنگوئے بہمنی (الملقب علاء الدین حسن ۷۵۹ھ) ہوا۔ اس اولوالعزم بادشاہ نے، جس خوبی کے ساتھ دکن پر حکومت کی، اس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔ خود اس نے ایک کسان کی حیثیت سے زندگی شروع کی تھی اس لیے وہ ہر طبقہ کے درد دکھ اور ان کی ضرورتوں کا کافی احساس رکھتا تھا۔ اس نے عنان حکومت ہاتھ میں لیتے ہی، سب سے پہلے رفاہی کاموں کی جانب توجہ مبذول کی۔ اس نے کس قسم کی طبی سرپرستی کی، اور اس کے دور کے کیا کیا کارنامے ہیں، فی الحال پردۂ اخفا میں ہیں، البتہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب اس کا آخری وقت آپہنچا تھا، تو سلطان مرض ہیضہ میں مبتلا ہوا، اس کے اس وقت معالجوں میں دو حکیموں کے نام ملتے ہیں، ایک حکیم نصیر الدین شیرازی اور دوسرا حکیم علاء الدین تبریزی۔

اس خاندان کے اور جانشینوں نے بھی، ہمیشہ اس طرف اپنی توجہ مرکوز کر رکھی۔ سلطان علاء الدین کا سب سے چھوٹا لڑکا محمود شاہ (۷۹۹ھ) جب تخت نشین ہوا، تو اس نے بڑی سرگرمی سے طب کی طرف توجہ کی۔ کہتے ہیں کہ یہ بادشاہ نہایت عالی قدر اور قابل گزرا ہے۔ مورخین لکھتے ہیں کہ قرآنِ حکیم اس قدر خوب پڑھتا تھا کہ سننے والوں کو ایمان کی حلاوت محسوس ہونے لگتی تھی۔ نہایت اعلیٰ درجہ کا خوش نویس و موزوں طبع تھا۔ علوم متداولہ میں بڑی مہارت رکھتا تھا۔ عربی و فارسی بڑی فصیح کہتا تھا یہی وجہ تھی کہ اس کا دربار علماء، فضلاء، اور حکماء کا مرکز بنا ہوا تھا، اور ان لوگوں کی

بڑی قدر و عزت کرتا تھا۔ اور اپنے دربار میں بڑے بڑے مراتب دے رکھے تھے۔ اس کی قدر دانیوں کی شہرت اس زمانہ میں چار دانگ عالم میں پھیل چکی تھی۔ اور خطۂ زمین کے ہر ایک گوشہ سے صاحبان فضل و کمال اس کے دربار شاہی میں پہنچنے کی کوشش کرتے تھے۔ کہتے ہیں حضرت خواجہ حافظ شیرازیؒ اسی سلطان کی فرمایش پر دکن کے ارادے سے روانہ ہوئے، تو بادشاہ نے ان کے اخراجات سفر کے لیے دس ہزار ہون روانہ کیے۔ لیکن حضرت حافظ علیہ الرحمہ جب لاہور پہنچ کر جہاز میں سوار ہوئے اور دکن کا ارادہ کیا تو اتفاق سے دریا میں طوفان شروع ہوا۔ یہ حالت دیکھکر کسی ایک قریبی مقام پر اتر پڑے اور حاضر نہ ہونے کی معذرت میں ایک غزل[1] میر فضل اللہ انجو کے توسط سے سلطان کی خدمت میں بھیجی۔ یہ فضل اللہ انجو علامہ سعد الدین تفتازانی کے شاگرد رشید اور دربار میں صدارت کا مرتبہ رکھتے تھے۔ اس غزل کو سنکر اور حالات معلوم کرکے سلطان کو بہت افسوس ہوا اور حکم دیا کہ دوبارہ ہزار تنک طلاء اور بہت سے تحفے تحائف ان کی خدمت میں بھیجے جائیں۔ اس واقعہ سے غور کیجیے کہ اس سلطان نے علم و فن کی ترقی میں کتنی دلچسپی لی ہوگی، اور کس قدر رفاہِ عام کے کام انجام دیے ہونگے۔ کہتے ہیں کہ اس نے اپنے سارے ممالک محروسہ کے نابیناؤں کے لیے خزانہ شاہی سے معقول وظیفے مقرر کر دیے تھے اور ان کے ساتھ خصوصیت سے عمدہ برتاؤ کے لیے خاص ہدایت دے رکھی تھیں، اور خود بھی بنفس نفیس بڑا رحم و کرم فرماتا تھا۔

---

[1] جس کا مطلع یہ ہے

باغم بسر بردن جہاں یکسر نمی ارزد   بمئے بفروش دلق ما کزیں بہتر نمی ارزد

کہتے ہیں کہ بعض لالچی اِن عنایات شاہی کو دیکھ کر عمداً اندھے بن کر اس کے دربار میں آتے تھے

محمود شاہ بہمنی کے عہد کا ایک زبردست طبّی کارنامہ

ہم اس سلطان کی طبّی دلچسپیوں سے متعلق اس کے عہد کا ایک عظیم الشان کارنامہ پیش کرنے ہیں جس پر اگر یونانی اور ہندی طب کے ملاپ سے ایک نئی طبّی عمارت قائم کرنا چاہیں تو یہ تالیف اس کے سنگِ بنیاد کا کام دے سکیگی۔ اس کا نام "طبِ شفاءِ محمود شاہی" ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ غالبًا یہ صرف اسی کے عہد کی کتاب ہے۔

ہمارے پیشِ نظر جو نسخہ ہے وہ مقالۂ دوم سے شروع ہوتا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ اس کا پہلا مقالہ بھی ضرور ہوگا۔ اگر یہ موجود ہوتا، تو مصنّف کا نام اور اس کے دیباچہ سے سبب تالیف معلوم ہوسکتا تھا، اور کتاب کی تاریخی حیثیت پر خاصی روشنی پڑ سکتی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ پوری کتاب چھ بڑے بڑے مجموعوں پر مشتمل تھی، لیکن ہماری نظر سے جسقدر گزر سکی ہے ہم اس کی تفصیل فی الحال درج کردیتے ہیں۔

مقالۂ دوم میں چھ باب ہیں اور اس کا نام "ساریر استھان" ہے۔ جو (۷۰) صفحوں پر حاوی ہے۔

(۱):۔ دربیانِ طفل کہ بچہ طریق دررحم پیدا شدہ پرورش می یابد۔ یعنی "گربھاوکرانت"

(۲):۔ چیزہائے کہ محل درد و زمان کنند و بیانِ علامات، و تداوئ آں یعنی "کرتہ ویاپت"

(۳):۔ درقسم اعضائے بدن یعنی "انگ وبھاگ"

(۴):۔ دربیان محل ہائے کہ .... دربدن کہ زخم

درآں مقام مہلک است یعنی "مرم و دیا کی"

(۵) :- دربیان علامتہائے قُربِ موت، تعینِ مدتِ اجل، باستدلال بر قاعدۂ طب، یعنی "درشت کنیاتی"

(۶) :- دربیانِ استدلالِ خیر وشر کہ بواسطۂ شخصے آئندہ کہ طلبیدن طبیب باید، یعنی "دوت ازدکیانی"

اس مقامہ کے آخر پر لکھا ہے :-

"باید دانست دریں مقامہ دوم تشریح بدن است و آں را ہندوی "ساریر" خواندہ اند۔ ازاں جہت کہ آنچہ تعلق ببدن دارد از وقت ولادت تا وقتِ موت ہمہ بے اہمال و تقصیر گفتہ است، واللہ اعلم بالصواب"

اس کے بعد واگبھٹ ہندی کی ایک کتاب "سوترا ستھان" کا مکمل ترجمہ (۳۰) ابواب کے تحت کیا ہے۔ چنانچہ اس ترجمہ کے اختتام پر لکھا ہے:

"الحمد للہ کہ یک کتاب از شش کتاب "طب شفا محمود شاہی" معروف داگبھٹ کہ "سوتر ستھان" نام دارد بترجمہ کامل و تصحیح شامل پیوست۔"

ان ابواب کی یہ تفصیل ہے۔

باب اول - دربیان نسخے کہ علم و عمل آں ممدِ عمر و حیات است۔ اس باب میں خاص خاص ہندی اصطلاحیں اور ان کے فارسی نام دیے ہیں۔

---

[1] اردو ادب کے محققین کے لیے ہم فی الحال انکی غور و فکر کیلئے چند الفاظ یہاں نقل کیے دیتے ہیں۔
پُلکا = سُبک، کھُرکھُرہ = خشن، مَنڈ (مَندا) = سُست، رُوکھ (رُوکھا) = خشک، سکتھن = سخت۔

باب دوم ۔ در بیان طریق روشن روزہ، تعہدِ احوالِ بدن ۔
باب سوم ۔ در بیان طریق ماندن درہوا ہائے سال کہ دوکال ماہ راہوا گیرند
"ورت" نامند، و ایں باب را "ادھیا وتجرجا" خوانند ۔
(یعنی یہ باب سال بھر کی ہواؤں کی تقسیم اور ان کے اثرات
وغیرہ پر مبنی ہے)
باب چہارم ۔ در بیان اسباب کہ علت و زحمت را بے علت و مرض گرداند
و رنگ و ذہن را خوب گرداند ۔
باب پنجم ۔ خواص و منافع چیزہائے سائل و مائع، مثلِ آب و شیر و شیرہ
و روغن وغیرہ ۔
باب ششم ۔ در بیان خواص غلہا و گوشتہا، و میوہ ہا و سبزی ہا ۔
باب ہفتم ۔ در بیان غذا، از اَطعَمہ و اَشرُبہ و معرفہ اشیاء مذکور ۔
باب ہشتم ۔ در بیان مقادیر ماکولات ۔
باب نہم ۔ در شناختن میل داروہا، و منشاء اختلاف خاصیت ہا،
باب دہم ۔ در بیان شناختن اخلاط ثلاثہ
باب دوازدہم ۔ در بیان محل ہائے اخلاط و تعریف انواع امراض ۔
باب سیزدہم ۔ در بیان تداوی زحمت ہا کہ آنرا "کھویکرمنی" گویند ۔
باب چہاردہم ۔ در بیان تداوی ہر علتے ۔
باب پانزدہم ۔ در بیان مجموع داروہائے مرکبات
باب شانزدہم ۔ در بیان تداوی کہ بجز بشہا یعنی مثل و روغن ستور را خواست ۔
باب ہفدہم ۔ باید دانست کہ تسخین در چہار نوع است
باب ہیزدہم ۔ در بیان ترتیب قے و اسہال کردن ۔

باب نوز دہم۔ در بیان حقنہ کردن
باب بستم۔ در بیان چکانیدنِ ادویہ در بینی
باب بست ویکم۔ در بیان شدن دود، در بینی
باب بست ودوم۔ در بیان ترتیب مضمضہ وغرغرہ
باب بست وسیوم۔ دربیان چکانیدن آب ادویہ و مانند آں در چشم۔
باب بست وچہارم۔ دربیان زیادت کردنِ روشنائی چشم، کہ بسبب ادویہ کم شدہ است
باب بست وہفتم۔ در بیان کشادن رگھا۔
باب بست وہشتم۔ دربیان کشیدن چیزہائے خلیدہ کہ آں را "سل"[1] نامند،
خواہ از آہن باشد خواہ از علاج۔
باب بست ونہم۔ دربیان ترتیب شق کردن و استنجا و احوال پختگی وغیر پختگی۔
باب سی ام۔ در بیان داغ کردن بشور وسوختن۔

یہ پورا حصّہ (۲۳۰) صفحوں پر پھیلا ہوا ہے۔ اس کے بعد لکھا ہے "جلد دوم طب محمود شاہی"۔

اور اس میں حسبِ ذیل امراض کے علاج درج ہیں:-

علاج تپ، تداوی خون، تداوی مرقہ، تداوی دق، تداوی قئے و خلیہ تشنگی، تداوی زحمتہائے شراب، تداوی بواسیر، عسر البول، سنگ مثانہ، خروج پرسیہ، جذام۔

اس کے بعد جلد سوم ہے، جس میں حسب ذیل امراض اور ان کے معالجات پر مضامین ہیں۔ اور اس کا نام "اثرا ستقان" لکھا ہے۔

---

[1] کہیں سلنا اور سلسلاہٹ اسی سے تو نہیں؟ ۱۲

تداوی اطفال (اس باب میں نظر بد کے متعلق بڑی تفصیلی بحث لکھی ہے) — تداوی گوش، بینی، دہن، سر، دمامیل و جراحات۔ تداوی استخوان شکستہ، تداوی زہرمار۔

آخر پر مصنف نے دعویٰ کیا ہے کہ اس نے نہایت ہی جامع و مانع کتاب لکھی ہے، کہ کسی نے آج تک ایسی مرتب نہ کی ہوگی۔ کتاب کی اصل اختتامی سطریں یہ ہیں

"و تمام شد طب محمود شاہی کہ جان طبیبے است باقبال خداۓ گان گیتی مدار، نوازندہ صغار و کبار، ناصر الدنیا والدین ابو الفتح محمود شاہ السلطان خلد اللہ ملکہ و سلطانہ و ابد علی المتعلمین و الفاضلین بذلہ و احسانہ۔"

کل کتاب بہت بڑی سائز کے (۶۱۰) صفحوں پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب بڑی نادر و لاجواب ہے، اور شروع صفحہ پر نوٹ لکھا ہے کہ یہ وہ کتاب ہے، جو خود سلطان محمود شاہ بہمنی کے کتب خانہ میں رہی ہے۔ آپ نے ان مضامین کی فہرست سے کتاب کی عظمت و وقعت کا اندازہ لگا لیا ہوگا کہ اس بادشاہ کے دور میں یہ کس قدر جلیل الشان کام تھا جو سر انجام پایا۔ اور کیا عجب ہے کہ ادر بھی اعلیٰ درجہ کے طبی کارنامے موجود ہوں، اور وہ ہماری نظروں سے کہیں مخفی پڑے ہوں —

طب فیروز شاہ کے عہد میں

محمود شاہ بہمنی کے بعد دو اور بادشاہ مختصر سے زمانہ تک حکمراں رہے۔ اس کے بعد فیروز شاہ بہمنی ۸۰۰ھ میں تخت پر بیٹھتا ہے۔ یہ بھی ایسا لائق اور فاضل حکمراں ہوا کہ اس کی وجہ سے سلطنت دکن کا نام بڑی دور دور تک پھیل گیا۔ چونکہ یہ میر فضل اللہ انجو شیرازی کا شاگرد تھا، اس لیے اس نے ان کو وکیل السلطنت کے عہدہ پر فائز کیا۔

یہ بڑا متشرع اور صوم و صلوٰۃ کا پابند بادشاہ گزرا ہے۔ اپنے اجداد سے زیادہ علم و عمل کا دلدادہ تھا۔ بڑے بڑے علما، و فضلاء اس کے دربار سے وابستگی رکھتے تھے۔ یہ ایک بہترین خوشنویس تھا، اور خود روز آنہ کلام مجید کا پاؤ پارہ لکھا کرتا تھا۔ شاعری سے دلچسپی تھی، عروضی و فیروزی دو تخلص تھے۔ اکثر علوم میں، اور خاص کر تفسیر، اور اصولِ حکمت طبیعی و نظری میں بڑی زبردست مہارت حاصل کی تھی۔ ہفتہ میں تین دن شنبہ، دوشنبہ اور چہارشنبہ کو خود طلباء کو درس دیا کرتا تھا۔ غالباً ہندوستان میں یہ سب سے پہلا اور آخری بادشاہ گزرا ہے جو بہت بڑی سلطنت کا شہنشاہ ہونے کے باوجود اس نے درس و تدریس کے بھی فرائض انجام دیے۔ اور خلق اللہ کی اس طرح خدمت کی، اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس بے نظیر سلطان کو اپنی رعایا کی صلاح و فلاح اور ان کے درد و درماں کا کس قدر خیال نہ ہوگا، کیونکہ خود جب بہ نفس نفیس رفاہی کام انجام دیتا ہو، تو اس نے اپنی سلطنت میں اس قسم کے کاموں کے لیے کتنی نہ کوشش کی ہوگی۔ اس کے دور میں ایک طبیب "حکیم سید محمد گازرونی" بھی تھے۔

حضرت خواجہ بندہ نواز طبیب حاذق بھی تھے | حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز علیہ الرحمہ اسی بادشاہ کی عہد میں دہلی سے گلبرگہ تشریف لائے۔ آپ جیسے صاحبِ حال و قال بزرگ تھے اور آپ کی شان ولایت و جلالت اقطاع ہند میں جس مرتبہ پر ہے اس سے ہندوستان کا بچہ بچہ واقف ہے۔ حضرت جہاں علوم باطنی میں بہت بڑا درجہ رکھتے تھے وہاں علوم ظاہری میں بھی ان کا جواب نہ تھا۔ علم و فضل میں یکتائے روزگار تھے، بہت سے علوم و فنون میں آپ کو استادانہ مرتبہ حاصل تھا۔ آپ نے اپنی زندگی میں سو سے زیادہ

کتابیں یادگار چھوڑی ہیں۔ حضرت خواجہ گیسو درازؒ کو فن طب سے بڑی گہری دلچسپی تھی۔ اور آپ اس میں بھی بڑی زبردست دستگاہ رکھتے تھے ایک طرف جلیل القدر طبیب روحانی تھے تو دوسری طرف اہل دنیا کے نزدیک ایک بہترین طبیب حاذق۔ آپ کی کئی طبی تصانیف ہیں۔ لیکن اس قسم کی جو طبی خدمات آپ نے انجام دی ہیں اور آپ کی ذات بابرکات سے اس فن کو جو ترقی ہوئی افسوس ہے کہ آج ہمارے سامنے اس کے کارنامے نہیں ہیں ورنہ ہم دکھلاتے کہ آپ کے نفوسِ قدسیہ کے باعث اس فن کی قدر اس دور میں کس مرتبہ پر تھی۔

طب کی کارفرمائیاں احمد شاہ بہمنی کی ولایت میں

فیروز شاہ کے بعد اس کا چھوٹا بھائی احمد شاہ بہمنیہ سلطنت کا شاہنشاہ قرار پاتا ہے جو اپنے نیک اعمال کی بدولت آج تک احمد شاہ ولی بہمنی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس نے بھی اپنے پیشروؤں کے قدم بقدم چلنے کی کوشش کی۔ اور اس کے دور کی ایک یادگار تالیف آج ہم تک پہنچی ہے۔

چنانچہ عبداللہ بن صفی نے بادشاہ کے حسب الحکم ۸۱۰ھ میں "ورک راسی بن سیر کراہی" ساکن قصبۂ الملکہ سے سالوتر کی ایک سنسکرت کتاب لے کر فارسی میں ترجمہ کیا۔ دیباچہ کی اصل عبارت یہ ہے۔

"اما در وقت سلطان احمدؒ ولی البہمنی از اقل عبادٗ بندۂ ضعیف نحیف عبداللہ بن صفی بر فرمانِ شاہ جہاں پناہ از ورک راسی بن سیر کراہی ساکن قصبۂ الملکہ" ایں ترجمۂ سالوتر را فارسی کرد برائے بادشاہ وقت در شہر گلبرگہ بنا کردیم ترتیب یافت در سال سنہ عشر و ثمانیہ مایۃ من الہجرۃ النبویۃ۔

گھوڑوں کے علاج معالجہ پر یہ ایک بہترین باتصویر مکمل کتاب ہے۔

جس کے درمیان میں کئی تصاویر ہونے کے علاوہ آخر کتاب پر تقریباً (۳۰) تصویریں نہایت ہی عمدہ اور قابلِ دید ہیں۔ یہ تصاویر پیغمبر علیہم السلام کے گھوڑوں کی ہیں، اور ان گھوڑوں کے نام بھی لکھے ہیں، جن پر پیغمبر علیہم السلام سواری فرمایا کرتے تھے۔

ہم نے اس کتاب کا ایک نسخہ ۲۰ رمضان ۹۵۰ھ کا لکھا ہوا دیکھا ہے جو امیر سید علی بن امیر سید ابراہیم کے لیے میر عبداللہ ولد میر حسن نے لکھا ہے۔ اس پر امیر سید علی کی مہر (۱۵۵ھ) بھی ثبت ہے اور آخر پر خود امیر صاحب کے ہاتھ کی تحریر بھی موجود ہے۔ کل کتاب (۱۵۴) صفحوں پر مشتمل ہے۔ اس کا ایک نسخہ انڈیا آفس کے کتاب خانہ میں بھی ہے۔

بیدر کی صحت گاہ | احمد شاہ بہمنی کے بعد جب اس کا لڑکا علاؤ الدین ثانی (۸۳۸ھ تا ۸۶۲ھ) تخت نشین ہوا، تو اس نے بیدر میں ایک عالیشان "شفا خانہ" کی تعمیر کا حکم دیا اور اس کے اخراجات کے لیے بہت سے گاؤں وقف کر دیے۔ اس بیمارخانہ کی خصوصیت یہ تھی کہ اس میں یونانی اور ویدک دونوں اصولوں پر علاج ہوتا تھا اور مسلمان اطباء کے ساتھ ہندو وید بھی ملازم تھے۔ اور مریضوں کو دوا کے ساتھ ہر قسم کی غذا بھی مفت دی جاتی تھی[1]۔

یہ سمجھا جاتا ہے کہ خواجہ محمود گاواں نے جہاں بہت سے رفاہی کام انجام دیے تھے۔ وہاں اس کی وزارت کے دور میں اس صیغہ کو بھی خوب ترقی ہوئی ہوگی، اور متعدد شفا خانوں کا قیام عمل میں آیا ہوگا۔ خود دار السلطنت بیدر میں مدرسہ کے ساتھ ساتھ ممکن ہے کہ طلبا وغیرہ کے لیے کوئی نہ کوئی "شفا گھر" بھی تعمیر کیا گیا ہوگا۔ فی الحال کسی تاریخی حوالہ تک ہماری رسائی نہ ہو سکی۔

جب بہمنیہ خاندان کو زوال ہوا تو دکن میں پانچ اسلامی خود مختار

---

[1] تاریخ رشید الدین خانی ص ۱۴۷

ریاستیں (قطب شاہیہ[1] عادل شاہیہ[2] نظام شاہیہ[3] برید شاہیہ[4] عماد شاہیہ[5]) قائم ہو گئیں۔ جن میں قطب شاہیہ، عادل شاہیہ، نظام شاہیہ قابلِ ذکر ہیں۔ اور ادھر گجرات میں پہلے ہی سے سلطان فیروز شاہ تغلق کے ایک درباری امیر مظفر شاہ نے اپنی ایک الگ آزاد اور مستقل حکومت سنہ ۷۹۹ھ میں قائم کر لی تھی۔ اس خاندان میں سلطان بہادر شاہ گجراتی جو بہت مشہور اور علم دوست حکمراں گزرا ہے وہ تاریخ میں سب سے زیادہ مشہور ہے جس نے مغلیہ شاہنشہوں سے مقابلۃً معرکہ آرائی کی۔ اور سنہ ۹۳۲ھ سے سنہ ۹۴۳ھ تک سریر آرائے حکومت رہا۔ اس کے دور کی بھی ایک طبی کتاب ہماری نظر سے گزری، جو سلطان کی حکمرانی کے آخری سال ہی میں لکھی گئی۔

سلطان بہادر شاہ گجراتی کے عہد کی ایک طبی تالیف

اس کتاب کا نام "فیضیہ" ہے مؤلف زین العابدین بن غیاث الدین محمد المشہور ملا میر طبیب ہیں۔ جو دربار شاہی سے تعلق رکھتے تھے۔ انہوں نے دیباچہ میں لکھا ہے کہ بادشاہ کے پاس ایک زبردست اور بہت بڑا کتب خانہ ہے اور اس میں مولانا نجیب الدین محمد سمرقندی (جو علامہ فخر الدین رازیؒ کے معاصر تھے) کی "کتاب خمسہ" محفوظ تھی۔ بادشاہ نے مؤلف کو دربار میں طلب کر کے یہ کتاب دی، اور حکم دیا کہ تم اس کتاب کو پیش نظر رکھ کر اس پر اضافہ کے ساتھ ایک جامع و مانع کتاب لکھو۔ چنانچہ اس نے شاہی فرمان پر "کتاب خمسہ" کا سفر و حضر ہر حالت میں مطالعہ کرنے کے بعد یہ کتاب سنہ ۹۴۳ھ میں مرتب کی۔

مؤلف کی اصل عبارت کا حسب ذیل اقتباس ہے:-

"وبعدہٗ چنیں گوید، راقم ایں ارقام وناظم ایں انتظام اضعف عباد اللہ الملک الصمد

زین العابدین بن غیاث الدین محمدؐ المشہور بملا میر طبیب ۔۔۔۔ کہ در آخر محرم الحرام سنہ ثلاث اربعین وتسعمائۃ، دیدہ بخت از موجہ الغافلین بیدار گشت وچشم رمد دیدہ از غبار زتراب عتبۂ فلک جناب بادشاہ جہاں وجہانیاں شہریار زمین وزماں ۔۔۔۔۔۔۔ خاقان بن الخاقان سلطان سلیمان، بادشاہ بہادر خان خلد اللہ تعالیٰ ملکہٗ وسلطانہٗ ۔۔۔۔۔۔۔ کمل ونُو قرگردید، واز شمائم ونسائم مجلس شریف عالی دماغ جانِ جہاں بدیں گونہ معطر گشت ۔۔۔۔۔۔ والحق ہموارہ انیس خاطرِ عاطر آں حضرت ۔۔۔۔۔۔ بدیں امنیت است کہ از بدائع ایں علم شریف وصنائع ایں فن لطیف، چیزے معلوم ومخزون باشد، ولہذا دریں زمان فرخندہ آوان التفات نمودہ کتاب "خمسہ" حکیم الکامل المکمل مولانا نجیب الدین محمد سمرقندی کہ مخزون خزانہ ومحبوس زاویۂ کتب خانۂ خاصہ عالی بود، بایں کمینۂ قلیل البضاعہ انعام فرمودند، ہر آئینہ رفیق سفر وجلیسِ حضر خود ساختہ، پیوستہ از مطالعہ صفائح صحائف آں ابواب فتوح بر روئے دل مجروح می کشودم ۔۔۔۔۔۔۔

بخاطر فاتر خطور نمود کہ اگر بطریق ترجمہ از اوراق ہر ورقے فردے، واز انہار ہر گلبنے وردے، فراہم آوردہ، دستہ بندی وعجائب بارگاہ معالی انتباہ سپاری، ممکن کہ گاہے بنظر کیمیا اثر درآید ۔۔۔۔۔۔۔ وچوں باعث بہ ترتیب ایں مختصر وتسطیر ایں احضر، بوجہ خاطر فیض مآثر حضرت[1] ۔۔۔۔۔ علی بود "بغیعنیہ" موسوم شد۔

"بیان ایں رسالہ خجستہ مال بنوعے کہ کلک اندیشہ بر لوح خیال رقم زدہ، بر مقدمہ در شرف علم طب وفائدۂ آں دپنجاہ ویک باب در امراض خاصہ وعامہ وخاتمہ در معجونات ومرکبات مجربہ"

---

[1] یہاں نام اڑ گیا ہے ۱۲

پیشِ نظر نسخہ ناقص الآخر ہے، اس کے اس وقت (۸۲) صفحے چھوٹی تقطیع پر ہیں، اور خاتمہ سے اوراق غائب ہیں یہ کتاب ایک مجموعہ میں شامل ہے، اور اس سارے مجموعہ کا کاتب ایک ہی شخص معلوم ہوتا ہے، کاتب نے ایک رسالہ کے اختتام پر اپنا نام "نظام الدین علی بن سلطان احمدؒ دیوان" لکھا ہے اور سنہ کتابت (۹۹۱ھ) درج ہے اس لحاظ سے یہ وثوق کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ "فیضیہ" کا یہ نسخہ اصل تصنیف کے (۴۸) سال بعد کا ہے۔

عادل شاہیوں کی طبی سرپرستی

جنوبی ہند کے حکمرانوں میں عادل شاہیہ خاندان نے بھی نہایت شان و شوکت سے حکومت کی۔ اس خاندان کے بھی سلاطین علوم و فنون کی سرپرستیوں میں شہرت رکھتے تھے۔ اسی دربار کا تربیت و پرورش یافتہ مورخ محمد قاسم استرآبادی الملقب ہندو شاہ ہے، جو فرشتہ کے نام سے بہت بڑی شہرت کا مالک ہے اور ہندوستان کی تاریخوں میں اس کی تاریخ کو چوٹی کی کتابوں میں شمار کیا جاتا ہے جو ۱۰۱۵ھ میں مرتب ہوئی ہے۔ یہ ابراہیم عادل شاہ ثانی (۹۸۸ھ-۱۰۳۷ھ) کی بارگاہ میں ملازم تھا، لوگ عام طور پر اُسے صرف مؤرخ ہی کی حیثیت سے جانتے ہیں مگر وہ ایک باکمال اور طبیب حاذق تھا۔ اس فن میں بڑی دستگاہ رکھتا تھا۔ وہ بھی اس خیال کا مؤید تھا، کہ ہندی طب سے مسلمانوں کو فائدہ اٹھانا چاہیے اس نے "دستور الاطباء" کے نام سے ایک بہترین طبی تالیف یادگار چھوڑی ہے، اور اس کی تاریخ کے جیسی قابلِ قدر اور معتبر کتاب ہے۔ اس نے اس کتاب کے دیباچہ میں یہ سطریں سببِ تالیف میں لکھی ہیں۔ وہ لکھتا ہے کہ:- (ترجمہ)

"میں نے حکماء یونانی کی بہت سی کتابیں مطالعہ کی ہیں اور اکثر و بیشتر

ان پر کامل غور و خوض کرتا رہا۔ لیکن اس کے بعد مجھے خیال ہوا کہ حکماءِ ہند کی بھی کتابیں ضرور مطالعہ کرنی چاہئیں، اور میری طبیعت کی رغبت نے مجھے اس طرف بہت جلد راغب کر دیا، اور اس میں مجھے بڑی دلچسپی معلوم ہوئی۔ میں نے جب مطالعہ شروع کیا تو مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ ان کی بھی طب علمی و عملی حیثیت سے بہت مستحکم اور عمدہ ہے تو اس کے بعد میں نے اپنے آپ پر یہ واجب گردان لیا کہ اپنے مسلمان بھائیوں کے سامنے اس مکمل فن کو پیش کروں، جو آج تک اس کی خوبیوں سے بالکل ناواقف رہے ہیں اور یہاں کی ادویہ و طرزِ علاج کا ان کو علم نہیں۔ اس لیے میں نے بڑی محنتوں اور مشقتوں کے بعد یہ کتاب مرتب کی تاکہ ان لوگوں تک بھی یہ ہندی طب پہنچ جائے، جو ہندوستان سے دور اور اس ملک کی آب ہوا و خصوصیات سے محض ناآشنا ہیں۔ یہ کتاب میں نے ایک مقدمہ، تین مقالے اور ایک خاتمہ پر مشتمل رکھی ہے۔ مقدمہ میں ارکان بدن و اخلاط وغیرہ کا حال لکھا ہے۔ مقالۂ اول میں خواص ادویہ مفردہ و اغذیہ کا بیان ہے مقالۂ دوم مرکبات پر حاوی ہے۔ اور مقالہ سوم میں معالجات بطریق اجمال بیان کیے ہیں۔ اور خاتمہ کو شرح انواع مزہ و تسنت ہاک ربن سکون پر مبنی رکھا ہے۔"

یہ کتاب طب فرشتہ کے نام سے بھی مشہور اور نہایت ہی ضخیم ہے سنہ ۱۹۰۱ء میں مقام امرتسر چھپ بھی چکی ہے۔"

ابراہیم عادل شاہ کے دربار میں فرشتہ کے سوا بھیاجی (کوز پیشت) کے نام سے ایک طبیب "رئیس الاطباء" اور ایک ڈاکٹر (فرانسیسی پرتگالی) بھی حاشیہ نشین بساطِ شاہی تھا۔

احمد نگر کی نظام شاہیہ حکومت کے زیر سایہ بھی اچھے اچھے اطباء جمع تھے۔ چنانچہ مرتضیٰ نظام شاہ کے دربار میں ایک بہت بڑا طبیب تھا جس کا نام حکیم محمد مصری تھا۔ شاہی دربار میں اسقدر مرتبہ حاصل کیا تھا کہ بادشاہ نے اسے اپنا وکیل السلطنت بنا لیا تھا جب مرتضیٰ کا انتقال ہوگیا تو اس نے شہنشاہ اکبر کی بارگاہ میں ملازمت اختیار کر لی۔ اس کا حال ہم نے اکبر کے بھی دور میں لکھا ہے۔

اسی بادشاہ کے عہد میں زین الدین سمانی نے احمد نگر میں ایک شفاخانہ کھول رکھا تھا، جس میں ہر قسم کی مرکب دوائیں قیمت سے فروخت ہوتی تھیں۔ اس طبیب اور بادشاہ کا ایک قصہ تاریخوں میں لکھا ہے، جو صرف حاضر جوابی سے تعلق رکھتا ہے۔ اس لیے ہم اسے یہاں چھوڑ دیتے ہیں۔

طب کا فیضان قطب شاہیہ دور میں

گذشتہ دکنی سلطنتوں میں سب سے زیادہ شہرت قطب شاہیہ خاندان (۹۱۶ھ تا ۱۰۹۸ھ) نے اپنے علمی فنی، اور رفاہی کاموں کی بدولت دور دور تک حاصل کر لی تھی۔ اس خاندان میں جب سلطان قلی قطب شاہ (۹۱۸ھ) سریر آرائے دولت ہوا تو اس نے اپنے دور میں بڑے بڑے رفاہی کام انجام دیے، اسے تعمیر عمارات کا غایت درجہ شوق تھا۔

حیدرآباد کا شفا گھر

اس کے بہت بعد ۹۸۸ھ میں جب محمد قلی قطب شاہ تخت پر بیٹھا تو اس نے ایک نئے شہر کی بنیاد رکھی، جس کا نام پہلے پہل "بھاگ نگر" تھا جو بعد میں حیدرآباد کے نام سے مشہور ہوا۔ اس شہر کی بنا کے ساتھ ساتھ بادشاہ نے حکم دیا کہ شہر میں جا بجا مطب قائم کیے جائیں اور ایک بہت بڑا عالیشان صدر شفاخانہ تعمیر کیا جائے، جس میں مریضوں کو

رکھ کر علاج کیا جاسکے۔ یہ "دار الشفاء" کے نام سے مشہور رہا۔ اس میں مریضوں کے رہنے سہنے کا نہایت سلیقہ سے انتظام کیا گیا تھا۔ اس شفاخانہ کے ساتھ ایک بے نظیر حمام بھی موجود تھا۔ اور چوٹی کے اطبا ء مامور کیے گئے تھے جو علاج معالجہ کے علاوہ طلبہ کو درس بھی دیا کرتے تھے۔ ان لوگوں کیلئے خزانۂ شاہی سے بیش قرار مواجب مقرر تھے۔ بیماروں کی دوا و غذا کے لیے خزانۂ سرکاری سے معقول رقم منظور کی گئی تھی[1]۔ یہ عمارت آج تک ہمارے شہر کے اسی نام سے شہرت رکھنے والے محلہ "دار الشفاء" میں اپنی گذشتہ یاد تازہ کر رہی ہے۔ اور اب بھی دیکھنے والوں کو اپنی عظمت رفتہ کا پتہ دیتی ہے۔ اس عمارت میں ایک مربع صحن ہے، اور چاروں طرف دو منزلہ حجرے بنے ہیں، اور یہی بیماروں کے وارڈز ہیں۔

تاریخ قطب شاہی کا مؤلف لکھتا ہے:-

"در بلدۂ حیدرآباد مسجد جامع با تمام رسانیدند و در پہلوئے آں مسجد حامے در کمال لطافت ترتیب یافت، حجامان خدمت گزار بے مزد مقرر شدند"

حمام کے قریب چار طاق (یعنی کمانیں) بنائے گئے تھے جن کی تیاری میں تقریباً تین لاکھ ہُون صرف ہوئے۔ اور ان طاقوں میں سے آمد و رفت کا راستہ مقرر ہوا۔

"بجہۃ اطباء بسمت راستۂ شمالی با تمام رسانیدند و در جنب آں نیز حامے احداث نمودند، اطباء مذکور بے زحمت اجر و منت بمعالجہ مریضان حاضر باشند و مواجب ایشاں از سرکار مقرر بود۔ و ادویہ از دوا خانۂ

---

[1] تاریخ ظفرہ ص ۱۲

سرکار می رسانیدند"[1]

سلطان محمد قطب شاہ کے دربار میں بہت سے نامی گرامی اطبا کا پتہ چلتا ہے۔ اس کے دَور میں بہت سے علماء و فضلا جمع تھے اس نے بھی بڑے قابلِ قدر کام انجام دیے ہیں۔ تقی الدین محمد بن صدرالدین علی نامی ایک طبیب دربارِ شاہی سے تعلق رکھتے تھے۔ انہوں نے "میزان الطبائع قطب شاہی" کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔ دیباچہ میں لکھا ہے کہ

"دربارِ شاہی کا یہ طریقہ تھا کہ سارے علوم و فنون کے فضلا جمع رہتے اور باہمی مباحث ہوا کرتے تھے۔ اس سے پہلے بھی میں نے ایک طبی کتاب لکھ کر شاہ کے نذر کی تھی، لیکن بعد میں پھر بادشاہ نے اس کتاب کے متعلق یہ ارشاد فرمایا کہ اسے ترمیم و اضافہ کے ساتھ ازسرِنو مرتب کرو۔"

اس کتاب کے مؤلف نے اختیاراتِ بدیعی سے بھی استفادہ کیا تھا صہ ۱۶۹ پر چند وہ خاص خاص نسخے درج کیے ہیں جن کو علامہ میر محمد باقر داماد نے ایران سے بادشاہ کے لیے تحفۃً خاص طور پر دکن بھیجے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف میر مومن استر آبادی کا شاگرد تھا۔ آخر پر لکھا ہے کہ میں اب یہاں اوزان کا بیان حضرت استادی علامی مدظلہ السامی کی کتاب سے تبرکاً نقل کرتا ہوں کہ اس سے بہتر مجموعہ اوزان کے متعلق تصور میں نہیں آسکتا۔ "میزان الطبائع" کا پیشِ نظر نسخہ ۱۰ر شوال ۱۲۱۷ھ میں موضع قمر نگر عرف کرنول میں عبد الرسول صاحب نامی ایک بزرگ کے نسخہ سے نقل کیا گیا ہے۔

"اختیاراتِ قطب شاہی" کے نام سے ایک اور کتاب کا پتہ چلتا

[1] تاریخ قطب شاہی صہ ۱۶ ۱۲

ہے، اس کے شارح کا نام محمد صادق بن علی الحسین لکھا ہے، یہ کتاب سلطان محمد قلی قطب شاہ (۹۸۸ھ - ۱۰۲۰ھ) کے حکم سے، متعدد اطباء کے مشورہ کے بعد ترتیب دی گئی ہے، اس کتاب کا کاتب، مجد الدین محمد الحسینی ارکاشانی ہے۔ یہ نسخہ پروفیسر شیرانی کے کتب خانہ میں ہے اور بہت بڑی اہمیت رکھتا ہے، اس کے متن اور فہرست ہر دو کے صفحۂ اول پر سلطان محمد قلی قطب شاہ کی ہاتھ کی لکھی ہوئی عبارت موجود ہے اور سلطان کی مہر بھی ثبت ہے فہرست کی خاص عبارت یہ ہے۔

"فہرست اختیارات قطب شاہی تمام شد، در کتاب خانۂ عامرہ بخط مسعود بتاریخ اوائل شہر ذی القعیدۃ (قعدۃ) الحرام سنہ ۱۰۲۴ در دار السلطنۃ حیدرآباد حرس اللہ عن الاضداد کتبہ العبد الخالص لمولاہ سلطان محمد قطب شاہ زاد توفیقہ فیما یتمناہ"

متن کے صفحہ اول کی حسب ذیل عبارت ہے:-

"اختیارات قطب شاہی بابت کتاب خانۂ عامرہ بخط میر مجد الدین بتاریخ سنہ ۱۰۲۱ فی الہجریہ در دار السلطنۃ حیدرآباد۔ کتبہ سلطان محمد قطب شاہ زاد توفیقہ فیما یتمناہ"

سلطان محمد قطب شاہ کی مہر کا نقش یہ لکھا ہے:-

نقش نگین دل است حیدر صفدر مرا
العبد محمد قطب شاہ سلطان
مہر سلیمان، زحق گشتہ میسر مرا
۱۰۲۰ھ

---

۵ اورینٹل کالج میگزین لاہور مئی سنہ ۱۹۳۳ء صفحہ ۱۰۰

میر مومن۔ استرآبادی، جو علم و فضل میں اپنا جواب نہ رکھتے تھے۔ اور سلطنت میں ان کا مرتبہ سب سے بڑا تھا۔ مجمع الکمالات بزرگ گزرے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات کچھ تہذیب ہی میں داخل ہوگئی تھی کہ گزشتہ زمانہ کے اکثر اہل علم و فضل اور شرفاء طب کا پڑھنا اور سیکھنا علوم متداولہ کے لازمات سے سمجھتے تھے یا تو یہ علم ضروریات زندگی کی تحت سیکھا جاتا تھا۔ یا اس زمانہ کی طرز معاشرت کے لحاظ سے اور علوم کی تعلیم کے ساتھ اس فن شریف کو بھی حاصل کرنا ضروری سمجھا گیا تھا۔ اسی لئے ہمیں اکثر فضلاء و اکابر طب کے بڑے ماہر اور نامی گرامی اطباء بھی نظر آتے ہیں۔ ان میں میر مومن استرآبادی کی بھی یہی کیفیت تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ خود انہوں نے کوئی باضابطہ طور پر علاج معالجہ نہیں کیا، مگر طب جاننے کی وجہ سے اطباء کی سرپرستی فرماتے اور اس کی ترویج میں برابر کوشاں رہتے تھے۔ ہمیں اس وقت تک ان کی صرف ایک طبی کتاب کا پتہ چلا ہے جو "رسالہ مقداریہ" کے نام سے موسوم ہے۔ انہوں نے کتاب کے آغاز پر لکھا ہے :-

> بادشاہ محمد قطب شاہ نے حکم دیا کہ اوزان اور مقادیر کی ضرورت اکثر و بیشتر امور دینی و دنیوی میں پیش آتی ہے اس لئے آپ اس موضوع پر ایک کتاب لکھئے۔ چنانچہ عربی فارسی فقہ اور طب کی کتابوں کے مطالعہ اور ان سے استفادہ کے بعد یہ کتاب ترتیب دی"۔

ہم نے اس کتاب کا جو نسخہ دیکھا ہے وہ ۳۰ رمضان ۱۰۲۳ھ کا مکتوبہ ہے

قطب شاہیہ دور کا ایک زبردست حکیم

سلطان عبداللہ قطب شاہ کے دربار میں حکماء کا بہت بڑا احترام کیا جاتا تھا، وہ ان کی بڑی زبردست قدر و منزلت کیا کرتا تھا۔ ان لوگوں کو اس قدر تقرب حاصل تھا کہ کسی اور کو نصیب

نہ ہوا ہوگا۔ اس کے دربار میں "حکیم الملک نظام الدین احمد گیلانی" ایک بے بدل اور بہت زبردست فاضل حکیم تھا۔ جس کی حذاقت و دانائی کی بادشاہ نے بھی بے حد قدر کی تھی۔ اس باکمال طبیب نے اس دور میں بہت ہی اہم اور قابل قدر طبی خدمات انجام دی ہیں۔

یہ فاضل روزگار' ایران کا رہنے والا اور علامہ میر محمد باقر داماد کا شاگرد رشید تھا۔ ولایت سے ہندوستان آیا اور چند دن یہاں ٹھہرا رہا کئی رسالہ اس قیام کے دوران میں تالیف کئے۔ ہم نے اس کے رسالوں کا ایک مجموعہ دیکھا ہے' جو نہایت ہی اہم ہے۔ ایک رسالہ "عسل مصفیٰ" کے بیان میں ہے جس کے سبب تالیف میں لکھا ہے کہ

> "وہ دربار شاہی میں حاضر تھا' بحث و مباحثے ہو رہے تھے اثنار گفتگو میں شہد کی مکھی کا ذکر آیا اور اس پر گفتگو ہوتی رہی اس کے بعد سلطان نے میری طرف خطاب کرکے حکم دیا کہ تم اس کے متعلق ایک کتاب مرتب کرکے میرے سامنے پیش کرو چنانچہ مولف اجازت حاصل کرکے "آگہی محل" میں آیا' جو شاہی محلات سے تھا۔ اور یہاں بیٹھ کر اس نے اس رسالہ کے ساتھ ساتھ اور مخصوص جانوروں کے بھی حالات ایک جگہ قلم بند کرکے بادشاہ کی خدمت میں گزرانے۔"

اپنے اس مجموعہ میں اس نے ذکریا رازی کے ایک عربی رسالہ کو (جو جسم کے مختلف حصوں کے علاج کے بارہ میں ہے) نقل کیا ہے' اور کاتبوں کی وجہ سے جو اغلاط اور اسقام اس میں پائے جاتے تھے۔ ان کی تصحیح بھی کی ہے۔ اور لکھا ہے کہ میں نے اس کی چار گھنٹوں میں نقل کی ہے۔

یہ مجموعہ وہ ہے کہ اس نے اپنی زندگی کے دوران میں جو کچھ استادوں سے

پڑھا، اور سیکھا اور جن جن علوم کی کتابوں سے استفادہ کیا ہے ان سب کو قلم بند کرنے کی کوشش کی ہے۔

اِس کا ایک اور اس سے زیادہ قابل قدر، نادر و لاجواب مجموعہ ہم نے دیکھا ہے۔ یہ بھی تقریباً سو سے زیادہ کتابوں کا مجموعہ ہوگا۔ جو خود اس نے لکھی ہیں[1] وہ ایک کتاب کے دیباچہ میں لکھتا ہے کہ

"میں شاہ جہاں کے عہد میں دولت آباد میں ٹھہرا ہوا تھا اور شہنشاہ کے حسب الحکم "خان خاناں مہابت خاں" نے اس قلعہ پر چڑھائی کی، اور بعد فتح یہاں کے مال و دولت پر قبضہ جمایا اور لوگوں کو تکلیف دینی شروع کی۔ چنانچہ اس داروگیر میں اس نے میری ایک کتاب جلادی جس کی وجہ سے مجھے سخت افسوس ہوا، اور میں انتہائی غصہ کے عالم میں عراق واپس چلے جانے کے ارادے سے مچھلی پٹن پہنچا۔ یہاں ابھی ابھی آیا تھا کہ قطب شاہیہ خاندان کے تاجدار سلطان عبد اللہ قطب شاہ کا فرمان میرے پاس آیا جس میں بادشاہ نے میرے دربار آنے کی بڑی خواہش ظاہر کی تھی، اور بڑی داد و دہش و انعام و اکرام کے وعدے کئے تھے۔ چنانچہ جب میں دربار میں حاضر ہوا، تو بادشاہ نہایت اعزاز کے ساتھ پیش آیا۔ اور اپنے مقربین خاص میں مجھے جگہ دی۔ اور میرے لئے طب کی نادر کتابوں کا ایک بہت بڑا کتب خانہ جمع کیا۔ جس کے مطالعہ میں میں رات دن مصروف رہتا تھا"[2]

اِس طبیب نے نہایت آن بان کے ساتھ بادشاہ کی خدمت گزاری کی،

---

[1] ان کے کئی رسالے مرحوم خدا بخش خاں کے بھی کتب خانہ میں موجود تھے۔ اور ایک مجموعہ کا تذکرہ جس میں حُنین کے رسالے ہیں ہم نے اس کے متعلق خلفاء عباسیہ کے دور میں لکھ دیا ہے ۱۲

اور ۱۰۵۹ھ میں انتقال کیا۔ قلعہ گولکنڈہ کی شمال جانب ایک موضع آج تک "حکیم پیٹھ" کے نام سے آباد ہے یہ اسی کا بسایا ہوا ہے۔ اور اس موضع میں ایک نہایت ہی دلفریب اور پُر فضا پہاڑ واقع ہے اور اس پہاڑ پر ایک گنبد ہے جس میں اس کی قبر موجود ہے۔ یہ مقام اپنی دلکشی کے لحاظ سے دید کے قابل ہے اور اب ہمارے محکمہ آثار قدیمہ کی توجہ سے ایک حد تک محفوظ ہو چلا ہے۔

گنبد کے داخلی دروازہ پر "فوت الحکیم" لکھا ہوا ہے جس کے نیچے ۱۰۵۹ھ درج ہے۔

سلطان عبداللہ قطب شاہ کے عہد میں محمد شاہ نامی ایک اور بزرگ دربار شاہی سے تعلق رکھتے تھے جن کا تخلص جاجی تھا۔ انہوں نے "لذات النسا" کے نام سے ایک منظوم کتاب لکھی۔ بعض ناواقف اس قسم کی کتابوں کو معیوب سمجھا کرتے ہیں، حالانکہ اس قسم کے معاملات کو زندگی، اور اس کی مسرتوں سے بڑا تعلق ہوا کرتا ہے، اگر اس قسم کی ضروریات پر خاص طور پر فنی حیثیت سے نظر ڈالی جائے اور مدتوں کے تجربوں اور مشاہدوں کے بعد اس کو مدون کیا جائے تو کوئی قباحت نہیں، اس لئے کہ زندگی کا یہ شعبہ موت و حیات کا درجہ رکھتا ہے اور درحقیقت اس قسم کی کتابوں کا مقصد انسان کو اس کی اپنی زندگی کے اس پہلو سے آگاہ کر دینا ہوتا ہے اسی لئے متقدمین ہی سے اس پر کام ہوتا چلا آیا ہے۔ مؤلف نے اپنی کتاب کی ابتداء حمد و نعت کے بعد ان اشعار سے کی ہے، جن کا انتخاب ہم آپ کی نظروں کے سامنے پیش کر رہے ہیں، اس سے کتاب کے متعلق آپ کو سارے معلومات حاصل ہو جائیں گے۔

"بلند مرتبہ شاہِ عالم پناہ — جہاں دار سلطان عبداللہ دجہداکہ
زدہ صف بہ پیشش نگاراں ہزار — ستادہ بہ پیشش کلہ داراں ہزار

باطرافِ مشرق دریں ژرف دہر — یکے ہست خوش صید رابلہ (؟) شہر

بدانی محمد شاہ (رشہ) نامِ من — تخلص بہ جامی درانظامِ من

یکے از غلامانِ درگاہِ او — غلامیست جامی نکو خواہِ او

ہوس شد مراہم بحکمِ زمان — کہ سازم یکے نسخہ شرح وبیان

بالطافِ آن شاہِ گردوں جناب — بشیرین سخن، نظم کردم کتاب

بغربت فتادیم یک چند روز — جدا از دنیا، بعشق و بسوز

نہ دل باکسے در جہاں بستہ ام — نہ باکس بہ دنیا (ئے) پیوستہ ام

اگرچہ ز اہلِ عجم نیستم — بطرزِ سخن، طفل ہم، نیستم

بگفتست "کوکا" سی چار باب — کہ بوداست دانش درو کامیاب

من ایں کاخ پایہ بانداختم — سی وپنج وشش باب درساختم

بدیں کاخ نوبستہ اندوہ گنج — بسے بودہ محنت، بسے دیدہ رنج

فزودم درو حکمتے از دگر — ہمہ آزمودہ، ودیدہ ہنر

زجوگی و سیاح دیدم بسے — بسے کردہ ام خدمت ہر کسے

ہمہ آزمودہ بُود ایں ہنر — دریں باب کردم، بسے خاک زر

کہن شاستر "کوک" بودہ قدیم — اگرچہ ہمہ آزمودہ حکیم

باقبالِ شاہِ زمان و زمن — سخن مُردہ را زندہ کردم سخن

جہاں بانست سلطان عبداللہ (علیہ) — خدائش بکونین، بادا پناہ

کہ ہرچہ آزمودم نوشتم کتاب — بیابند تا فیض، ہم شیخ وشاب

(۱۰۵۶ھ — اشرف سلہ)

زہجرت ہزار و سی و بیست و شش — رقم کردہ بودم، درآن وقت خوش

ے "اردوئے قدیم" کے مشہور مؤلف ومحقق مولوی حکیم شمس اللہ قادری صاحب نے اپنی تالیف میں اس کتاب کو سلطان محمد قلی قطب شاہ کے عہدِ حکومت سے منسوب کیا ہے، اور لکھا ہے کہ سنسکرت سے مؤلف نے اخذ کرکے یہ کتاب

بقیہ برصفحہ آئندہ

خاتمۂ کتاب پر کہتا ہے :۔

عزیزاں کتابے کہ گفتم بنظم	دُرر ہائے حکمت بسفتم بنظم
ہنرہائے نادر بگفتم بسے	بکار آیدت آز ما ید بسے
خدا بے شریک ست بے خواب وخفت	دگر ہر چہ کردہ است باطاق جفت
ز پیغمبراں تا صف اولیاء	ہمہ ذوق کردند بہر دوئے ہا
کسے نیست خالی ازیں کار و بار	بجز خالق خلق و لیل و نہار

اس فارسی منظوم کتاب کا ترجمہ "تحفۃ العاشقین" کے نام سے گولکنڈہ کے ایک صاحب قال پیرزادے سید میراں حسینی الملقب (لاڑلے حسینی) نے سید حسین کی فرمائش پر دکھنی زبان میں کیا تھا۔ مولوی حکیم سید شمس اللہ قادری صاحب کے بیان کے مطابق ان کی قبر گولکنڈہ کے دامن میں لنگر حوض کے قریب ہے یہ دکنی ترجمہ اردو کی ابتدائی تاریخ تالیفات میں ایک اہم درجہ رکھتا ہے۔ مشہور "کوکا" کی یہ کتاب مختلف زمانوں میں لکھی اور ترجمہ کی گئی ہے ہم نے اردو اور فارسی نثر و نظم میں اس کے متعدد نسخے دیکھے ہیں

ایک ڈاکٹر کا سلطان عبداللہ قطب شاہ کی فصد کھولنا	موسی ٹیویرنز نامی ایک فرانسیسی سیاح سلطان عبداللہ قطب شاہ کے زمانے میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) منظوم کی۔ آپ کے سامنے سنہ تالیف اور بادشاہ کے نام کے اشعار موجود ہیں اس سے غور فرمائیے کہ محقق موصوف نے کس حد تک صحت رائے سے کام لیا ہے قطعی طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ کتاب [illegible] میں سلطان عبداللہ قطب شاہ کے عہد میں لکھی گئی تعجب یہ ہے کہ حکیم صاحب نے اپنی کتاب میں تاریخ دکن صفحہ [illegible] کے علاوہ ریو کی دوسری جلد صفحہ [illegible] کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے کہ اس کو غلطی ہوگئی ہے یہ عبداللہ قطب شاہ کے عہد کی تصنیف نہیں اور اس کی رائے کو غلط ٹھہرا کر تردید کی ہے۔ حالانکہ خود موصوف کی تردید ہی غلط نظر آرہی ہے ع ہم الزام ان کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا۔ البتہ آن کے خیال کے مطابق مصنف کا نام محمد قلی نہیں معلوم ہوتا۔ (تفصیل اگر دیکھنی مقصود ہو تو اردو قدیم مطبوعہ نولکشور پریس صفحہ [illegible] ملاحظہ فرمائیے) [illegible] میں اس ترجمہ کے سنہ سے بھی اختلاف ہے کیونکہ اصل کتاب ہی جب [illegible] میں لکھی جائے تو یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ اس کا ترجمہ [illegible]

حیدر آباد آیا تھا۔ اس نے اپنے سفرنامہ میں یہاں کے اطبا، اور علاج معالجہ کے متعلق کچھ تفصیل سے واقعات لکھے ہیں۔ وہ لکھتا ہے کہ:۔

ہم گولکنڈہ پہنچ کر ایک ڈچ مسمی پیٹر ڈی لان کے پاس ٹھہرے جسے مسٹر چیٹر سفیر بٹاویہ نے گولکنڈہ میں چھوڑا تھا۔ یہ بادشاہ کا سرجن تھا۔ بادشاہ نے بڑے اشتیاق سے اُسے ایلچی سے مانگ لیا تھا کیونکہ بادشاہ کے سر میں ہمیشہ درد رہتا تھا، اور اطبار شاہی نے جو تجویز کی تھی کہ زبان کے نیچے چار جگہ فصد کھلوانی پڑے گی لیکن کوئی باکمال جراح موجود نہ تھا، جو اس کام کو بجالاتا کیونکہ اس ملک کے لوگ جراحی مطلق نہیں جانتے۔"

اس سرجن کی شاہی ملازمت اور اس کے فصد کھولنے کا قصہ گو ڈاکٹری سے تعلق رکھتا ہے، مگر ہمیں اس وقت کی جراحی کی پستی دکھانی مقصود ہے کہ اچھے اچھے اطبار نے اس فن کو ترک کر دیا تھا۔ اور محتاج بنے بیٹھے تھے، اس لئے یہاں سلسلۂ بیان میں درج کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔

"ذکر رکھنے سے قبل ڈی لان سے دریافت کیا گیا کہ کیا اُسے فصد کھولنی آتی ہے۔ تو اس نے کہا کہ یہ تو جراحی کا معمولی کام ہے۔ بٹاویہ کا ایلچی اس سرجن کو چھوڑنا نہیں چاہتا تھا، اس نے صرف بادشاہ کی ناراضی کے خیال سے اس کو یہاں چھوڑ دیا۔ ڈی لان کی تنخواہ یہاں (۸۰۰) پیگوڈا[1] مقرر ہے۔ جب ایلچی مذکور چلا گیا تو بادشاہ نے چند دن بعد اس سرجن کو بلایا، اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کر لیا گیا ہو۔ اگر یہ نسخہ ہمارے پیش نظر ہوتا تو ہم اس جزو پر بھی تفصیلی روشنی ڈالتے ہاں یہ ممکن ہے کہ اس منظوم فارسی ترجمہ سے ترجمہ کرنے کی بجائے "اصل کوک شاستر" سے دکنی میں ترجمہ کر لیا گیا ہو ۱۲

[1] پیگوڈا سلطنت قطب شاہی کا ایک سکہ جو تقریباً آٹھ روپیہ حالی کے مساوی ہوتا تھا۔

کہا کہ اطبار کی رائے ہے کہ زبان کے نیچے چار جگہ فصد کھلوانی ہوگی، اور (۲۰) تولہ ۸ اونس) سے زیادہ خون نہ نکلنے پائے، سرجن نے رضامندی ظاہر کی، اور دوسرے روز اس کو حاضر ہونے کا حکم ہوا۔"

"ڈی لان حسب الحکم دوسرے روز دربار میں حاضر ہوا دو تین خواجہ سرا آئے اور ایک کمرہ میں اُسے لے گئے پھر یہاں سے چار بوڑھی عورتیں اُسے حمام میں لے گئیں اس کے کپڑے اُتارے، اور اُسے نہلایا۔ اور خاصکر ہاتھوں کو خوب دھویا گیا، پھر اس کا جسم دواؤں وعطریات سے معطر کیا گیا۔ اور اس کے بعد اس کو یوروپین لباس کی بجائے درباری لباس پہنایا گیا، یہاں سے وہ بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ظروف طلائی لائے گئے۔ اطبار سارے بادشاہ کے اطراف موجود تھے، ان برتنوں کو پہلے ہی تول لیا گیا تھا، تاکہ بعد میں خون جسکی مقدار پہلے ہی سے معین کردی گئی تھی، فصد کھولنے کے بعد وزن کرلیا جاسکے۔ ڈاکٹر نے بادشاہ کی زبان کی چار جگہ فصد کھولی، اور اس کمال سے نشتر لگایا کہ جب خون کے برتنوں کو تولا گیا تو ۸ اونس سے زیادہ ایک رتی بھر بھی خون نہ نکلا۔ بادشاہ اس قدر خوش ہوا کہ اُسے تین سو پگوڈا انعام میں سرفراز کئے۔ اس کے بعد بادشاہ کی والدہ اور اس کی ملکہ وغیرہ نے بھی حرم سرا میں بلواکر ڈاکٹر سے فصد کھلوائی۔ اور بہت کچھ انعام اکرام دیا۔"[1]

ٹیپو ریز آگے چل کر بادشاہ کے طبیب خاص کا بھی بہت ہی مختصر ذکر کرتا ہے۔

---

[1] حرم سرائے شاہی کی عورتوں کی فصد کھلوانے کی تفصیل جو بہت دلچسپ ہے سیاحت نامہ ٹیوریز صفحہ ۲۵۹ پر ملاحظہ فرمائیے۔

جس کا لقب افسر الاطباء، لکھا ہے۔

موسیو تھیونو نامی ایک اور فرانسیسی سیاح بھی اس عہد میں یہاں آیا تھا، اس نے یہاں قولنج کے درد کے علاج کی تعریف کی ہے، اور اس کے اقسام بیان کئے ہیں، اور اس مرض کے "علاج بالکی" کی بہت سی قسمیں، اور نزاکتیں بیان کی ہیں، اور نسخہ بھی معلوم کر کے لکھا ہے[1]

قطب شاہیہ حکومت کے بعد، دکن پر کچھ عرصہ تک مغلوں کا تسلط برقرار رہا، اور مختلف صوبہ دار مقرر ہوتے رہے۔ جنوبی ہند کی اور ریاستوں میں سلطنت میسور، اور نوابانِ ارکاٹ کے بھی درباروں میں نامور اطباء جمع تھے۔ اور ٹیپو سلطان نے تو طب کی طرف خاص توجہ کی تھی۔ اور اس کے حکم سے مفرداتِ طب بحر المنافع، تحفہ محمدیہ وغیرہ کے نام سے بہت سی طبی کتابیں تالیف ہوئیں۔

طب سلاطین آصفیہ کی شاہانہ سرپرستیوں میں

حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردی علیہ الرحمہ کے سلسلۂ نسب میں، بخارا کی سرزمین پر بعض ان کے نام لیوا، زہد و تورع کی مسند جلالت پر رشادت خلق کے ساتھ ساتھ علمی فیضان کے پھیلانے میں مصروف ہوتے ہیں۔ قدرت کو منظور ہوتا ہے کہ ان کا ابر کرم ہندوستان پر بھی برسے اس لئے خواجہ عابد کے نام سے ایک صاحب فضل و کمال بزرگ اس خاندان میں جنم لیتا ہے، اور وہ سن رشد کو پہنچ کر ہند کی سرزمین کا رخ کرتا ہے، شہنشاہ اورنگ زیب علیہ الرحمۃ کے صدر الصدور کی حیثیت سے ایک طرف خدائی احکام کی توسیع و اشاعت کرتا ہوا نظر آتا ہے تو

[1] یہ سفرنامہ بھی "سیاحت نامۂ موسیو تھیونو" کے نام سے چھپ چکا ہے، اور یہ نسخہ ص۱۲۲ پر درج ہے۔

دوسری طرف سلطنت کی خدمت کرتا ہوا اپنی جانِ عزیز تک کو نذر کر دیتا ہے
اِن ہی خواجہ عابد کے صاحبزادے شہاب الدین خاں (فیروز جنگ اول) کے
گھر میر قمر الدین خاں کے نام سے ایک لڑکا اس عالم اجسام میں سانس لینے کے لئے
وجود میں آتا ہے، جسے قدرت دکن کی سرزمین کی بادشاہت کے لئے منتخب
کرتی ہے۔ حالات و واقعات اِس قسم کے رُونما ہوتے ہیں کہ قمر الدین خاں بہادر
(نظام الملک آصف جاہ اول) دکن آتے ہیں، اور اپنی اولاد کے لئے ایک
عظیم الشان سلطنت چھوڑ جاتے ہیں، جو "دولت آصفیہ" سے موسوم ہوتی ہے۔

مغفرت مآب حضرت آصف جاہ اول جن خوبیوں کے انسان تھے اُن کے
حالات پڑھ کر حیرت ہوتی ہے۔ وہ ایک بادشاہ ہونے کے علاوہ بڑے زبردست
صاحب علم و فضل بزرگ گزرے ہیں، جن کی صفات اور خوبیوں سے دکن کی ساری
تاریخیں بھری پڑی ہیں۔ وہ ایک غیر معمولی انسان اور نوعِ انسانی کے بڑے زبردست
نبض شناس تھے۔ انہیں اپنی عزیز رعایا کا بے حد پاس تھا، اور ساری زندگی
ان کی صلاح و فلاح اور رفاہی کاموں کے انجام دینے، اور خلق اللہ کو آرام پہنچانے
کے خیال میں صرف فرمادی۔

حضرت آصف جاہ اول کی طبی سرپرستی

حضور آصف جاہ اول اپنے آبا سلطنت دہلی کے
وزیر اعظم اور ایک مدبر انسان تھے۔ اور انہوں نے
ایک مکمل نظام سلطنت کو دہلی جیسی عظیم الشان سلطنت میں چلا کر بہت بڑا تجربہ
حاصل کیا تھا۔ جب دکن میں مستقل طور پر خود مختارانہ حکومت قائم فرمائی تو صیغہ طبابت
کو سب سے پہلے ترقی دینے کی فکر کی۔ ان کا دربار علماء، فضلاء کے ساتھ بہترین
اطباء سے بھی معمور تھا۔ جب دلی سے حضرت مغفرت مآب دکن کے ارادے سے
نکل پڑے، تو اس وقت یہاں کے بہت سے باکمالوں کے ایک جم غفیر کو بھی جو

اپنے ہمراہ لیا، اِن میں اطباء کا بھی ایک بڑا گروہ تھا، اس وقت حکیم عبدالحسین خاں حکیم محمد امین الدین اصفہانی، حکیم محمد جعفر شیرازی حکیم محمد اصفہانی، حکیم جعفر ثانی اور حکیم محمد نقی خاں وغیرہ ہمراہی کا شرف رکھتے تھے ان حکماء کے سوا حسب ذیل اور اطباء بھی ملازم تھے۔

(۱) حکیم محمد حسین (ان کے متعلق لکھا ہے کہ سرکار آصفیہ سے ہزار روپیہ ماہوار ملا کرتی تھی) (۲) حکیم محمد محسن صفاہانی (۳) حکیم جعفر (ان کو حضور نے "ارسطو خاں" کا خطاب بھی مرحمت فرمایا تھا) (۴) حکیم معصوم خاں (۵) حکیم محمد تقی اصفہانی (یہ حضور کے دربار میں عضد الدولہ عوض خاں بہادر صوبہ دار برار کے ساتھ پانچ سو سوار و نیز جمعیت کے ساتھ حاضر ہوئے تھے۔) (۶) حکیم عزت طلب خاں۔ یہ بھی دربار شاہی سے تعلق رکھتے تھے، اور مبارز خاں کی لڑائی میں گرفتار ہو کر حضرت آصف جاہ کے ہاتھ آئے، اور حضرت نے رہا فرما کر ان کے ساتھ شاہانہ مراحم مرعی رکھے۔

(۷) کھمل نامی ایک جراح بھی تھا، جو سارے جراحوں کا سرکردہ مقرر کیا گیا تھا اور اپنے فن کا بے نظیر آدمی تھا۔ تاریخوں کی ورق گردانی سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مغفرت مآب علیہ الرحمہ کے دربار سے متعلق ایک ڈاکٹر بھی تھا۔ چنانچہ اس ڈاکٹر نے انوار اللہ خاں دیوان سرکار کا علاج کیا، جو "مرضِ آکلہ" میں سخت علیل تھا (جس میں آدمی کی زبان گل کر جھڑ جاتی ہے)۔ اس موقع پر یہ ڈاکٹر، حکیم محسن خاں۔ و حکیم معصوم خاں کے ساتھ شریک علاج تھا۔ لیکن مرض کی شدت کی وجہ سے آدھی زبان گل کر، گر گئی تھی[1]۔

لکھا ہے کہ ایک دفعہ آصف جاہ بہادر کے سینہ پر پھوڑا نکل آیا۔ جس سے

---

[1] تاریخ ریاست حیدرآباد صہ۱۵۱

مزاج سخت ناساز ہوگیا تھا۔ ورم کی وجہ سے سخت تکلیف کے سوا ر پیپ بھی پڑ گئی تھی یونانی اور ہندی دونوں قسم کے علاج ہوئے، مگر کوئی فائدہ نہ ہوسکا اتفاق سے اِس زمانہ میں گجرات سے ایک بوہرا آیا؛ اس نے ایسا حکمی معالجہ کیا کہ بیس روز میں مرض بالکل جاتا رہا۔ اور پھوڑہ کا نام و نشان تک بھی باقی نہ رہا۔ اعلحضرت نے اس بلائے ناگہانی سے نجات پاکر اس بوہرے کو چاندی میں تلوایا، اور پانچ ہزار پانچ سو روپیہ، جو اس کے ہم وزن ہوئے تھے، سرفراز فرماتے ہوئے، خلعت بھی مرحمت کیا۔[1]

حضرت آصف جاہ اول کے بڑے صاحبزادے، امیرالامراء غازی الدین خاں بہادر فیروز جنگ، جو شہنشاہِ دہلی کی خدمت میں، اپنے والد بزرگوار کی نیابت فرمایا کرتے تھے، جب نواب ناصر جنگ بہادر شہید ہوگئے، تو شہنشاہ دہلی سے دکن کی حکمرانی کا فرمان لے کر اورنگ آباد آئے، تو اُن کے ہمراہ ایک فرانسیسی ڈاکٹر "ڈی ڈولٹن" تھا جس کو انہوں نے فرانسیسوں کے پاس اپنا سفیر بھی بنا کر بھیجا تھا۔

فیروز جنگ بہادر جب دکن کے ارادے سے برہان پور پہنچے تو یہاں ان کی خدمت میں حکیم عبدالسلام عرف حکیم چھمو موجود تھے۔ شہزادے صاحب ان کی کمال عزت فرمایا کرتے اور بڑے معتقد ہوگئے تھے۔ یہ حکیم صاحب برہان پور کے نامی اطباء میں تھے، انہوں نے ایک کتاب "قرابادین سلامی" بھی تصنیف کی تھی۔[2]

طب پر نواب نظام علیخاں بہادر کی شاہانہ توجہات

جب نواب ناصر جنگ،

[1] تاریخ دکن مؤلفہ اختر صاحب و جلیل صاحب ص۲۸۳، ۱۲ [2] تاریخ برہان پور ص۱۹۱

اور صلابت جنگ کے بعد نواب میر نظام علی خاں بہادر اسد جنگ آصف جاہ ثانی تخت نشین ہوئے تو دکن کی سلطنت میں تازگی پیدا ہو گئی اور ملک میں سرعت سے ترقی کی ایک لہر دوڑ گئی ان کی شاہانہ قدر دانیوں کے باعث بہت سے علماء، فضلاء اور اطباء اقطاع ہند سے کھنچ کھنچ کر دربار حیدرآباد چلے آئے۔

تاریخوں میں لکھا ہے کہ حضرت آصف جاہ ثانی نے اطباء کی نہایت شاہانہ فیاضیوں اور عطیوں سے قدر دانی فرمائی ہے۔ اور ہمیشہ فن طب سے آپ کو گہری دلچسپی رہی۔ جب آپ ایک دفعہ بیمار ہو گئے تھے تو اطباء نے ایسا بے نظیر علاج کیا کہ بہت جلد آرام ہو گیا۔ اسی خوشی میں ۱۳ ربیع الاول ۱۱۹۴ھ کو "جشن صحت" منایا۔ اور اس محفل میں اطباء کو جواہر و خلعت سے سرفراز فرما کر ان کی قدر افزائی کی۔

جب ایک دفعہ مبارز الملک ظفر الدولہ دھونسہ مرض سرطان سے سخت علیل ہو گئے تھے، تو ان کے علاج کے لئے اعلیحضرت نے حکیم باقر خاں مسیح الدولہ اور "پلینا" جراح کو روانہ فرمایا تھا۔[1]

۸ جمادی الاولی ۱۲۰۱ھ کو غفران مآب نواب نظام علی خاں بہادر قلعہ گولکنڈہ کی سیر کے لئے تشریف لے گئے اور یہاں اس شاہانہ تشریف آوری کی تقریب میں "زنانہ مینا بازار" لگایا گیا تھا۔ (یعنی عورتوں کا میلہ بھرا تھا) اور بڑے ہی اہتمام و انتظام سے یہ سارے انتظامات عمل میں لائے گئے تھے۔ اس بازار کے انعقاد کے قریبی دنوں میں حضور ایک دن مسند پر تشریف فرما تھے، اور کسی بیگم کی ایک بندریا بھی جو پلی ہوئی تھی، مسند کے نزدیک آ کر بیٹھ گئی تو اعلیحضرت اس پر شفقت سے ہاتھ پھیرنے لگے، لیکن اس وحشی جانور نے فوراً دست مبارک کو

---

[1] تاریخ ریاست حیدرآباد صفحہ ۱۴۳ مؤلفہ نجم الغنی صاحب رامپوری۔

بری طرح زخمی کر دیا۔ اور اس قدر گہرا زخم بیٹھا تھا کہ قریباً دو ماہ بعد صحت پائی،
اس وقت جن جراحوں نے بڑی دانائی سے علاج کیا تھا حضور نے اُنہیں انعام واکرام
سے مالامال کر دیا۔ اور صحت کے بعد ایک جشن صحت بھی ترتیب دیا گیا[1]۔ اس واقعہ کی
تاریخ اسد علی خاں تمنّا نے

"اے دستِ ترا مددِ ید اللہ"

۱۲۰۳ھ

سے نکالی۔

نواب نظام علی خاں بہادر جب ٹیپو سلطان کی لڑائی کے بعد مقام پانگل سے
حیدرآباد واپس آرہے تھے، تو گرمی کی شدت اور آب و ہوا کی خرابی کے باعث
"تہیج اطراف" کا عارضہ ہوگیا تھا۔ مرض اس قدر شدت پکڑ چکا تھا، کہ لوگ حضور
کی نسبت غلط افواہیں مشہور کرنے لگے تھے، مگر شہر آنے کے بعد دربار شاہی کے
حکماء نے ایسا معقول علاج کیا کہ بہت جلد صحت نصیب ہوگئی۔ اور یہ مرض بالکل
جاتا رہا۔

شعبان ۱۲۱۲ھ میں اعلیٰ حضرت پر جب فالج کا حملہ ہوگیا تھا تو اس موقع پر
بھی اطبار کی مساعی قابل قدر تھیں۔

حضرت سکندر جاہ بہادر کی طبی قدر دانیاں

سکندر جاہ بہادر ۱۲۱۸ھ تا ۱۲۴۴ھ آصف جاہ ثالث کا دور
طبی سرپرستیوں اور اس کے کارناموں کے لحاظ سے
ایک درخشاں دور تھا۔ حضور کے عہد میں بڑے بڑے اطباء دربار میں جمع تھے گو
اُن میں سے اکثر نظام علی خاں بہادر کے دور میں حیدرآباد آئے، مگر اکثر و بیشتر نے
ان کے عہد میں شہرت حاصل کی اور اس کثرت سے اطباء تھے کہ شاید ہی کسی اور

---

[1] داستان نظام علی خاں قلمی ۱۲

دور میں موجود ہوں گے اکثر شاہی مشغلہ بھی طبی دلچسپی رہا کرتا تھا۔ حضور اس فن کے گرویدہ اور بڑے دل دادہ تھے خود بھی نہایت اچھی دستگاہ رکھتے اور اکثر موقعوں پر اُمراء وغیرہ کو اپنے شاہی توشہ خانہ سے دوائیں سرفراز فرمایا کرتے تھے اس عہد میں بڑی چوٹی کی طبی کتابیں بھی تالیف ہوئیں۔ اور حضرت نے خود اپنے مجربات وآزمودہ چیزوں کو ایک جگہ جمع کرکے حکم دیا کہ ان کو ایک تالیف کی شکل میں مرتب کیا جائے۔ حضور کو زیادہ تر ہندی ادویہ سے دل چسپی تھی۔ اور یہ مجموعہ حکیم شیخ حیدر مصری کے اہتمام سے تیار ہوا اس کا نام "قرابا دین ہندی" ہے۔ اور اس میں وہی خاص نسخے درج ہیں جن کو خود اعلیٰ حضرت نے بہ نفس نفیس آزمایا تھا۔ یہ مجموعہ ذی حجہ ۱۲۵۶ھ میں مرتب ہوا، اور اس کی اکثر دوائیں تیار کراکے توشہ خانۂ مبارک میں بھی رکھی تھیں کہا جاتا ہے کہ یہ دوائیں حضور کے بعد بھی ایک عرصہ تک توشہ خانہ میں موجود تھیں۔

آپ کے عہد کی ایک دوسری شہرہ آفاق تالیف "یادگارِ رضائی" ہے جس کے نام سے ہر ایک طبیب کم وبیش واقف ہے۔

اس کا اصل نام "تذکرۃ الہند" ہے جس کے مؤلف حکیم رضا علی خاں تھے ابتداً میں مولف کتاب کے والد حکیم محمود علی بن حکیم حضرت اللہ نے اسکو عربی میں لکھا تھا۔ بعد کو ان کے صاحبزادے نے اس کی تکمیل کی چنانچہ ابن محمود دکنی (یعنی خود حکیم رضا علی خاں) نے سبب تالیف میں یہ لکھا ہے کہ۔

"مجھے بھی وراثتہً علم طب سے فطری دلچسپی تھی اور میں نے مولوی سید محمد حسینی عرف سیدن صاحب قبلہ کی خدمت میں اس فن کی تکمیل کی۔ اور اس کے بعد جب میری نظر حضرت والد ماجد قبلہ کی اس کتاب پر پڑی تو دیکھا کہ یہ بالکل غیر مرتب ومسودہ کی حالت میں ہے اور حضرت کی عمر شریف بھی اس وقت نوّے برس کی تھی

قویٰ میں فتور و ضعف پیدا ہو چکا تھا، بالآخر اسی مرض سے انتقال بھی فرمایا
اس کے بعد میں نے حضرت کی اس محنت عظیم کو مکمل کر کے اُن کی اس
یادگار کو دنیا میں باقی رکھنے کا ارادہ کیا اور کمر ہمت باندھی اور خود اس
کتاب کی تحقیق و اضافہ کے لئے بڑا محنت شاقہ برداشت کرنے کے بعد
میں نے اس کو مکمل کیا اور حضرت والد علیہ الرحمہ نے جو عربی زبان میں اس کو
مرتب فرمایا تھا اس کی بجائے اس کا فارسی میں ترجمہ کر دیا تاکہ ہر شخص فائدہ
اٹھا سکے، البتہ خطبۂ کتاب کی اصل عبارت حضرت مرحوم ہی کی برقرار رکھی
اور اس کی تاریخ "تا جہاں باد یادگار رضا" سے استخراج کی۔

اس کتاب کو چھپوانے کا بیڑہ سب سے پہلے مولوی عبد العلیم نصر اللہ خاں نے
اٹھایا، جو حیدر آباد میں عدالت فوجداری کے افسر تھے۔ اور جنہوں نے "تاریخ دکن"
کے نام سے یہاں کی ایک تاریخ بھی لکھی مولوی صاحب خود ایک ادیب و عالم ہونے
کے علاوہ طبیب بھی تھے اور ڈاکٹری طب میں بھی دستگاہ رکھتے تھے، اور کئی طبی
تصانیف بھی لکھیں انہوں نے اس کتاب کو جب چھپوانے کا قصد کیا، تو سب سے
پہلے بڑی محنت و مشقت اٹھا کر اس کی تصحیح کی، اور اس کے بعد ~~۱۲۹۰ھ~~ ۱۲۸۲ھ کو
دار الطبع سرکار عالی میں چھپوانا شروع کیا جو ۱۲۹۱ھ میں مکمل طبع ہو کر نکلی۔ یہ ایڈیشن
نہایت چوڑی اور بڑی تقطیع پر طبع ہوا، جس کی کتابت بھی نہایت دیدہ زیب
اور (۸۰۰) صفحوں پر مشتمل تھی بعد کو ڈاکٹر اعتماد الحق نے بھی اسے چھپوانا شروع کیا
تھا، جو تقریباً پانچ سو صفحہ تک چھپی چونکہ یہ مکمل نہ ہو سکی تھی اسی لئے عام طور پر بازار
میں نہ آسکی۔

سنہ ۱۳۵۳ھ میں سرکار عالی کی امداد کی بنا پر من جانب انجمن اطبائے یونانی مولوی حکیم
ابو الفداء محمود احمد صاحب معتمد انجمن کی سعی سے مفید حواشی کیساتھ اس کتاب کا ایک

حصہ رائل سائز پر چھپا ہے۔ اس کا ترجمہ بھی ہماری نظر سے گزرا مزید تحقیق و تفتیش کے ساتھ یہ ترجمہ بھی شائع ہو جائے تو بہتر ہے۔

سکندر جاہ بہادر کی ایک گیارہ مہینے کی صاحبزادی' فیروز بیگم تھیں' جن کو اُمّ الصبیاں کا عارضہ ہو گیا تھا'

حضور کو اس بچی کے معصومانہ انداز بے حد پیارے معلوم ہوتے۔ اور وہ اسے کھیلتے ہوئے دیکھ کر بے اندازہ محظوظ ہوا کرتے تھے' جب یہ لڑکی بیمار ہوی تو شروع میں حکیم احمد یار خاں کا علاج رہا' اس کے بعد محمد اکبر حسین خاں (ولد حکیم صادق حسین خاں المعروف بہ حکیم منا صاحب) کا بھی علاج ہونے لگا۔ حکیم خواجہ غلام حسین خاں' جو ایک دیرینہ اور تجربہ کار حکیم تھے' اور اعلحضرت کے فراج میں ان کو دخل تھا' روشن بنگلے کے پاس ہی رہا کرتے تھے' انہوں نے اس معالجہ کے وقت احمد یار خاں سے کہا کہ آپ اپنے ساتھ چار پانچ اور تجربہ کار حکیموں کو علاج میں شریک کر لیجئے اور ان سب کے مشورہ سے کام کیجئے۔ مطمئن رہیئے کہ اگر فیروز بیگم کو آرام ہو گیا تو کوئی شخص آپ کے انعام میں شریک نہ ہو سکے گا۔ ورنہ خدانخواستہ دوسری صورت میں بدنامی' اور سب سے زیادہ عتاب شاہی کا ڈر لگا ہوا ہے۔ میں اعلحضرت کے مزاج سے بخوبی واقف ہوں' اور آپ سے عمر میں بھی بڑا ہوں' اور اپنی آنکھوں' دربار شاہی کے سارے واقعات دیکھے ہیں' اس لئے احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ آپ میری اس نصیحت پر عمل کریں اعتصام الملک کے سامنے بھی ان دونوں حکیموں کو بے حد تاکید کی' مگر ان لوگوں نے ایک نہ سنی' جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کو علاج میں کامیابی نصیب نہ ہو سکی' اور وہ لڑکی نویں محرم ۱۲۲۲ھ کو انتقال کر گئی۔ حضرت سکندر جاہ بہادر کو اس کا اس قدر رنج و غم ہوا کہ بے اختیار چیخیں مار مار کر روتے' اور بے قراری کے عالم میں چلتے پھرتے

کہ نوازش محل سے باہر نکل جائیں۔ اس موقع پر حکیم غلام حسین خاں، اور خان محمد مردھے نے جرأت کی اور آگے بڑھ کر عرض کی کہ حضور کی سلامتی چاہیئے، قدیم سے والیان ریاست کا ایسا دستور نہیں، "الصبر مفتاح الفرج" تو مشہور ہی ہے" یہ سنتے ہی حضرت رُک گئے، اور فرمایا:۔

"انا للہ وانا الیہ راجعون ہم خود جانتے ہیں کہ یہ ایک تقدیری امر ہے، سوائے صبر و شکر کے کوئی چارہ نہیں، لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ میں محبت میں بے حال ہوا جاتا ہوں"۔

اعلیحضرت ایک عرصہ تک اس رنج و غم میں مبتلا رہے، بالآخر خود ہی اس صدمہ سے بیمار ہو گئے۔

سکندر جاہ بہادر جب عارضۂ استسقاء سے علیل ہو گئے تھے تو ضعف جگر سے پاؤں پر ورم آگیا تھا۔ اس وقت وید اور یونانی اطبا علاج کرتے تھے، اور یہ رات دن خلوت مبارک میں حاضر رہا کرتے۔ ان معالجین میں حکیم شفائی خاں، حکیم مسیح الزماں، حکیم رضا علی خاں، حکیم تاج الدین خاں چینا پٹنی اور ویدوں میں رام بھٹ، وینکٹ رام (ساکنان عید گاہ کہنہ) شامل تھے۔ اور اعتصام الدولہ عرض بیگی کی نگرانی میں دوائیں وغیرہ تیار ہوتی تھیں، اور حکیم خواجہ غلام حسین خاں شب و روز ڈیوڑھی مبارک پر حاضر رہا کرتے تھے، اور اعلیٰ حضرت کو ان پر اتنا اعتماد تھا کہ ان کے مشورہ کے بغیر کوئی دوا استعمال نہیں فرماتے تھے۔ خواجہ غلام حسین خاں اور خان محمد مردھے وغیرہ خدمت میں حاضر رہا کرتے تھے۔ اسی علالت کے زمانے میں ایک دن حضور نے حکیم صاحب کو حکم دیا کہ "قرابا دین قادری" سے مرہم واخلیون کا نسخہ نکال کر تیار کیا جائے، اس نسخہ کے متعلق اس سے پہلے خان محمد کو ارشاد فرما چکے تھے لیکن اس وقت تک یہ نسخہ نہ نکلا تھا۔ غصہ میں آکر مردہ مذکور

کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ :-

"یہ شخص چار پشت سے ہماری سرکار کا پروردہ یافتہ اور نوکر چلا آتا ہے اور ہم اس پر ماں باپ سے زیادہ شفقت کرتے ہیں، لیکن دیدہ دانستہ عدول حکمی کرتا ہے آخر اس کو کیا سزا دی جائے کہ یہ درست ہو سکے"

اس عرصہ میں اس نے نسخہ نکال کر خدمت اشرف میں گزرانا، تو فوراً غصہ ٹھنڈا ہو گیا، اور (ہنستے ہوئے) فرمایا کہ اچھا جلدی تیار کرو"

اس وقت خان محمد مرد ھے نے اطلاع ملنے پر حضور سے عرض کی کہ جہاں پناہ! نیر الملک بہادر مدار المہام اور راجہ چندو لعل بہادر پیشکار، دو یونانی اطباء اور دو ویدوں کو لئے ہوئے خلوت مبارک پر موجود ہیں، اور یہ عرض کر رہے ہیں کہ ہم حکیموں کو لے کر حاضر ہیں، تاکہ ان لوگوں کو حضور کے پیروں کا ورم دکھلا کر معقول علاج کرایا جا سکے۔ تو اعلیحضرت نے یہ سن کر فرمایا کہ :-

"اگر یہ لوگ طبیبوں کو لائے ہیں تو ان سے کہو کہ مریضوں کو بھی پیدا کر لیں، ہم ایک بیمار ہیں، اور ہمارا ایک حکیم غلام حسین خاں ہمارے لیے کافی ہے۔ جو ہمارے مزاج سے خوب واقف ہے، مرہم داخلیوں کا نسخہ تیار کر رہے ہیں، جاؤ کہدو کہ چند روز میں ورم کم ہو جائے گا، عجلت کی کوئی ضرورت نہیں"

خان محمد نے پھر واپس آکر یہ عرض کی کہ وہ لوگ کہتے ہیں ہم جان نثاروں کو سرکار کے پیروں کا ورم دیکھے بغیر خاطر جمعی نصیب نہ ہو گی، باریابی کے امید وار ہیں، تو حضور نے فرمایا "جا کر کہو کہ وہ لوگ علم طب سے ناواقف ہیں، ہم حکیم خواجہ غلام حسین کو بھیجتے ہیں، ان سے سب حال دریافت کر لو" اور اس کے بعد حکیم صاحب نے

خطاب کر کے فرمایا کہ "جاؤ ذرا باہر جا کر ان لوگوں کو تسلی دے آؤ۔"

حکیم صاحب جب باہر آئے تو دیکھا کہ نیر الملک بہادر اور راجہ چندو لعل بہادر خلوت مبارک میں "آسا پالا" کے درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے ہیں اور ان کے ہمراہ تمام اُمراء اور اطباء وغیرہ موجود ہیں حکیم صاحب نے ان سب کو حکم شاہی سنا کر تسلی اور دلاسا دے کر واپس کر دیا۔

اس کے بعد حکیم صاحب موصوف نے اعلیٰ حضرت کا بہت ہی خوبی سے علاج کیا، اور مناسب تدبیریں اختیار کیں، یہاں تک کہ سارا مرض جاتا رہا۔ عید اضحیٰ کے روز جب حضور نوازش محل میں تشریف لائے تو فرمایا کہ جب سے ہم نے مرض استسقاء سے نجات پائی ہے، اور ورم کم ہو گیا ہے جسم بالکل ہلکا معلوم ہونے لگا ہے۔ سب امراء نے اس موقع پر صحت کی اور عید کی نذریں گزرانیں۔

اس واقعہ سے حضرت سکندر جاہ بہادر کی طبی دلچسپی اور ان کے گہرے ایقان کا پتہ چلتا ہے۔

سکندر جاہ بہادر مغفرت منزل کی بارگاہ میں حسب ذیل اطباء، بساط شاہی سے وابستگی کا شرف رکھتے تھے اور بعض سرکاری ملازمت میں داخل تھے۔

حکیم معالج خاں، حکیم الحکماء محی الدولہ، احمد یار خاں، حکیم شفائی خاں، حکیم باقر علی خاں، حکیم محسن خاں، حکیم صادق حسین خاں، حکیم رضا علی خاں بن حکیم محمود خاں (مولف یادگار رضائی) حکیم غلام حسین شاہ جہاں آبادی، حکیم عافیت طلب خاں حکیم مسیح الزماں، حکیم سید صاحب، حکیم میر معصوم علی، حکیم میر جواد علی خاں، حکیم مولوی سید ابراہیم، حکیم میر کاظم علی خاں، حکیم احمد اللہ خاں، حکیم شاہ علی حکیم بندہ علی خاں، حکیم میر صفدر علی، حکیم بندہ حسن، حکیم سید اعظم حسینی حکیم

خواجہ غلام حسین خان (مولف گلزار آصفیہ)[23]، جگناتھ مصری[24]، ذبحٹ رام رام چندر[25]
پسر گورونا[26]، ڈاکٹر کنٹری[27]، داکٹر نور[28]، غلام محی الدین جراح[29]

حکیم معالج خاں۔ سکندر جاہ بہادر کے دربار میں ان کو بڑی عزت حاصل تھی
مسیح الدولہ ساکن اورنگ آباد کے لڑکے تھے۔

حکیم الحکما، محی الدولہ ان کا نام عزت یار خاں تھا، اور یہ حکیم جعفر خاں کے
بیٹے تھے۔ سکندر جاہ بہادر کی والدہ تہنیت النسا بیگم ان کی بڑی عزت فرماتی تھیں۔
جب حج سے واپس ہوئے تو خود حضور اور ان کی والدہ نے بے حد نوازشیں
فرمائیں۔ یہ سلطنت کی خدمت صدرالصدوری اور محتسبی پر بھی فائز تھے۔

احمد یار خاں محی الدولہ۔ یہ عزت یار خاں کے لڑکے تھے، ہمیشہ مصاحبت
شاہی کا شرف حاصل کیا۔ اپنے والد کے انتقال کے بعد شہزادوں اور شہزادیوں
کے معالج رہے۔ لکھا ہے کہ ان کے والد اپنے تقدس و بزرگی کی وجہ سے
نظام علی خاں بہادر کی سالگرہ ڈالا کرتے تھے۔ ان کے مرنے کے بعد ان کے بیٹے
کو بھی حضرت سکندر جاہ بہادر نے یہ اعزاز مرحمت فرمایا تھا۔ یہ طبیب ہونے کے
علاوہ علم ریاضی میں بھی کمال رکھتے تھے، اور ایک اچھے خوشنویس بھی تھے۔
آبائی خدمت صدرالصدوری پر مامور رہے۔

حکیم شفائی خاں معتمد الملوک یہ چوٹی کے اطباء میں شمار کئے جاتے تھے
اور بہت مشہور طبیب تھے۔ حکیم احمد اللہ خاں ہندی کی شاگردی کا شرف حاصل
کیا تھا۔ شاہ جہاں پور سے حیدرآباد آئے اور ولیم پالمر صاحب کی وساطت سے
مہاراجہ چندو لعل کی ملازمت اختیار کی۔ اور ان کے مزاج میں بڑا رسوخ حاصل
کیا۔ اپنے زمانہ میں بڑے معرکے کے علاج کئے جس سے ان کی بڑی شہرت ہوئی
مہاراجہ کی وجہ سے دربار شاہی میں بھی مرتبہ حاصل کرلیا تھا اور خطاب

معتمد الملوک سے مفتخر کئے گئے۔ سات ہزار روپیہ کی جاگیر[1] اور ایک ہزار روپیہ تنخواہ مقرر تھی۔ متعدد مرتبہ نقد انعامات و خلعت فاخرہ سے سربلند ہوئے مہاراجہ چندو لعل کو ان کی وفات کا بڑا غم ہوا، اور کئی دن تک ان کی محفل میں ان ہی کا تذکرہ رہا کرتا تھا۔

حکیم صاحب موصوف علم و فضل میں یکتائے روزگار تھے خداداد ذہن و عقل پائی تھی۔ طب میں بڑی دستگاہ رکھتے تھے کثیر التصانیف مؤلف گزرے ہیں، ان کی حسب ذیل کتابیں ہم نے دیکھی ہیں۔

رسالہ شفائی خاں (عربی میں)، جامع اصول طبیہ، رسالہ استعمال چوب چینی رسالہ طب، رسالہ شفائیہ، علاج الاطفال، قوت لایموت، مجربات و بیان حمیات شفائی خاں، میزان المزاج، اور ایک کتاب کا نام "معالجات چندو لعل" بھی سنا ہے۔

حکیم محسن خاں دہلوی۔ شاہی اطباء سے تھے، وزیر دکن اعظم الامراء ارسطو جاہ بھی ان کو اپنے پاس سے ماہانہ چار سو روپیہ دیا کرتے تھے۔

حکیم صادق حسین خاں۔ عرف منتا صاحب۔ نظام علی خاں بہادر کے عہد میں حیدرآباد آئے تھے حضور میں باریاب ہوئے، تو اعلیٰحضرت نے عنایات شاہانہ سے دو سو روپیہ تنخواہ مقرر فرما دی تھی، اور زنانہ دیوڑھی پر متعین فرمایا تھا[2]

---

[1] مسلمان سلاطین نے اکثر اطباء کے نام معاشیں جاری کر دی تھیں۔ اور جاگیریں بھی مرحمت کی تھیں تاکہ وہ ان کی آمدنی سے مرضا کا علاج کر سکیں قریباً ساری اسلامی سلطنتوں کا یہ قاعدہ ہی ہو گیا تھا ۱۲ ۔ مولوی حکیم سید عبداللہ صاحب ترجمہ اس کتاب کا فارسی سے اردو میں ترجمہ کر رہے ہیں ۱۲

[2] صاحب گلزار آصفیہ نے صفحہ پر لکھا ہے کہ یہ اور ان کے بیٹے محرم میں اسقدر خوبصورت و نازک، کام کر کے تعزیے بنا کر اٹھاتے تھے کہ جس کا جواب سارے ہندوستان میں نہ تھا اور یہ اس خصوصیت کے باعث بے حد مشہور تھے۔

حکیم رضا علی خاں حکیم محمود خاں کے صاحبزادے تھے ارسطو جاہ بہادر اور شمس الامراء بہادر کے پاس ان کی بڑی عزت تھی۔ بعد میں اطباء سرکاری میں شامل ہوئے انہیں بھی دو سو روپیہ ماہوار سے سرفراز کیا گیا۔ سکندر جاہ بہادر کے ساتھ شوراپور کے بھی سفر میں رہے۔ یادگار رضائی ان ہی کی کتاب ہے، جس کا ذکر ہم آگے کر چکے ہیں۔

حکیم غلام حسین خاں۔ شاہ جہاں آباد کے رہنے والے تھے، ایک عرصہ تک راجہ گوبند بخش کے ساتھ رہے راجۂ موصوف ان کو کئی سال تک اپنی جیب خاص سے پانچ سو روپیہ ماہانہ دیا کرتے تھے۔ صاحب علم و فضل تھے فن طب میں کامل دستگاہ حاصل کی تھی۔ اور رات دن حضور کی پیشی میں رہا کرتے تھے۔

حکیم عافیت طلب خاں۔ شہزادۂ عالی جاہ (وفات ۱۲۱۰ھ) خلف اکبر آصف جاہ ثانی کی سرکار کے طبیب تھے۔ مہاراجہ چندو لعل کی بارگاہ سے بھی وابستگی رکھتے تھے پانچ سو روپیہ ماہوار مقرر تھی۔ اس کے سوا، چار ہزار روپیہ کی جاگیر بھی مرحمت ہوی شاعر بھی تھے۔

حکیم مسیح الزماں۔ موجودہ تحقیقات کی رو سے اردو زبان کی سب سے پہلی صاحب دیوان، اور دکن کی شاعرہ، ماہ لقا بائی چندا کے مصاحب تھے۔ اور خطاب مسیح الدولہ سے سرفراز ہوے۔

حکیم سید صاحب۔ قطب الدین دہلوی کے لڑکے۔ اور مرشد زادۂ صمصام الملک (فرزند سکندر جاہ بہادر آصفجاہ ثالث) کی مصاحبت میں رہے۔ حضور میں بھی باریاب تھے۔ چار سو روپیہ ماہوار تھی

حکیم میر کاظم علی خاں۔ سکندر جاہ بہادر ہی کے عہد میں حیدر آباد آئے پہلے گوالیار کے راجہ کے پاس تین ہزار روپیہ تنخواہ پر ملازم تھے وہاں سے ناراض ہو کر

جب حیدرآباد آئے تو مہاراجہ چندولعل نے اسی تنخواہ (تین ہزار) پر اپنے یہاں ملازم رکھ لیا۔ حالانکہ دوسرے اطباء کے مقابلہ میں انھیں کوئی خصوصیت حاصل نہ تھی۔ لیکن۔ چند دن بعد پھر اپنے وطن مالوفہ کو چلے گئے۔

حکیم خواجہ غلام حسین خاں (مؤلف گلزارِ آصفیہ)۔ ان کے والد کا نام خواجہ محمد باقر خاں تھا اور حکیم الممالک مسیح الدولہ کے خطابات سے سرفراز تھے۔ دادا کا نام حکیم خواجہ محمد صابر خاں تھا۔ ان کے متعلق لکھا ہے کہ یہ حضرت آصف جاہ اول کے عہد میں تھے اور حکیم خواجہ محمد باقر خاں، نواب نظام علی خاں بہادر کے دور میں محلات شاہی اور مرشدزادوں کے معالج ہونے کے علاوہ، خود اعلیٰ حضرت کا بھی علاج کیا کرتے تھے۔ ان کو پیش گاہِ سلطانی سے آٹھ ہزار کی جاگیر بھی سرفراز ہوئی جس میں قلعہ گولکنڈہ کے قریب کا موضع "ویل" بھی شامل تھا۔ ان الطاف شاہی کے سوا پانسو روپیہ اخراجات نوبت کے عنوان سے، اور تین سو روپیہ ماہوار نقد ملا کرتے تھے۔ انہوں نے ۹ رمضان ۱۲۳۰ھ کو انتقال کیا۔ ان کے چار لڑکے تھے، جن میں سب سے چھوٹے، صاحبِ گلزارِ آصفیہ تھے "غلام حسین" ۱۱۹۹ھ ان کا تاریخی نام ہے، اور زیادہ تر خان زماں خاں کے نام سے مشہور تھے نواب سکندر جاہ بہادر نے ان کو اپنے دربار میں طلب فرماکر باریاب فرمایا تھا۔ شبانہ روز ظل شاہی میں رہا کرتے تھے۔ سکندر جاہ بہادر کے انتقال تک دواخانۂ خاص کی تعلقداری سے سرفراز رہے۔ نوید محل، فرحت محل، اور مرشد زادوں کے خصوصیت سے معالج رہے۔ اور خود حضور کا بھی علاج کیا کرتے تھے۔

مصری اطباء میں جگنا تھ بہت ہوشیار تھا۔ اور ہمیشہ شیرخوار شہزادوں کا علاج کیا کرتا تھا۔ اور یہ عیدگاہ کہنہ کے پاس رہتا تھا۔

جراحوں میں غلام محی الدین، رام چندر، اور وینکٹ رام قابل الذکر ہیں۔

رام چندر کے متعلق لکھا ہے کہ یہ گوروناجراح کا لڑکا تھا۔ یہ وہی گوروناہے
جس کے نام سے آج تک ایک گلی حیدرآباد میں متصل قدم رسول (محلہ پنجہ شاہ)
مشہور ہے۔ اس کے متعلق لکھا ہے کہ اس نے بہرام جنگ کے پیر کے زخم کا بڑا
معرکتہ الآرا علاج کیا، جو مادۂ خبیثہ کے سبب پیدا ہو گیا تھا۔ اس نے میر عالم بہادر
کے پاس کے دو ڈاکٹروں کے سامنے (جن کا نام ڈاکٹر کنٹری و ڈاکٹر نور تھا اور جنہیں
میر عالم کی سرکار سے ماہانہ دو ہزار روپیہ مقرر تھے) اس پھوڑے کی ایسی قطع برید کی
کہ یہ دونوں ڈاکٹر اس کی مہارت و سبک دستی کو دیکھ کر حیران رہ گئے، اور انہوں نے
اس سے کہا کہ ہماری ولایت میں بھی تجھ سا باکمال موجود نہیں۔ اس باکمال جراح
کو شاہی خزانہ سے ماہانہ پانچ سو روپیہ تنخواہ مقرر تھی۔

صاحب گلزار آصفیہ نے لکھا ہے کہ سکندر جاہ بہادر کی سرکار میں فوجی
جراحوں کے سوا، دو سو جراح الگ نوکر تھے ان کے عہد میں شفاخانوں کا بھی
پتہ چلتا ہے۔ مگر کہیں تفصیل نہیں ملتی۔

اس دور میں مہاراجہ چندو لعل ۱۱۷۵ھ–۱۲۶۱ھ کی فیاضی و قدر دانی نے دکن کو
دور دور تک مشہور کر دیا تھا۔ ان کا دربار اہل کمال کا مرجع بنا ہوا تھا۔ اقطاع
ہند سے باکمال کھنچ کھنچ کر دکن چلے آرہے تھے۔ اور فضلاء و علماء کے ساتھ اطباء
کی بھی ایک کثیر جماعت ان کے دربار میں موجود تھی۔ جس سے مہاراجہ کی فن طب سے
دلچسپی و شغف کا اظہار ہوتا ہے۔ ان کی قدر دانیوں نے اس دور میں بہت سے
اچھے اچھے صاحب کمال اکھٹے کر رکھے تھے۔ اُن طبیبوں کے سوا، جن کا ذکر
ہم سکندر جاہ بہادر کے ضمن میں کر آئے ہیں، ان کے دربار میں بھی حسب ذیل اطباء
موجود تھے، جو صرف ان ہی سے تعلق رکھتے تھے۔

حکیم میر سلامت علی[۱]، حکیم مرتضیٰ خاں[۲]، حکیم عباس علی خاں[۳]، حکیم یادگار علی خاں[۴]

حکیم لطف حسین خاں، حکیم محمد نقی۔[1]

فن طب پر نواب ناصرالدولہ بہادر کی نوازشیں

۱۲۴۴ھ میں جب ناصرالدولہ بہادر (آصف جاہ چہارم) نے دکن کی زمام سلطنت ہاتھ میں لی، تو آپ کے عہد میں متعدد یونانی اطباء موجود تھے۔ آپ نے اپنے پدر عالی قدر (سکندر جاہ آصف جاہ سوم) کے نقش قدم پر اس فن شریف کی وہی شاہانہ سرپرستی فرمائی جو اس سلطنت کا طرۂ امتیاز تھی۔ البتہ اس دور میں یونانی طب کا ایک حریف دکن میں بھی وارد ہوا، اور یہاں اس کو قدم جمانے کا ایک قدرتی موقع ہاتھ آیا یعنی وہ حریف طب جدید (ڈاکٹری) تھی۔

لکھا ہے کہ ۱۲۵۷ھ میں نواب ناصرالدولہ بہادر کا مزاج ناساز ہو گیا تھا، اور "حرقت بول" کی شکایت تھی یونانی اطباء کا ایک عرصہ سے علاج جاری تھا مگر کوئی فائدہ نہ ہوا۔ ایک روز ولیم فریزر صاحب رزیڈنٹ دربار میں حاضر ہوئے اور حضرت کی مزاج پرسی کی۔ تو حضور نے فرمایا کہ:-

"ہم نے تمہارے ڈاکٹری علاج کی شہرت سنی ہے۔ کیا تمہارے پاس بھی اس مرض کا علاج ہوسکتا ہے؟"

تو صاحب عالی شان نے کہا کہ اگر حکم ہو تو ڈاکٹر حاضر کیا جائے، حضرت نے فرمایا کہ:-

"میں تمہاری طب کا علاج اس شرط پر کروں گا کہ کوئی دوا ایسے استعمال کیلئے نہ دی جائے۔ جیسا کہ حکیم علوی خاں نے نادرشاہ کے درد سر کا علاج کیا تھا۔"

بعد میں رزیڈنٹ نے ڈاکٹر مکلین رزیڈنسی سرجن کو پیش کیا، تو ڈاکٹر

[1] از عشرت کدہ آفاق مؤلفہ مہاراجہ چندولعل بہادر۔

موصوف نے صرف غذا کے پرہیز اور اس کی رُوک تھام سے تین مہینہ میں مرض کا ازالہ کر دیا، جس سے حضرت بے حد خوش ہوئے۔ اور ممالک محروسہ میں ڈاکٹری مدرسہ اور دواخانہ کھولنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔[1]

---

[1] ہم اپنے اسلامی طب کے تذکرہ کے ساتھ طب ڈاکٹری کے دکن میں رواج کی مختصر سی تفصیل بیان کر دیتے ہیں کہ ہمارے اطباء اس کی ابتدائی حالت اور موجودہ ترقی سے واقفیت حاصل کر سکیں۔ اصل قصہ یہ ہے کہ سکندر جاہ بہادر کے عہد ہی سے معمولی طور پر ڈاکٹری کا رواج شروع ہو چلا تھا یعنی اس اجمال کی تفصیل یوں لکھی ہے کہ اس دور میں عبدالقادر نامی ایک شخص ترپ بازار میں رہا کرتا تھا اور ڈیشن صاحب کے چپراسیوں میں ملازم تھا۔ اس نے سب سے پہلے کونین وغیرہ انگریزی دوائیں خرید کر اور ان سے واقف ہو کر لوگوں کا علاج شروع کیا اور کہتے ہیں کہ بہت مشہور ہو کر مالدار ہو گیا تھا۔

ڈاکٹری علاج سے جب ناصر الدولہ بہادر کو فائدہ ہوا، اور غسل صحت فرمایا۔ تو رزیڈنٹ بہادر مبارکباد کے لئے حاضر دربار ہوئے۔ تو حضور نے انہیں خلعت عنایت فرمایا۔ ساتھ ہی یہ بھی ارشاد ہوا کہ اگر ہمارے ملک میں بھی یہ علم یہاں کے لوگوں کو سکھایا جائے تو ہماری عزیز رعایا کو بہت نفع پہنچے گا اس کے بعد معلوم یہ ہوتا ہے کہ ڈاکٹری کی مخالفت میں سراج الملک نے بہت کچھ کہا۔ لیکن رزیڈنٹ نے ان کے خلاف گفتگو کی۔ اور بالآخر یہ قرار پایا کہ یہاں اس کی تعلیم شروع کرا دی جائے انتظامات کے بعد مدرسہ کھولنے کی اجازت کے لئے رزیڈنٹ نے حضور میں درخواست پیش کی۔ اعلیحضرت نے میر امام علی خاں بہادر کو (جو مقرب بارگاہ تھے) حکم دیا کہ سررشتۂ منصب سے ایسے بیٹیاں منصبداروں کا انتخاب کرو جن کی عمر سولہ یا اٹھارہ سال کی ہو، وہ ہوشیار اور لکھے پڑھے بھی ہوں تاکہ ہم انہیں ڈاکٹری سکھلائیں اور ادھر ڈاکٹر مکلین صاحب نے توپ کے سانچہ کے قریب اوگل صاحب کا مکان تیس روپیہ کرایہ سے لیا۔ دو چپراسی اور ایک منشی امیر علی اور مسٹر متری مترجم کو مامور کیا۔ اور طلبہ کے حاضر کئے جانے کے لئے عرضی گزرانی۔ یہ سنہ ۱۲۶۱ھ کا واقعہ ہے۔ اس عرضی کے بعد

(بقیہ بر صفحہ آئندہ)

نواب ناصر الدولہ بہادر کے دور میں طب یونانی اور مغربی دونوں نے ساتھ ساتھ ترقیاں کیں، اور سلطنت کی جانب سے ان دونوں کی سرپرستی کی جاتی رہی۔

(بقیہ صفحہ گزشتہ) ایک سال گذر گیا۔ مگر کوئی منصبدار شریک مدرسہ نہ ہوا تو اشتہار جاری ہوا کہ یہاں بلدۂ حیدر آباد میں ایک مدرسہ ڈاکٹری قائم کیا گیا ہے، جو اس فن کو سیکھنا چاہیں وہ حاضر ہوں۔ اس قدر لڑکے جمع نہ ہو سکے کہ درس شروع کر دیا جاتا۔ فقط تین چار آدمی آئے۔ اس وقت نواب ناصر الدولہ بہادر کا کوئی دیوان یا پیشکار نہ تھا، تمام کاروائیاں راست حضور میں جاتی تھیں۔ جب یہ کارروائی پھر حضور میں پہنچی تو اعلیٰحضرت نے میر امام علی خاں سے پوچھا کہ کیا وجہ ہے تم نے اب تک کسی کا انتخاب کرکے ہمارے سامنے پیش نہیں کیا؟ اس وقت غلام محی الدین جو نواب شمس الامراء بہادر کے وکیل تھے، حاضر دربار تھے، انہوں نے حضور سے عرض کی کہ اگر خادم کو حکم ہو تو، ابھی حاضر کرتا ہے۔ اعلیٰحضرت نے پوچھا کس طرح، تو کہا کہ نواب شمس الامراء بہادر کے مدرسہ میں منصبداروں کے چار سو بچے پڑھتے ہیں بہت سے ان میں فارغ التحصیل ہونے والے ہیں اگر حکم ہو تو ابھی انتظام ہو جا سکتا ہے۔ اجازت ملنے پر غلام محی الدین نے ۲۶ رمضان ۱۲۶۲ھ کو آٹھ بجے شب میں شمس الامراء بہادر کی خدمت میں پہنچ کر سارا ماجرا بیان کیا، تو نواب صاحب نے اسی رات مدرسہ کے استادوں کو بلا کر چند قابل لڑکوں کے حاضر کرنے کا حکم دیا۔ اسی وقت تیس لڑکے حاضر ہوئے۔ صبح ہی ان کو نواب صاحب ممدوح نے اپنے پاس بلایا اور امتحان لینے کے بعد نو لڑکے منتخب فرمائے، اور کہا کہ اگر تم لوگ یہ فن سیکھ لوگے تو ہاتھیوں پر چڑھو گے اور خوب دولت کماؤ گے۔ اور ان بچوں کو انعام وغیرہ مرحمت فرما کر ایک چپراسی کے ساتھ ڈاکٹری مدرسہ کو روانہ کیا۔ ۲۷ رمضان ۱۲۶۲ھ دوشنبہ کو یہ لوگ اسکول میں داخل ہوئے لیکن مدرسہ دیکھ کر گھبرا گئے اور "اسکلیٹن" (انسانی ڈھانچہ) دیکھ کر کانپنے لگے۔ ان میں سے دو کو اسی وقت بخار چڑھ گیا۔

(بقیہ صفحہ آئندہ)

اس عہد کی ایک کتاب "منتخب الادویہ" کے نام سے ہماری نظر سے گزری اس کے مولف محمد قمر الدین حسین ابن محمد نعیم الدین (معروف بہ حکیم منا المخاطب حکیم صادق حسین خاں) ہیں، جنھوں نے اس کو ۱۲۵۲ھ میں ترتیب دیا۔

(بسلسلہ گزشتہ) اس کے بعد یہ لوگ پھر مدرسہ نہ آئے۔ کچھ دنوں کے بعد لڑکوں کی تعداد پندرہ تک پہنچ گئی۔ ربیع الثانی ۱۲۶۳ھ میں تقریباً چھ مہینے بعد سراج الملک بہادر نے اعلیٰ حضرت کی ایماء سے مدرسہ کا معائنہ فرمایا، اور عین امتحان میں اعتراض کیا کہ جملہ ہڈیوں کے نام فارسی میں کیوں نہیں سکھائے جاتے اس وقت رزیڈنٹ نے کہا کہ فارسی میں ہر ایک ہڈی کا نام نہیں ملتا، سراج الملک نے یہ سن کر اسی وقت حکم دیا کہ وہ کتاب جامع الجوامع" لائی جائے۔ جب یہ کتاب آگئی تو خود سراج الملک نے کر دیکھنے لگے اور تشریح اعضاء کا بیان نکال کر دکھلایا کہ یہ دیکھو عربی میں ان کے نام درج ہیں۔ رزیڈنٹ نے کہا کہ عربی اصطلاحات کے سکھلانے میں بہت دقت ہوتی ہے۔ اس لئے ہم لوگوں نے انگریزی زبان میں جو نام مقرر کئے ہیں اسی میں تعلیم دینی مناسب سمجھتے ہیں۔ سراج الملک امتحان گاہ سے نکلے اور طلبہ کو دو سو روپے انعام میں مرحمت کئے۔ اس کے بعد مدرسہ کے حالات کی رپورٹ ہر روز حضور کے ملاحظہ میں پیش ہوتی۔ حکیم شفائی خاں بھی شوق سے مدرسہ میں آکر شریک ہوتے آٹھ سال کے بعد دس طبیب مدرسہ سے فارغ ہو کر نکلے اور انہیں ۱۲۹۶ھ میں لیاقت نامہ سرکاری دیا گیا۔ ان کی نسبت حکم ہوا کہ تیس تیس روپیہ ماہوار سے مامور کر کے اضلاع پر بھیجدو۔ ڈاکٹر مکلین جب مدرسہ پر مقرر ہوئے تھے، تو خود انہوں نے اردو سیکھ کر طلبہ کو اس کی تعلیم دینی شروع کی تھی اور تعلیم کا ذریعہ بھی اردو زبان رکھا گیا تھا۔ ۲۳ صفر ۱۲۷۳ھ میں اس مدرسہ کی جانب سے ایک رسالہ بھی "رسالہ طبابت" کے نام سے ڈاکٹر جارج اسمتھ کی ادارت میں نکلتا رہا جو غالباً حیدرآباد کے رسالوں میں سب سے پہلا رسالہ تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے اس رسالے کی اغراض اور اجراء کے متعلق شروع میں جو نوٹ لکھا تھا ہم اس کا یہاں اقتباس درج کرتے ہیں وہ لکھتے ہیں۔ (بقیہ بر صفحہ آیندہ)

مصنف نے لکھا ہے کہ ہندوستان میں عام طور پر عطاروں اور دوسرے لوگوں کی زبان پر فارسی عربی اور یونانی زبانوں کے نام مروج نہیں ہیں، اس لئے میں ایسی دواؤں اور غذاؤں کے متعلق یہ کتاب لکھ رہا ہوں جو ہندوستان میں اکثر اُردو ناموں سے مشہور ہو چلی ہیں، اور بہت ساری یہیں کی پیداوار ہیں۔

یہ کتاب نواب محمد رفیع الدین خاں بہادر نامور جنگ عمدۃ الدولہ عمدۃ الملک بنبیرۂ آصف جاہ ثانی کی عنایات کے باعث[له]، نواب ناصر الدولہ بہادر کے عہد میں لکھی گئی اور مطبع فیضیہ (مدراس) میں چھپی بھی ہے۔ چنانچہ آخر کتاب پر لکھا ہے۔

عمدۃ الملک فیض بخش جہاں — کہ بذاتش کمال گشت وسیع
ہست از قاف تا بہ قاف چنیں — صاحب صنعت و سخی و شجیع

(سلسلۂ گزشتہ) نواب سالار جنگ بہادر کی شفقت سے میں ان مکتب کے اگلے شاگردوں کو اس رسالہ کی معرفت کچھ لکھ بھیجنے کی قدرت پایا ہوں جس سے غیر حاضری کے سبب جو نقصان کہ ان کا ہے، اور جسمانی ملاقات کا خلل بھی دفع ہوگا میں اس رسالہ کو حتی المقدور تربیت نامہ بنانے کی کوشش کرتا ہوں چنانچہ اولاً جو کچھ ان کے لئے فی الواقعی مفید ہے سو اسکو منتخب کروں ثانیاً اسی انتخاب میں مقدمات طرح طرح کے جو حکیموں اور طبیبوں کو ضروری ہوں لکھوں بعض نادر اطلاع پذیر بیماریوں کا حال جو تم میں سے کوئی مجھے لکھیں گے سو وہ بھی اس رسالہ میں مذکور ہوگا۔"

یہ رسالہ نواب سالار جنگ بہادر کے سنگی چھاپہ خانہ سے طبع ہو کر شائع ہوا کرتا تھا۔ (تذکرۂ حیات صفحہ [illegible]) سنہ ۱۸۸۵ء تک میڈیکل بورڈ سکندرآباد کے ذریعہ اس کا امتحان ہوا کرتا تھا سنہ [illegible] کے بعد اس مدرسہ کی تعلیم کا ذریعہ انگریزی زبان قرار دیا گیا۔ سنہ [illegible] میں دواخانہ افضل گنج کی تعمیر عمل میں آئی۔ پہلے پہل ریذیڈنسی اور افضل گنج کا دواخانہ ریذیڈنسی کے سرجن کی تحت رہا کرتا تھا لیکن یکم اپریل سنہ ۱۹۱۰ء سے افضل گنج کا سرجن علٰحدہ مقرر ہوا۔

له حیدرآباد کے اکثر عمائد کے یہاں بھی بہت سے نامی گرامی طبیب رہا کئے ہیں جن میں خاندان [illegible] زیادہ قابل ذکر ہے ۱۲

طبع فرمود یک کتاب مفید	بہر نفع ہمہ شریف و وضیع
خورد ناگاہ در دلِ رافت	کہ نویسد سِن کتاب بدیع
سالِ تاریخ آن ز روئے کمال	ہاتفِ غیب گفت "فیضِ رفیع" ۱۲۷۰ھ

اس وقت ہمارے پیشِ نظر جو مخطوطہ ہے، وہ ۱۹ محرم ۱۲۹۰ھ کا مکتوبہ ہے، مولوی سید عظیم الدین صاحب کی فرمائش پر رحمان شریف نامی کاتب نے لکھا۔ اور مطبوعہ نسخہ ذیحجہ ۱۲۷۰ھ کا ہے جس کے (۱۹۶) صفحے ہیں۔

طب پر افضل الدولہ بہادر کے الطاف

رمضان ۱۲۷۳ھ میں افضل الدولہ بہادر (آصف جاہ پنجم) نے دکن کے شاہی تخت کو زینت بخشی، اور آپ کے دور ۱۲۷۳ھ میں سارے ممالک محروسہ کی تنظیم عمل میں آئی اور بہت سی اصلاحات کی گئیں۔ اور اکثر نئے محکموں کا قیام ہوا۔ اسی زمانہ میں مستقل حیثیت سے، طبابت، صفائی اور تعلیمات کے بھی محکمے معرض وجود میں آئے۔ اضلاع میں بھی دواخانے اور مدرسے کھولے گئے۔ خاص شہر میں ایک بڑا دواخانہ (افضل گنج) تعمیر ہوا جسمیں مریضوں کے رہنے اور کھانے پینے کا بہت اچھی طرح انتظام کیا گیا تھا۔[1]

---

[1] اس دواخانہ کے افتتاح سے پہلے جو اشتہار جاری ہوا تھا اُس کی یہاں حرف بہ حرف نقل کی جاتی ہے۔

اوّل دار الشفاء واقع افضل گنج بروز دوشنبہ آیندہ بوقت ساعت ہشت مفتوح خواہد شد۔

دوم کدامی شخص بیمار و نادار از ہر مذہب و ہر قوم کہ باشد بوقت ہشت گھنٹہ برائے کنانیدن علاج و گرفتن دوا یکدا می روز سوائے جمعہ کہ تعطیل شفاخانہ خواہد رفت صلاح طبی و دوا خواہد یافت، مگر ضرور است کہ بیماران قبل از ہشت ساعت بیایند۔

سوم از طرف سرکار حکیم محمد نذیر با اختیار کامل در دار الشفاء مقرر شدہ اند مشار الیہ بذاتہ ہر یک بیمار را خواہند دید و برائے دادن دوا خواہند گفت۔

چہارم چون در بیماری اکثر ادویہ قدری تامل و قرار لازم است۔ (بقیہ بر صفحہ آیندہ)

آپ کے دور میں حسب ذیل اطبا یونانی مشاہیر سے تھے

اور ان میں سے بعض لوگوں نے یونانی کے ساتھ ساتھ ڈاکٹری علاج بھی شروع کر دیا تھا حکیم محمد ابراہیم۔ فرزند مولوی قطب الدین۔ یہ شفاخانہ سرکاری میں طبیب تھے اور دوا سازی و دوا شناسی میں بے مثل تھے۔

حکیم شفائی خاں۔ ان کا نام میر لطف علی تھا اور شفائی خاں اول کی اولاد سے تھے یہ ڈاکٹری طریقہ پر بھی علاج کیا کرتے تھے

حکیم نادر علی۔ یہ حکیم حضور میں باریاب تھا۔ اور حبیب اللہ ذکا کی مشہور تاریخ

اے حکیم جان ستاں نادر علی	صحت از رو کے تو دائم نارسا
کردہ از افضل الدولہ چناں	کا بن ملجم با علی مرتضیٰ
این برآمد مصرع تاریخ آن	چوں طبیب ابلہ شود آید قضا

۱۲۸۵

اسی سے متعلق ہے۔

حکیم قمرالدین؛ حکیم واجد علی خاں دہلوی؛ حکیم آصف علی لکھنوی؛ حکیم وزیر مرزا

(بقیہ صفحہ گزشتہ) پنجم ہم بیمار را ضرور است کہ شیشہ یا پیالۂ صاف و پاک برائے گرفتن دوا ہمراہ خود بیارد

ششم اگر ناگاہ کدام کس بیمار شود کہ تاخیر مداوائے آں باعث ضرر باشد، ہر وقت کہ در دارالشفاء خواہد دفت دوا میسر خواہد گردید، لیکن برائے بیماریہائے دیگر باید کہ ساعت مذکورالصدر بروند۔

ہفتم چوں کہ صلاح طبی و ادویہ در دارالشفاء از سرکار داده می شود مریض را نباید کہ ہیچ خرچ کسے بدہد۔

ہشتم ہیچ دوا در شفاخانہ خریدہ نمی تواند۔

نہم۔ ارادۂ سرکار است کہ در مدت چند ہفتہ در شفاخانہ چند جاہا بنا یند کہ در آنجا بیماران برائے علاج سکونت توانند و تاوقتیکہ تمامی بندوبست ضروری آن خواہد گردید ضابطہ برائے بیماران کہ در آنجا سکونت خواہند نمود مشتہر کردہ خواہد شد تحریر فی التاریخ بست و دوم ماہ ربیع الاول [illegible]

حکیم محمد جعفر حسین بنارسی۔ عبدالعلیم نصراللہ خاں نے لکھا ہے کہ یہ بے نظیر حکیم تھے۔ اور میں شاہد ہوں کہ استسقار کے علاج میں جواب نہ رکھتے تھے۔

حکیم مرزا علی شاہ، حکیم مرزا علی (طبیب مجلس)

حکیم محمد مرزا۔ ادویۂ نباتی وغیرہ کی شناخت میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔

حکیم محمد وزیر شفاخانۂ سرکاری میں طبیب تھے۔ عبدالعلیم نصراللہ خاں نے تاریخ دکن میں لکھا ہے کہ، میرے پاس ایک عرب آیا، اور اس کے ساتھی نے مجھ سے یہ کیفیت بیان کی کہ اس نے جمائی لی، اور اس کا منھ اسی طریقہ سے کھلا رہ گیا ہے۔ بند نہیں ہوتا۔ تو میں نے حکیم محمد وزیر صاحب کے پاس اس کو معالجہ کی خاطر بھیجا، تو انھوں نے اس خوبی سے اس کا علاج کیا کہ مرض جاتا رہا۔

طبی سرگرمی نواب میر محبوب علیخاں بہادر کے دور میں

اعلیحضرت آصف جاہ سادس نواب میر محبوب علیخاں نے نہایت کم سنی ہی میں ۱۲۸۵ھ کو تخت حکومت جلوس فرمایا۔ آپ کے عہد میں صیغہ طبابت کو جو وسعت ہوئی، اس کی ساری تفصیل قلم بند کرنا ناممکن ہے، حضور مرحوم کی ہردل عزیزی اور ان کی فضلا، علمار پروری کی سارے ہندوستان میں دھوم تھی۔

۵ امر تیر سنہ ۱۳۰۰ف وہ محمود و مسعود تاریخ تھی کہ اس مبارک دور میں طب یونانی کی ترقی اور احیاء کے لئے بنیادی کام سرانجام پایا۔ یعنی اسی تاریخ سررشتہ طبابت یونانی کا وجود عمل میں آیا۔ نواب سر آسمانجاہ بہادر کی وزارت اور ان کی علمی وفنی ہمدردیوں نے طبابت یونانی کو ایک مادی حیثیت اور مستقل صورت اختیار کرنے کا موقع دیا۔ سررشتہ کے قیام کے ساتھ ساتھ تین شفاخانے اور ایک مدرسہ بھی قائم کیا گیا۔ پہلا دواخانہ

"صدر شفاخانہ" سے موسوم تھا' دوسرا اور تیسرا شفاخانہ حسینی علم و شفاخانہ بیرون
بلدہ تھا۔ اور اطباء میں حکیم احمد سعید صاحب افسرالاطباء مقرر کئے گئے'
حکیم مرزا اسحاق علی صاحب اور حکیم نواب مرزا صاحب طبیب مقرر ہوئے
مدرسہ کی نگرانی بھی افسرالاطباء کی تحت ہی رکھی گئی۔ اس سررشتہ کا انتظام
ایک خاص مجلس کے سپرد ہوا' جو "مجلس انتظامی مطب یونانی" سے موسوم تھی سنہ ۱۳۰۶ف
تک یہ مجلس اپنے فرائض ادا کرتی رہی' اس کے بعد سرکار نے مجلس کو برخاست
فرماکر اس کا انتظام "بورڈ آف ڈائرکٹرز" کے سپرد فرمایا۔ اور اس بورڈ نے ۹ ر
خورداد سنہ ۱۳۰۶ف سے ۱۶ ر مہر سنہ ۱۳۰۶ف تک نگرانی کے فرائض انجام دئیے
اس کے بعد بورڈ نے استعفاء پیش کیا جو منظور کرلیا گیا۔ اس کی وجہ سے محکمہ
سرکار اور افسرالاطباء کا درمیانی واسطہ اٹھ گیا۔ اور افسرالاطباء محکمہ سرکار
سے راست مراسلت کرنے لگے اور اس وقت تک شفاخانوں کی تنقیح معتمدی
کے ذریعہ ہوا کرتی تھی ۱۸ ر خورداد سنہ ۱۳۰۵ف کو احمد سعید صاحب کا انتقال ہوا
تو ان کی جگہ ڈاکٹر و حکیم محب حسین صاحب فیلسوف جنگ کا تقرر افسرالاطبائی
پر کیا گیا' اور ۶ ر بہمن سنہ ۱۳۱۷ف کو جب یہ بھی انتقال کرگئے تو ان کی جگہ حکیم
الطاف حسین صاحب حاذق جنگ مقرر ہوئے۔

اعلیٰ حضرت مرحوم ہی کے عہد میں ناظر الاطباء کا عہدہ قائم کیا گیا سنہ ۱۳۱۶ف
میں سررشتہ طبابت یونانی ایک افسرالاطباء' دو حکماء' چھ مددگار اور ایک
مدرس مدرسہ پر مشتمل تھا۔ عملہ و ملازمین میں اہلکاروں اور دوا سازوں وغیرہ
کی تعداد (۳۹) تھی۔ اس طرح سارے سررشتہ کا کل دائرہ عمل (۴۹) آدمیوں
کی حد تک محدود تھا اس کے بعد سررشتہ کی تحت ایک مخزن ادویہ (گودام)
قائم کیا گیا جس پر ایک داروغہ اور چار ملازمین مقرر کئے گئے اور اس وقت

طبابت یونانی کے سالانہ مصارف قریبًا ۱۵ یا ۲۰ ہزار تھے سنہ ۱۳۱۵ ف میں یونانی طب سے بلدہ اور اضلاع کے دواخانوں سے سات لاکھ آدمیوں نے استفادہ کیا۔

اعلیحضرت آصف جاہ سادس نے سنہ ۱۳۱۶ میں اپنی تینتیسویں سالگرہ کا جشن منایا تھا، تو اس وقت رعایا کے ہر طبقہ نے فرط عقیدت سے حضور کی خدمت میں سپاسنامے پیش کئے، ان میں اطباء کا بھی گروہ شامل تھا ان کا سپاسنامہ سن کر حضور سب سے زیادہ مسرور ہوئے اور نہ صرف ان کی خدمات کا اعتراف فرمایا بلکہ ان کے جواب میں ان کی طب اور ان کے حاملین فن کی شان میں ایک شاہانہ نظم پڑھی۔ جس سے اس معزز طبقہ کی عزت میں چار چاند لگ گئے۔ یہ تاریخ طبابت کے زرین شاہانہ الطاف تھے حضور حکماء کے ساتھ اور گروہ کو بھی شامل کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"تم کو یہاں بلا کر تمہارے اڈریس لینے سے مجھے بڑی خوشی حاصل ہوئی ہیں تم تینوں گروہ (یعنی ارکان سٹی ایسوسی ایشن، حکماء حیدرآباد اور ارکان صفائی بلدہ) رعایا سے اڈریس ایک وقت اور ایک جگہ لینا اس لئے مناسب سمجھا کہ تمہارے حقوق و فرائض اگرچہ بادی النظر میں مختلف ہیں، مگر متحد المقصد ہیں، تم سبھوں کا ایک ہی مقصد ہے۔ یعنی صفائی، سٹی ایسوسی ایشن اخلاق کی صفائی و شائستگی کی طرف متوجہ ہے، حکماء حیدرآباد انسان کے جسم کو امراض کی کدورت سے مصفا کرنے کے لئے مستعد رہتے ہیں، اور صفائی بلدہ کے ارکان شہر کی گلی کوچوں کو صاف و پاک رکھنے اور شہر والوں کو نفیس پانی پہنچانے کی فکر کرتے ہیں، پس تم تینوں کے مقاصد کے حصول سے میری عزیز رعایا کی بہبودی اور آسائش مقصود ہے، لہذا میں تمہاری کوششوں کی بہت قدر کرتا ہوں اور مجھے اس کے

سننے سے بہت اطمینان ہوا کہ تم اپنی کوششوں میں ایک حد تک کامیاب ہوئے اور کامل کامیاب ہونے کی دلی خواہش رکھتے ہو۔ میں نے تمہارے ہاتھوں میں اپنی رعایا، کے چند طبقوں کی حفاظت ودیعت کی ہے اور مجھے یقین ہے کہ تم سب اس ودیعت کی ذمہ داریوں کو بخوبی جانتے ہو اور ان کو پورا کر کے میری خوشنودی حاصل کرنے میں ہرگز دریغ نہ کروگے۔ دل کا صاف کرنا یا صاف رکھنا، آئینہ سکندر سے بڑھ کر ہے، پرائی جان کا خیال اپنی جان سے بہتر ہے "

ہیں مرے عہدِ حکومت میں اطباء حاذق — کس قدر شافیٔ مطلق کا ہے مجھ پر احسان
کوئی نعمت نہیں صحت سے جہاں میں بڑھ کر — عمر بھر اس کا طلب گار رہے گا انسان
نہ ہے بقراط۔ نہ سقراط، نہ ہے جالینوس — فی زمانہ ہیں یہی وقت کے اپنے لقمان
حافظ روح یہی لوگ ہیں اس عالم میں — اب زمیں پر ہے یہی فرقہ مسیحائے زماں
منقسم چار عناصر پہ ہیں چاروں اخلاط — جس میں نقصان ہو، کرتے ہیں اسی کا درماں
مختلف جمع ہوں امراض، جو ضد ایک کی ایک — ایسی مشکل کو کیا کرتے ہیں کیسا آساں
فکر بیمار میں ہو جاتے ہیں بیمار طبیب — تا بہ صحت انہیں تکلیف ہے آرام کہاں
بارک اللہ کہ ہے مجمع ارباب کمال — للہ الحمد کہ ایسے ہیں ہنرمند یہاں
یہی آصف کی دعا تجھ سے ہے یا رب خدا — رہے ہر وقت رعایا مری شاداں فرحاں

دوسرے سال ۱۳۵۱ھ میں جب پھر جشن سالگرہ ہوا، تو اپنی قدیم عقیدت مندی کی بناء پر طبقۂ حکماء نے اڈریس پیش کرنے کی عزت حاصل[1] کی تھی تو اس وقت بھی وہی شاہانہ الطاف مبذول رہے، اور نطق شاہانہ نے حسب ذیل الفاظ سے اس مردہ فن کے جسم میں تازہ روح پھونک دی تھی۔ ارشاد ہوا کہ:۔

---

[1] اطباء اور ڈاکٹروں نے مل کر ایک ہی اڈریس پیش کیا تھا ۱۲

"انسان کے واسطے دنیا میں بڑی نعمت صحت ہے، اس کے لئے مقدم افضال الٰہی شامل ہوتا ہے، جس قدر مریض کو پرہیز واجب ہے، اسی قدر معالج کو توجہ اور تشخیص ضرور ہے دوا کی دیکھ بھال، اطباء اور ڈاکٹروں کا فرض منصبی ہے۔ "دو چیزیں جا کر نہیں آتیں۔ ایک جان، دوسرے آبرو" جان ہے تو جہان ہے، آبرو ہے تو جان ہے" اہل دانش ان کی احتیاط عمر بھر کرتے ہیں، مجھے اس بات کی سماعت سے بھی نہایت خوشی حاصل ہوئی کہ تم نے اپنے فن میں ترقی کرنے کا ایک عمدہ ذریعہ قائم کیا ہے، اور اس کو میری سالگرہ کی یادگار بنایا ہے، تمہارا مڈیکل جرنل ایسا رسالہ ہے، جس کے ذریعہ سے تم اپنے تجربہ کی باتیں ایک دوسرے پر ظاہر کرنے کے علاوہ عوام الناس کے خیالات کو بھی اپنی رائے کے مطابق بنا سکتے ہیں۔ اور میں بہت پسند کرتا ہوں کہ تم اس رسالہ کو اردو اور انگریزی ہر دو زبان میں شائع کرتے ہیں۔ اس سے یہ امید کی جاتی ہے کہ ایک فن طبابت کے مشرقی و مغربی دو طریقوں کا آپس میں میل جول ایسا ہوگا کہ ایک دوسرے کے حسن و قبح ظاہر ہو کر اصل فن میں ترقی ہوگی، اور تمہارے فن کیا ترقی ہونا در اصل عامۂ خلائق کی آسایش کی ترقی ہے۔ جو مجھے بدل منظور ہے۔"

"میں تمہاری ایسی کوششوں کی بہت قدر کرتا ہوں اور تم کو یقین دلاتا ہوں کہ جس قدر تم میری عزیز رعایا کے دکھ درد کے ساتھ ہمدردی کرتے رہو گے، اور ان کے جسمانی تکالیف کے گھٹانے اور ان کی صحت کی حفاظت کرنے میں مصروف رہو گے، اسی قدر بدرجۂ کمال میری خوشنودی تم کو حاصل رہے گی۔ اور خدائے تعالیٰ سے میری التجا ہے کہ وہ اپنے فضل و کرم سے تم کو تمہاری خیرخواہانہ کوششوں میں ہمیشہ کامیاب رکھے۔"

اس کے بعد بھی ایک قطعہ ارشاد فرمایا۔

درگاہ بے نیاز میں ہے لاکھ لاکھ شکر | صحت کی جابجا سے چلی آتی ہے خبر
مصروف اپنے کام میں رہتے ہیں رات دن | حاذق جو ہیں طبیب تو کامل ہیں ڈاکٹر
یہ ہے اصولِ طب بھی اکثر سنا کیئے | مفرد دوا ہو نسخہ میں یا چند مختصر
اکسیر یوں ہے دفعِ مرض کے لئے دوا | تیغِ اجل کے واسطے جیسے دعا سپر
نخوت کرے کمال پر اپنے نہ آدمی | کیسا ہی باکمال ہو کیسا ہی باہنر
ظنی ہے علم طب، مگر ادراک ہو صحیح | لابد ہے یہ کہ چوک بھی جاتے ہیں چارہ گر
آصف کا یہ عقیدہ ہے سن رکھیں حاضرین | شافی خدا ہے، اس کے کرم پر رہے نظر

اعلیٰ حضرت کے دور میں حسب ذیل مشاہیر اطباء تھے۔

(۱) حکیم افتخار علی خاں ۱۲۸۲ھ میں پیدا ہوئے تھے ان کے والد کا نام حکیم میر عنایت علی خاں تھا؛ اور خاندان شفائی خاں سے تعلق رکھتے تھے۔ صیغہ طبابت یونانی میں دو سو روپیہ ماہوار پر ملازم رہے۔ انہوں نے تین رسالہ یادگار چھوڑے ہیں، ایک "فیہ شفاء للناس" (مطبوعہ) دوسرا مادۃ الحیات بچوں اور حاملہ عورتوں کے علاج میں اور تیسرا گلدستۂ صحت ستۂ ضروریہ میں لکھا۔

(۲) حکیم رکن الدین احمد۔ قصبۂ لوہارہ تعلقہ اوسہ ضلع عثمان آباد میں ۱۲۸۱ھ میں پیدا ہوئے تھے۔ فن ڈاکٹری میں بھی تجربہ حاصل کیا تھا۔ صاحب علم و فضل تھے ۱۳۰۸ھ میں سررشتہ طبابت یونانی میں ملازم ہوئے۔

(۳) حکیم سید رفیع الدین۔ اورنگ آباد کے باشندے تھے ۱۳۰۲ھ میں ابتدائً بزمانۂ ڈاکٹر ونڈ و صاحب سرکاری وظیفہ سے ڈاکٹری تعلیم بھی حاصل کی تھی دو سو روپیہ تنخواہ پر خدمت اول مددگاری صدر شفاخانہ پر تقرر عمل میں آیا تھا اور شاہی ڈیوڑھی پر بھی متعین تھے۔ منصرم افسر الاطباء بھی رہے۔

(۴) حکیم عاشق حسین خاں حیدرآبادی۔ حکیم افتخار علی خاں کے چھوٹے

بھائی تھے، سنہ ۱۲۷۵ھ میں پیدا ہوئے۔ صاحب تصنیف و تالیف گزرے ہیں۔
فروغ الطبا، (منظوم) اور تریاق السموم کے نام سے دو کتابیں لکھی تھیں۔

(۵) حکیم الطاف حسین خاں۔ حکیم میر عنایت علی خاں کے بیٹے اور حکیم افتخار حسین خاں اور حکیم خورشید علی خاں شافی نواز جنگ کے چھوٹے بھائی تھے سنہ ۱۲۶۹ھ میں تولد ہوئے۔ پہلے پہل دو سو روپیہ تنخواہ پر حکیم محب حسین صاحب کے مددگار رہے۔ بعد میں افسر الاطباء بنائے گئے۔ دربار شاہی سے افتخار الحکماء حاذق جنگ خطاب پایا اس وقت آپ کے بڑے صاحبزادے، مولوی حکیم سید سرفراز حسین خاں صاحب دواخانہ حسینی علم پر مہتمم کی حیثیت سے خدمت خلق میں مصروف ہیں۔

(۶) حکیم عبد العزیز خاں سنہ ۱۲۵۰ھ میں علاقہ مدراس کے قصبہ ارکاٹ میں پیدا ہوئے تھے۔ سنہ ۱۲۸۱ھ میں افضل الدولہ بہادر کے عہد میں حیدر آباد آئے۔ اور سنہ ۱۳۰۲ھ میں اعلیحضرت مرحوم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور حضور کے شاہی طبیب قرار دئے گئے۔ سنہ ۱۳۱۶ھ میں ان کو "طبیب خاص" کا بھی خطاب عنایت ہوا تھا۔ اور سنہ ۱۳۲۰ھ میں محلات سے چھ سو روپیہ ماہانہ تنخواہ مقرر کردی گئی تھی۔

(۷) حکیم محمد علی حیدر آبادی۔ قصبہ ابراہیم پٹن میں سنہ ۱۲۷۰ھ میں پیدا ہوئے تھے۔ حضور کی ایک اصیل کا بڑا معرکتہ الآراء علاج کیا تھا۔ اس اصیل کا نام "مالالن" تھا۔ جو مرض غشی میں مبتلا تھی۔ لوگ اسے مردہ سمجھ کر تجہیز و تکفین کی فکر کر رہے تھے، مگر حکیم صاحب موصوف نے ایسا علاج کیا کہ خدا کے فضل سے وہ ہوش و حواس میں آگئی اور صحت یاب ہوئی۔

آپ کے ایک اور علاج کا قصہ بے حد مشہور ہے۔ لکھا ہے کہ نواب یوسف علی خاں موجودہ سالار جنگ بہادر جب شکم مادر میں تھے۔ تو جملہ دائیوں نے

معائنہ کرکے یہ کہا تھا کہ یہ حمل نہیں ہے، بلکہ ایک قسم کا گڑا ہے۔ جو آئندہ نقصان رساں ثابت ہوگا۔ جس سے ایک تشویش پیدا ہوگئی۔ جب آپ نے معائنہ کیا تو حمل کی تشخیص کی۔ اور علاج کرتے رہے، بعد مدت مقررہ جب وضع حمل ہوا تو لڑکا پیدا ہوا[۱]۔

(۸) حکیم محمد امانت علی۔ حیدرآباد کے نامی گرامی طبیبوں سے تھے ابتداءً آپ کے جد اعلیٰ محمد علی سلطان ابراہیم قطب شاہ کے دور میں بادشاہ کے فرمان پر دہلی سے حیدرآباد آئے تھے اور محلات شاہی کے طبیب مقرر کیے گئے تھے۔ حکیم امانت علی صاحب ۱۲۸۰ھ میں پیدا ہوئے۔ طبابت یونانی کے ساتھ ساتھ ڈاکٹری بھی سیکھی، آپ کے علاج معالجہ کی سارے شہر میں بڑی شہرت تھی چنانچہ اسی بناء پر محلات شاہی کے طبیب مقرر کئے گئے۔ آپ کے بڑے صاحبزادے مولوی حکیم محمود علی صاحب نے بھی اس وقت وہی شہرت وعزت حاصل کر رکھی ہے۔ فی الوقت مددگار صدر شفاخانہ ہیں

(۹) حکیم و ڈاکٹر مصاحب حسین۔ دربار شاہی سے فیلسوف جنگ کا خطاب پایا تھا۔ احمد سعید صاحب کے بعد افسر الاطباء مقرر ہوئے۔ نہایت فاضل آدمی تھے، اور فن طب میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ ان کے پاس ایک بیش بہا کتب خانہ تھا، جس کا اس وقت کہیں جواب نہ تھا یہ ان کے انتقال کے بعد کتب خانہ آصفیہ کے لیئے خرید لیا گیا۔

ان کے ایک صاحبزادے مولوی علی حسین صاحب، شفاخانہ بھری باولی کے اس وقت مہتمم ہیں۔

---

[۱] تزک محبوبیہ جلد دوم دفتر ششم طبقہ حکماء، صفحہ ۲۵

(۱۰) حکیم شمس الدین خاں بہادر۔ مؤلف تاریخ خورشید جاہی کے فرزند تھے عمدۃ الملک مرحوم کے عہد نیابت میں اسٹاف شاہی میں شریک ہوئے ۱۲۹۳ھ میں حضور کے ہمراہ دربار قیصری میں شرکت کی ڈاکٹری بھی جانتے تھے۔ ۱۳۰۱ھ میں جشن سالگرہ کے موقع پر خطاب خانی و شمس الحکما، سرفراز ہوا۔ ۱۳۲۰ھ میں انتقال کیا۔

(۱۱) شفاء الملک شفائی خاں بہادر۔ یہ شفائی خاں اول کے خاندانی سلسلہ میں نواسے ہوتے تھے۔ حضور نے انھیں ان کے نانا کے خطابات "شفا جنگ شفاء الدولہ شفاء الملک شفائی خاں بہادر" عنایت فرمائے تھے اور دواخانہ دیوڑھی مبارک کا مہتمم بنایا۔ ۱۳۰۸ھ میں "خان بہادری" اور ۱۳۱۲ھ میں خطاب "دولہی" اور ۱۳۲۳ھ میں خطاب "ملکی" سرفراز فرمایا تھا۔

(۱۲) حکیم سید عبد الوہاب صاحب انصاری۔ آپ حیدر آباد میں حکیم نابینا کے نام سے بے حد مشہور و معروف رہے ہیں۔ نباضی میں کمال حاصل کیا تھا آپ کے علاج معالجہ کی اب تک حیدر آباد میں شہرت باقی ہے۔ اعلیٰحضرت مرحوم کے دور میں بڑی شہرت حاصل کی تھی۔ اس کے بعد حیدر آباد سے چلے گئے۔

(۱۳) حکیم خورشید علی خاں۔ حاذق جنگ بہادر افسر الاطباء کے برادر حقیقی تھے، اور پیش گاہ سلطانی سے خورشید الحکما، شافی نواز جنگ کے خطابات سے سرفراز ہوئے تھے۔ شفا خانہ حسینی علم کے مہتمم رہے۔

(۱۴) حکیم رکنا صاحب۔ مصری علاج میں بے نظیر تھے، اور بڑی شہرت حاصل کی تھی۔

(۱۵) مولٰنا حکیم محمد منصور علی خاں صاحب مراد آبادی۔ آپ بڑے زبردست عالم و فاضل اور متقی آدمی تھے مدرسہ طبیہ سرکار عالی کے صدر مدرس رہے بڑے بڑے امراء عظام آپ سے ملنے کے متمنی رہتے تھے، مگر اس بلا کے مستغنی المزاج و

خدا رسیدہ بزرگ تھے کہ کسی دنیوی شان و شوکت والے آدمی کی پروانہ کی حیدرآباد میں درس و تدریس کے ذریعہ ہزاروں کو عالم و انسان بنا دیا کئی کتابوں کے مصنف بھی تھے۔ جن میں سے چند کتابیں اشاعت بھی پا چکی ہیں۔ ان کے خلف الرشید مولانا حکیم مقصود علی خاں صاحب ہیں جنہیں ورثے میں آباری علمی دولت کے ساتھ ساتھ فطرت نے انتظامی خداداد قابلیت کا ملکہ بھی بہم پہنچایا ہے چنانچہ آپ کے تقرر افسرالاطباء ی کے وقت فرمان واجب الاذعان ان الفاظ میں شرف صدور لایا تھا کہ :-

"امید ہے کہ حکیم مقصود علی خاں کی نگرانی کی وجہ سے بہت جلد اس میں اصلاحات شروع ہوجائیں گے کہ وہ خود منتظم واقع ہوئے ہیں۔"

دورِ عثمانی میں طب کا احیا

اس عالم کون و فساد میں اگر خدا کا سایہ حقیقی معنوں میں کوئی چیز ہے، اور وہ اپنی سرزمین پر سایہ فگن ہوا کرتا ہے۔ تو بلا خوف تردید، تاریخ کی روشنی میں دنیا کے آگے یہ حقیقت پیش کی جاسکتی ہے کہ وہ صرف دکن کی خاکِ پاک ہی ہے، جسے قدرت نے ازل سے ہی اپنی اس شان کی جلوہ آرائی کے لئے انتخاب کر رکھا ہے، اور آپ نے خود اس مقالہ کی اوراق پیمائی سے یہ خصوصیت دیکھ لی ہوگی کہ ہمیشہ دکنی تخت کے لئے، اللہ سبحانہٗ نے مختلف زمانوں میں کیسی کیسی منتخب روزگار شخصیتیں انتخاب فرمائی ہیں، جنہیں صحیح معنوں میں دنیا نے پروردگار عالم کا

"ظلِ ظلیل" سمجھا گیا۔ اگر آپ تاریخ کے اوراقِ پارینہ پر ایمان رکھنے کے لئے تیار نہیں تو آئیے، کچھ میں راہ پیمائی کر کے ایک عجیب حقیقت تک پہنچا دوں، جہاں اوروں کی طرح آپ بھی آمنا و صدقنا کہتے ہوں گے اور "ظل اللہ" کے صحیح تصور پر آپ کے خیال و وہم کی وسعتیں پایاب ہو جائیں گی۔

اُس کی شان کبریائی کے صدقے کہ اس نے "آصف جاہ اوّل" اور اُن کی اولاد کو دکن کا تاج و تخت مرحمت کر کے اس خصوصیت کے اظہار کا ذریعہ مقرر فرمایا۔ کون جانتا تھا کہ آصف جاہی نسل سے "سہروردیہ" خاندان کا ایک ایسا چشم و چراغ، حیدرآباد کے ایک ہر دل عزیز تاج دار نواب میر محبوب علیخان بہادر "غفران مکان کی پشت سے عالم وجود میں آئے گا، جو اپنے سرسلسلہ اور مسلمانوں کے پیشوائے اعظم "حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردی (علیہ الرحمہ) کی طرح دنیا کی تحیر ناکیوں میں اضافہ کر دے گا، اور اُس کے جدا مجد کی طرح قدرت کی فیاضیاں" روح القدس کے فیضان" کی طرح اس کے اعمال و کردار کی صورت میں ظاہر ہوا کریں گی۔

قدرت جب خاص مقاصد کی تحت اس صاحب زادہ کا نشو و نما کرنا چاہتی ہے تو اس قسم کے انتظامات بھی عمل میں آجاتے ہیں کہ یہ چھوٹا سا شہزادہ، سن شعور کو پہنچتا ہے، اور ایک ایسی ہستی اس کے تعلیم کے لئے میسر آجاتی ہے، جو درحقیقت خدا کی طرف سے ایک نور بھیجا گیا تھا۔ شاہی ایوانوں میں پرورش پانے والے ولی عہد و شاہزادے کو انسانیت و اخلاق کی ایک ایسی اعلیٰ و مکمل تعلیم دی جاتی ہے کہ وہ جگمگاتے زرد جواہر سے آراستہ ہونے کی علاوہ بے مثل اخلاق و انسانیت کے غیر مرئی جواہر سے مکلل ہو جاتا ہے کہ، آیندہ چل کر بہترین کامیابانہ زندگی رکھنے والا انسان، بہترین بادشاہ، اور عالم اسلامی کے لئے ایک اعلیٰ درجہ کا

"ریفارمر" بھی بننے کی صلاحیت حاصل کر لیتا ہے خدائے قادر و توانا حضرت مولانا انوار اللہ خاں فضیلت جنگ" (علیہ الرحمہ) کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے کہ آج اُن کی بے اندازہ محنتوں اور مُعلمانہ مساعی کا فیضان سارے عالم اسلامی کو احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اور دکن کے آخری گوشہ پر ایک سلطان کا دل ایمان کی حلاوت پاتا ہے، اور نور اسلام سے آفتاب کی طرح منور نظر آتا ہے۔

یہ میرا اپنا تاج دار منشاء قدرت کی تحت ۱۳۲۹ھ میں دکن کے تخت حکومت کو زینت بخشتا ہے۔ "آصفیہ خاندان" اور "سلطنت آصفی" کا نام سارے عالم میں روشن کر دیتا ہے۔ بادشاہت جو دنیاوی ترقیوں کی تاب ناکیوں کا آخری درجہ سمجھا جاتا ہے، ایک ایسا منصب عظمیٰ ہے، جو اپنے گراں فرائض کے لحاظ سے، اس کے حامل کو، عام انسانوں سے کہیں زیادہ ایک مُقید زندگی کا پابند بنا دیتا ہے۔ اگر یہ چیزیں نہ ہوتیں تو آج "آصف جاہ سابع کی گوناگوں خصوصیات"، ایک زندہ معجزہ سمجھی جاتیں۔ اعلیحضرت معظم کی ان خصوصیات سے کون واقف نہیں کہ وہ بہت بڑے فاضل روزگار حکمران ہیں اور اپنی خصوصیات کے لحاظ سے اس دور کے پہلے تاج دار ہیں جنھوں نے سچی اسلامی سلطنت اور خلفائے اسلام کا حقیقی نمونہ دنیا کے آگے پیش فرمایا۔ حضور کو اپنے عیش و آرام سے زیادہ اپنی رعایا، و ملک کی بہبودی پیش نظر ہے۔ اس دنیا کے مادی دور میں اعلیٰ حضرت کی نہایت سادہ زندگی ایک عالم کو متحیر کی ہوئی ہے، اور مسلمانوں میں ضرب المثل کے طور پر استعمال کی جاتی ہے۔ غور فرمائیے کہ جس حکومت کا بادشاہ اس درجہ بیدار مغز ہوگا اس کا نظام سلطنت کس پایہ پر پہنچا ہوا نہ ہوگا چنانچہ شاہی فرماں کی تحت عہدہ داران و عمال حکومت امور عامہ کے ہزاروں اور بے شمار رفاہی کاموں کو انجام تک

پہنچانے میں مصروف ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ زندگی کا کوئی ایسا شعبہ ہی باقی نہیں رہا جو اس مبارک دور میں اس کیلئے کچھ نہ کیا گیا ہو۔ ایکطرف ایسی مایۂ ناز عظیم الشان یونی ورسٹی "جامعۂ عثمانیہ" کے نام سے وجود میں لائی جا چکی ہے جس کی طرف سارے عالم کی نظریں لگی ہوئی ہیں اور اس سے متعلق ایک "دار الترجمہ" بھی قائم ہے، جو خلفائے عباسیہ کے عہد کی یاد تازہ کر رہا ہے۔ حضور سے نبض شناس عالم کے ضمیر انور نے یہ اچھی طرح محسوس فرما لیا ہے کہ، اسلامی اور خصوصیت سے مشرقی زندگی، صرف "مشرقی امتیازات" کے برقرار رہنے سے اس عالم میں باقی رہ سکتی ہے، ورنہ یہ حادثات زمانہ کے طوفانی تھپیڑے، اُسے آن واحد میں فنا کر دینے پر کمر باندھے ہوئے ہیں، اور اس کی روک تھام سوائے تعلیم کے کسی اور صورت میں ممکن نہیں اسی لئے شاہانہ عزم و ارادے، پورے پورے طور پر اس طرف متوجہ ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ موجودہ مغربی تمدن و تعلیم کی بعض بہت سی خوبیاں ضرور مشرقیوں کے لئے قابل تقلید ہیں ان سے اسی حد تک استفادہ کیا جا سکتا ہے جس میں صرف مشرقی خصوصیات باقی رہ سکتی ہوں، اور جو رفاہ عامہ کی کفیل و ضامن ہونے کی صلاحیت رکھتی ہوں۔ اسی نظریہ کی تحت حضور نے تعلیم کو شدت کے ساتھ پھیلانے کی طرف جو توجہ فرمائی ہے اس کا سب سے زیادہ روشن اور نمایاں پہلو، اردو زبان کو جو ہندوستانیوں کی مادری زبان ہے ذریعہ تعلیم قرار دینا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ غیر علوم کو صرف مادری زبان ہی میں تعلیم دے کر اس سے مشرقیوں کو فائدہ پہنچایا جا سکتا ہے، جس طرح کہ خلفائے عباسیہ نے یونانی علوم کے سیکڑوں ترجمے کرا کے اپنی ساری قوم کو علم کی دولت سے مالا مال کر دیا تھا۔ اور اسی بنیادی کاموں کی بدولت تھا کہ آج عرب قوم جدید علوم و فنون میں مغرب کی استاد مانی جاتی ہے۔

ہم سلطنت کے سارے کاموں سے قطع نظر کرتے ہوئے صرف شعبۂ طب کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، اور یہاں اتنی گنجایش بھی نہیں کہ اعلیٰ حضرت کے جگمگاتے عہد کے سارے طبی کارنامے، ناظرین کی نظروں کے آگے اکٹھے کر سکیں

؎ حضور کے بعض اجداد بھی فن طب میں ید طولیٰ رکھتے تھے، حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کا حال ہم عربی دور میں لکھ آئے ہیں، جو زبردست رُوحانی طبیب ہونے کے علاوہ فن طب کے بھی امام سمجھے جاتے ہیں۔ اسلامی علوم و فنون سے دلچسپی، اور خلق اللہ کی خدمت، خاندانِ آصف جاہی کے سارے بزرگوں کا بہترین شغل زندگی رہا ہے حضور "سلطان العلوم" (خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ) جہاں اور علوم و فنون میں کامل دستگاہ رکھتے ہیں، وہاں ممکن نہ تھا کہ آپ اپنے آبائی فن طب کو حاصل نہ فرماتے، جو آپ کے بزرگوں کا مائۂ ناز فن رہا ہے۔ کیوں کہ یہی ایک شعبہ ایسا ہے جس کے ذریعہ مخلوقِ خدا کی سچی خدمت ہو سکتی ہے، اور جو سب سے زیادہ ضروری ہے۔

اس زمانہ میں، جب کہ اسلامی طب زوال پذیر ہے اپنے وقار کو سارے عالم میں کھو چکی تھی، کسی کو یہ توقع ہی باقی نہ تھی کہ ان مایوس کن حالات اور مخالف فضاء میں کبھی یہ فن زندہ بھی کیا جا سکے گا کہ جس نے آج سے کچھ عرصہ پہلے صحت و عافیت عامہ کی ضمانت لی تھی۔ اور اپنے کمالات سے ایک دنیا کو متحیر کئے ہوئے تھا۔ حاملین فن کی بے اعتنائی، اور اُن کی مایوسیاں انتہا کو پہنچ چکی تھیں، تو ایسے یاس انگیز موقع پر للعجب کہ ؎ مردے از غیب بروں آید و کارے بکند

ان ساری باتوں کے باوجود، قدرت کے ارادے، جو انسانی درک و ادراک سے بہت بالاتر ہیں، ان نا مساعد حالات میں اس فن کے اِحیاء کے لئے، دکن کے تاجدار حضرت "سلطان العلوم" (خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ) کا انتخاب کرتے ہیں، جنھیں مشرقی

طب سے کامل درجہ شغف ہوتا ہے۔ جب یہ فن سیادتِ سلطانی میں آجاتا ہے تو اس کے جسدِ مُردہ میں ایک روح شاہانہ توجہات کے باعث دوڑنے لگتی ہے اور ایک زمانہ کو توقع بندھ جاتی ہے کہ اب اِس دُرِ یتیم کے دن پھرے ہیں، اور انشاء اللہ تعالیٰ "طب اسلامی" پھر اپنی عظمت رفتہ کو سلطانِ دکن کی توجہات کے باعث دوبارہ حاصل کرلے گی۔ دکن کے اس عظیم الشان حکمران نے اس فن کے احیاء کی کس قدر سعی فرمائی ہے، میں لکھتا جاتا ہوں، اور اُسے آپ پڑھتے جائیے۔

حضور کے اس زرین عہد میں خاص دارالحکومت میں مزید (۷) شفاخانوں کا اضافہ ہوا۔ چنانچہ ۱۳۲۳ف کی سولہ اور چوبیس تیر کو احمد محلہ اور چنچل گوڑہ کا، اور آخر سال کے قریب ۱۵ مہر کو ہری باولی کا شفاخانہ قائم ہوا۔ اس کے بعد یکم آذر ۱۳۲۶ف کو محلہ سعد پورہ میں، اور ۲۷ بہمن کو کاچی گوڑہ میں دواخانے کھولے گئے۔ پھر اس کے تین سال بعد ۸ خورداد ۱۳۳۰ف کو محلہ فتح دروازہ میں ایک اور شفاخانہ کا افتتاح عمل میں آیا۔ اس شفاخانہ کے افتتاح کے ایک عرصہ بعد یکم اردی بہشت ۱۳۳۸ف کو مشیرم میں ایک اور دواخانہ وہاں کی ضروریات کی تحت قائم کیا گیا اس طرح صدر شفاخانہ حسینی علم اور بیرون بلدہ کے شفاخانوں کو ملاکر، خاص دارالسلطنت کی حد تک دس شفاخانے مختلف سمتوں میں قائم ہیں، اور اپنی کوششوں سے رعایا کی خدمت گزاری کررہے ہیں۔ ان کے سوا سارے ممالک محروسہ کے اضلاع میں اس وقت کل (۷۷) شفاخانے موجود ہیں ورنہ اس سے پہلے ۱۳۲۰ف تک صرف (۱۹) دواخانے تھے۔ اضلاع کے اِن موجودہ شفاخانوں کی ہم ذیل میں ایک فہرست لکھے دیتے ہیں۔

درجہ اوّل:- آصف آباد، اورنگ آباد، بیدر شریف، بیڑ، پربھنی، رائچور

سنگاریڈی، کریم نگر، گلبرگہ، محبوب نگر، ناندیڑ، نظام آباد، نلگنڈہ، ورنگل،

درجۂ دوم:- آرمور (نظام آباد) بسمت نگر (پربھنی)، بودھن (نظام آباد) بھونگیر

جالنہ، جگتیال (کریم نگر)، عثمان آباد، عمری (ناندیڑ) کاماریڈی (نظام آباد) کھمم

(ورنگل)، مٹھواڑہ (ورنگل)، مریال گوڑہ (نلگنڈہ) ہنگولی (پربھنی)، یلاریڈی (میدک)

درجۂ سوم:- آسٹی (بیڑ)، آسٹی (پربھنی)، اوسہ (عثمان آباد)، ایٹوناگارم (ورنگل)

بچکنڈہ (ناندیڑ)، بھوکردن (اورنگ آباد) پاتھری (پربھنی)، پرکال (کریم نگر) تا

(ناندیڑ) تاورگرہ (رائچور)، ٹیکمال (میدک)، جیورگی (گلبرگہ) چپٹور (آصف آباد)

دھرم پوری (کریم نگر)، دیودرگ (رائچور) رامایم پیٹ (میدک)، سدی پیٹھ (میدک)

سرسلہ (کریم نگر)، سلطان آباد (کریم نگر) سندھنور (رائچور)، شاہ پور (گلبرگہ شریف)

شفیع پور (اورنگ آباد) شوراپور (گلبرگہ شریف) عالم پور (رائچور)، عثمان نگر (ناندیڑ)

کلم (عثمان آباد) کلمنوری (پربھنی)، کلواکرتی (محبوب نگر) کمی راو پیٹھ (کریم نگر) کنڑ

(اورنگ آباد) کورٹلہ (کریم نگر)، کوڑنگل (گلبرگہ شریف) کوہیر (بیدر شریف) گنگاپور۔

(اورنگ آباد) گنگاوتی (رائچور) گیورائی (بیڑ) مانکنڈور (کریم نگر) مدکھیڑ (ناندیڑ)

مدگل (رائچور)، مکھیڑ (ناندیڑ)، منجھلے گاؤں (بیڑ) موہم (عثمان آباد) مومن آباد (بیڑ)

مہادیو پور (کریم نگر) میدک، نائیگاؤں (ناندیڑ)، واشی (عثمان آباد) یادگیر (گلبرگہ شریف)

مانور (بیڑ)

علاقہ صرفخاص مبارک:- گوگی شریف

کلور ضلع رائچور کا ایک دواخانہ تخفیف کر دیا گیا ہے اس لئے کل (۷۷)

دواخانے قائم ہیں۔

ان اضلاعی دواخانوں میں ہر درجہ اول کے شفاخانہ کے سالانہ مجموعی مصارف

گودام کی ادویہ کی حد تک [illegible] اور ادویہ مقامی کے لئے [illegible] مقرر کئے گئے ہیں

دواخانۂ درجہ دوم کے سالانہ مصارف ادویۂ گودام (ماء) اور ادویہ مقامی کے لئے (ماء) مختص ہیں۔

شفاخانہ درجہ سوم کے موازنہ میں سالانہ مجموعی مصارف ادویۂ گودام (ماس) اور ادویہ مقامی کے (لس) روپیہ قرار دئے گئے ہیں۔ ۱۳۲۲ف میں شفاخانہ جات بلدہ کی تنظیم عمل میں آئی شفاخانوں کے اضافے کے ساتھ ساتھ عملہ میں بھی اضافہ کیا گیا درجہ سوم کے شفاخانوں میں پہلے صرف ایک مہتمم ہوا کرتا تھا لیکن اس سال ان شفاخانوں کے لئے ایک ایک مددگار کا اضافہ عمل میں آیا۔ اس طرح (۱۶) مددگار اضافہ کئے گئے۔ ۱۳۲۴ف میں افراد عملہ کی مجموعی تعداد (۱۸۷) تھی اور سرکار عالی نے اپنی تذشاہی سے صرف دواخانجات بلدہ مخزن الادویہ اور مدرسہ طبیہ کے مصارف پر ایک لاکھ نوے ہزار ایک سو تیس (۱۹۰۱۳۰) روپیے صرف فرمائے، اور ۱۳۲۶ف میں ان ہی مصارف کا اندازہ خرچ شاہی سے ایک لاکھ نوے ہزار تین سو اکیس (۱۹۰۳۲۱) کیا گیا ہے۔

دارالحکومت کے شفاخانے بھی تین درجوں پر تقسیم کئے گئے ہیں جن کی فہرست حسب ذیل ہے:

درجۂ اول صدر شفاخانہ

درجۂ دوم۔ شفاخانۂ حسینی علم، اور بیرون بلدہ

درجۂ سوم۔ احمد محلہ، فتح دروازہ، مستعد پورہ، مشیرم، ہری باؤلی کاچی گوڑہ، چنچل گوڑہ۔

درجہ اول کے شفاخانہ کا سالانہ خرچ ادویہ فی الحال (۵۰۰۰) ہے۔

درجہ دوم کے لئے (۱۸۰۰) اور

درجہ سوم کے واسطے (۱۵۰۰) روپیے صرف ادویہ کی تیاری کے لئے مختص ہیں۔

۱۳۲۸ف میں بلدہ کے دواخانوں کی طرح، اضلاع کے دواخانوں کی بھی تنظیم
عمل میں آئی، اور ان کی درجہ واری تقسیم کی گئی۔ جیسا کہ آگے لکھا جا چکا ہے ۱۳۴۳ف
میں گورنمنٹ پر اضلاع کے شفاخانوں کے تمام مصارف اس کی مد لوکل فنڈ سے
ایک لاکھ اکسٹھ ہزار پانسو چھیالیس ([illegible]) کی حد تک عائد ہوتے تھے
ان شفاخانوں کی نگرانی اور ان کی تنقیح وغیرہ کے لئے ایک "ناظر الاطبا" تھے
جو دواخانوں کا معائنہ کرتا۔ اور ان پر اپنی نگرانی رکھتا تھا۔ اسی سال حکومت
کے ناظر اور اس کے دفتر پر ([illegible]) روپے خرچ ہوتے تھے۔ اندازہ کیا گیا ہے
کہ ۱۳۴۶ف میں حکومت کو اپنی مد لوکل فنڈ سے ان اضلاعی دواخانوں کیلئے
ایک لاکھ بیانوے ہزار ایک سو تہتر ([illegible]) کے مصارف برداشت
کرنے پڑیں گے۔ واضح ہو کہ یہ رقم سرکار عالی ہر سال اضلاع "ممالک محروسہ" کی
بچت سے فراہم کیا کرتی ہے۔ اس رقم میں سے اضلاع کے سرکاری شفاخانوں کے
سوا بعض غیر سرکاری یونانی دواخانوں کو سالانہ ایک ہزار پچاس ([illegible]) روپے
امداد دی جاتی ہے۔ اور بعض مشہور اطباء کو بھی ان سے زیادہ، دس ہزار ایک سو
چالیس ([illegible]) کی حد تک امداد مقرر ہے اضلاع پر ایسے کل (۳۶) مطب ہیں
جنھیں حکومت کا تعاون حاصل ہے۔ دار الحکومت کے سرکاری شفاخانوں کے
علاوہ، بلدہ حیدرآباد میں (۱۹) خانگی دواخانے ایسے ہیں جنھیں سلطنت کی جانب
سے گرانٹ مقرر ہے۔ اور جو فاضل و مشاہیر اطباء کی نگرانی میں خدمت خلق میں
مصروف ہیں۔ انہیں مجموعی طور پر لوکل فنڈ کی مد سے تین ہزار ([illegible]) اور شاہی
مد سے بائیس ہزار بتیس ([illegible]) کی امداد دی جاتی ہے۔ بلدہ اور اضلاع کے
دواخانوں کے مجموعی مصارف ادویہ کے لئے ([illegible]) چونتیس ہزار ایک سو
ساٹھ سے زائد رقم مختص کی گئی ہے۔ اس طرح شاہی اور لوکل فنڈ کی مد سے حکومت

صرف اپنے صیغۂ طبابت کے شعبۂ طب یونانی پر سالانہ تین لاکھ بیاسی ہزار چار سو چورانوے (سکۂ عثمانیہ) صرف فرماتی ہے۔ اسکیم جدید (جو زیر غور ہے) کی صورت میں اس میں کئی گنا اضافہ کی توقع ہے۔ ۱۳۴۴ف میں اضلاع کے دواخانوں کا مرجوعہ آٹھ لاکھ چوہتر ہزار دوسو ساٹھ تھا اور ۱۳۴۵ف میں بلدہ حیدرآباد کے شفاخانوں میں ۹½ لاکھ مریض رجوع و صحت یاب ہوئے

سنہ ۱۳۳۰ف میں "انجمن اطبار یونانی" کا قیام عمل میں آیا، جو حیدرآباد کے اطباء کی غیر سرکاری انجمن ہے۔ جس کے سب سے پہلے پُر جوش معتمد، مولوی حکیم مقصود علی خاں صاحب تھے۔ جو اب اس انجمن کی بحیثیت صدر نشین سرپرستی فرما رہے ہیں۔

حضور نے فنِ طب کو کمال پر پہنچانے کے لئے ہر ممکنہ احکام صادر فرمائے ہیں، اور حکومت فیاضی کے ساتھ اِن مدات پر روپیہ صرف فرما رہی ہے، مگر افسوس ہے کہ کچھ ایسا جمود و خمود طاری ہے کہ حاملانِ فن ابھی تک بیدار نہ ہو سکے۔ دکن کی سرزمین قدرت کی بے شمار فیاضیوں سے مالا مال ہے، اِس کی خاک سے ایسی لا تعداد و لاتحصیٰ بوٹیاں اور دوائیں پیدا ہوتی رہتی ہیں کہ جن کی تحقیقات کرکے بلا مبالغہ مُردوں کو جلایا جا سکتا ہے، مگر یہ کب ہو، جب کوئی ابن بیطار سا باہمت نکلے، اور دکن کا چپہ چپہ چھان مارے، ان پر فنی حیثیت سے تحقیقات کرکے دنیا میں انقلاب پیدا کرے۔ ایسے شیفتگان فن ہی کہاں رہے، جن سے یہ توقع کی جا سکے؟

ہائے اُن سب کی دکانیں بڑھ گئیں   پاس تھی جن کے دوائے دردِ دل

ملک کے ڈاکٹروں سے یہ توقع رکھنی ہی بے سود ہے کہ وہ کچھ اِس پر کام کریں گے، اس لئے کہ وہ ولایت کی بنی بنائی اور پیٹنٹ ادویہ کے استعمال اور ان سے

متعلقہ باتوں کے سوا کچھ نہیں جانتے' کیونکہ اُن کا فن غیروں کا محتاج ہے مگر اسلامی طب کے علم بردار (توجہ کریں تو) وہ کمال دکھا سکتے ہیں' جو رشک زمانہ ہو سکتا ہے۔ دولت آصفیہ نے آج سے قریباً اٹھارہ سال پہلے اس مردہ فن کے احیاء کے لئے ایک خاص گشتی جاری فرمائی تھی' جو ۲۴ مہر ۱۳۱۸ف کے جریدہ اعلامیہ میں شائع ہوئی۔ اور آج بھی اس گشتی پر اُسی طرح عمل پیرا ہونے کی ضرورت ہے' جس طرح نافذ ہوتے وقت اس کی اہمیت تھی۔ ہم اپنی فیاض حکومت کے نوازشوں کے اظہار کے لئے' اور صاحبان فن کی تشویق کی خاطر از سر نو یہاں اس گشتی کو نقل کئے دیتے ہیں اور محکمۂ سرکار سے درخواست کرتے ہیں کہ پھر اس گشتی کی تجدید فرمائے۔

دو گشتی محکمہ معتمدی سرکار عالی علاقہ عدالت کوتوالی و امور عامہ (صیغہ طبابت یونانی) واقع ۲۹ خورداد ۱۳۲۸ف نشان (۲۲)

مقدمہ

تحقیقات ادویہ پیداوار ملک سرکار عالی

بخدمت افسر الاطباء سرکار عالی و میر مجلس صاحبان نوکلفنڈ

"ممالک محروسہ سرکار عالی میں جو ادویات نباتی یا معدنی یا جڑی بوٹیاں وغیرہ پیدا ہوتی ہیں ان کی تلاش و تحقیقات کرنے اور اُن سے کارآمد و مفید نتائج حاصل کرنے کی نسبت ابتک کسی قسم کا باقاعدہ انتظام نہیں ہے حالانکہ اس امر کی ضرورت ہے کہ اس بارہ میں خاص انتظام و اہتمام عمل میں لایا جائے۔ پس حکم دیا جاتا ہے کہ تمام اطباء یونانی و اور ویدک جن کا تعلق علاقہ شاہی یا نوکلفنڈ سے ہے' مفید و کارآمد ادویات کی تلاش و تحقیقات کی جانب خاص توجہ رکھیں اور ان کے تجربہ میں مقامی پیداوار سے جو چیزیں مفید و کارآمد ثابت ہوں' اُن کے متعلق جلد اوقات سے بصراحت اطلاع دیا کریں کہ اُن کے نام مختلف مقامی السنہ کیا ہیں کس مقام پر کس مقدار میں وہ دستیاب

ہوتی ہیں، ان کے افعال وخواص کیا ہیں، اور ان کا تجربہ کسی طبیب نے کس طرح سے
کن امراض میں کیا ہے، اور وہ کہاں تک مفید و نفع بخش ثابت ہوئی ہیں ایسی اطلاعیں
معہ نمونہ ادویہ وغیرہ معتمد مجلس طبابت سرکار عالی کے نام راست اطباء کو کرنی چاہئے
معتمد مجلس طبابت اس کو مجلس طبابت میں پیش کریں گے۔ مجلس طبابت سے (جس میں اطباء
یونانی وڈاکٹری شامل ہیں) ایسی اطلاع کے وصول ہونے پر مناسب کارروائی عمل
میں لائی جائے گی اور بصورت کسی جدید ومفید دریافت کے خاص طور سے صلہ دلانے کی
کارروائی کرے گی، اور تفصیلی کیفیت بغرض اطلاع عام شایع ہوتی رہے گی۔

جملہ اطباء سرکاری علاقہ شاہی و وکلفنڈ سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ اس طرف
خاص توجہ کریں۔ نیز اگر حکماء غیر سرکاری و دیگر اشخاص بھی اس بارہ میں کوئی اطلاع
مجلس طبابت کو دیں، تو اس کے متعلق بھی خوشی سے حسب صراحت بالا کارروائی عمل میں
لائی جائے گی[1]"

مثنیٰ خدمت معتمد صاحب مجلس طبابت سرکار عالی تعمیلاً و اطلاعاً مرسل ہے۔

مسلک، خدمت مہتمم صاحب دارالطبع بغرض اندراج جریدہ مرسل ہے فقط   شرہ دستخط

محمد اکبر نذر علی حیدری

معتمد عدالت کوتوالی و امور عامہ سرکار عالی

---

[1] ہمیں یہ معلوم ہوا ہے کہ حکومت ہند نے بھی ۱۹۳۱ء سے اس امر کی جانب توجہ کی ہے چنانچہ اس نے ۱۹۳۳ء میں اپنے پاس کی ساری مقامی حکومتوں کو اس کی اطلاع دی، جس پر حکومت مدراس نے خاص توجہ کی، اور ادویہ ہندیہ کی کاشت و پیداوار کے متعلق خاص غور و خوض کیا۔ اس معاملہ میں کلکتہ و بنگال کے کیمیکل پروفیسروں کی بھی امداد حاصل کی گئی ہے
قرابادین برطانیہ میں جو ادویہ مرقوم ہیں، لکھا ہے کہ ان ادویہ کی تین چوتھائی پیداوار ہندوستان میں ہو سکتی ہے، کیونکہ ہندوستان کی آب و ہوا منطقہ حارہ سے منطقہ باردہ تک ہر مقام پر الگ ہے۔ سنا ہے کہ امریکہ میں بھی ادویہ کی تحقیقات کیلئے ایک محکمہ وجود میں لایا گیا ہے، جو مختلف مقامات کا دورہ کرکے ایسی دواؤں کی تحقیقات کرتا ہے، روسی حکومت کے یہاں بھی
بر صفحہ آئندہ

طب یونانی کو ترقی دینے کے لئے بعض ہمدردانِ فن نے طبی رسالے بھی جاری کئے۔ دورِ عثمانی کا سب سے پہلا طبی پرچہ "المعالج" تھا، جو آذر ۱۳۲۸ف سے نکلنا شروع ہوا تھا۔ اس کے ایڈیٹر، مولوی حکیم بشیر احمد صاحب تھے، یہ رسالہ قریباً چھ سات سال تک کامیابی کے ساتھ چلتا رہا۔ اور اب سب سے آخری رسالہ "حکیم دکن" کے نام سے "انجمن اطباء" کی جانب سے، مولوی حکیم انیس احمد صاحب خیرآبادی کی ادارت میں، سلور جوبلی کی مبارک یادگار میں، ماہ ذیحجہ ۱۳۵۵ھ سے شائع ہونے لگا ہے۔

اعلیحضرت نے اپنے مبارک دور میں، جہاں طب مغربی کو بھی اپنی رعایا کی جانوں کی حفاظت کی خدمات سپرد فرمائی تھیں[1] وہاں اس وقت سے یونانی طب کے لئے بھی ایک ایسے شفاخانہ کی ضرورت محسوس فرمائی، جس میں مریضوں کو رکھ کر علاج کیا جاسکے۔ حضور کو فوراً اس ضرورت کا احساس ہوا ۱۳۲۶ف کا وہ مبارک زمانہ ہے جس میں اس ضرورت کی تکمیل کے لئے، ۲ر جمادی الثانی ۱۳۲۳ھ کو یہ فرمان صادر فرمایا۔

(بقیہ صفحہ گذشتہ) اس قسم کا ایک جدید شعبہ قائم کیا گیا ہے۔ حکومت ہند کی جو کمیٹی ہندوستان کی نباتاتی ادویہ کی پیداوار اور کاشت پر غور کر رہی ہے، اس کا نام "امپیریل کونسل آف اگریکلچر ریسرچ ہے" جس کا دفتر دہلی میں ہے۔

[1] یعنی ۱۳۲۲ھ میں "دواخانہ عثمانیہ" کی تعمیر بعرفہ (۱۳۳۲ف) عمل میں آئی، جو رودِ موسیٰ کے کنارے تعمیر ہوا ہے۔ اور جس میں دو سو مریضوں کے رہنے کا انتظام ہے۔ ایک عظیم الشان عمارت اور کثیر التعداد عملہ و ملازمین یہ کام کر رہا ہے اس کی بہترین تاریخ تعمیر "دواخانہ عثمانیہ" ہے مولوی شفیع حسن صاحب عارف نے نکالی ہے، جو دواخانہ کے وسطی حصہ میں، عمارت کی پیشانی پر نصب ہے ۱۳۴۳ھ

"چونکہ حال میں افضل گنج ہاسپٹل کے لئے ایک شاندار عمارت ہوئی، لہذا رود موسی کے قرب و جوار میں کوئی مناسب مقام تجویز کرکے یونانی مطب کے لئے بھی ایک عالی شان عمارت پانچ لاکھ کے صرفہ سے تعمیر ہونا ضروری ہے۔ جو کہ رفاہ عام کے لئے از حد ضروری ہے۔ اس لئے کہ یہ حکمت بھی اپنے اندر بہت سی خوبیاں پوشیدہ کر رکھی ہے، جن کو بروئے کار لانا ضروری ہے۔ پس اس کام کے لئے رکمل فنڈ سے مدد لی جاسکتی ہے، یا اس میں مزید رقم کی ضرورت ہو تو منجانب سرکار دی جاسکتی ہے۔ نظر بر آں صیغہ متعلقہ سے جلد تجاویز منظوری کے لئے پیش ہو کر کام کا آغاز کر دینا ضروری ہے۔ اس صدر شفاخانہ یونانی میں مریضوں کا اسی طریقہ پر علاج معالجہ ہوگا، جس طرح کہ افضل گنج کے ہاسپٹل میں ہوگا، اس عمارت کا نام "صدر شفاخانہ نظامیہ" ہوگا۔" ×

یہ عمارت حسب فرمان خسروی (۱۴۴۹۰۰) مربع گز احاطہ پر تیار ہوئی زمین کا معاوضہ (۲۳۰۴۹۴) روپیہ ادا کیا گیا اور یہ اندازہ کیا گیا تھا کہ (۵٬۱۵٬۸۷۵) روپیہ صرف ہوں گے۔ اور حکومت کے زیر غور یہ تجویز بھی تھی کہ ادویہ کی کاشت بھی کی جائے جس کے معاملات زیر غور ہیں۔ خود حضور والا نے فرمان مبارک کے بعد ۲۱ ربیع الثانی ۱۳۴۵ھ کو بنفس نفیس تشریف لا کر اس کا سنگ بنیاد رکھا، اور یہ عمارت رود موسی کے کنارے تیار ہونے کی عوض مکہ مسجد اور چار مینار کے روبرو تیار کی گئی۔ اور پانچ سال کے بعد ۱۳۵۰ھ میں مکمل ہوئی اس شفاخانہ میں (۱۵۰) مریضوں کی رہائش اور علاج کے انتظامات عمل میں لائے جائیں گے۔ اور طب یونانی کی بالکل جدید اصول پہ ترویج کی کوشش کی جائے گی۔

جب آپ شہر میں چار مینار کے قریب آئیں گے، تو اس عمارت کے نہایت مجلی و مصفی شاندار گنبد دکھائی دیں گے عمارت کی اطراف اس کی حدبندی

کے لیئے بیڑ کا کٹہرا نظر آئے گا، جس پر سلطنت کا شاہی مانوگرام "نظام الملک آصفجاہ" دکھائی دے گا، عمارت میں داخل ہونے کے بعد جب آپ اس کی سیر کرنے لگیں گے، تو آپ کو پہلے (اوٹ پیشنٹ) بیرونی مرضا کے علاج معالجہ کا مقام ملے گا، جہاں دوائیں تقسیم ہوتی ہوی نظر آئیں گی، اور اطبا اپنے اپنے مرضا کی تشخیص و نسخہ نویسی میں مصروف ہوں گے۔ جب آپ اس سے گزر کر عمارت پر نظر ڈالیں گے تو دور عثمانی کی خاص طرز تعمیر اور کچھ عربی اسٹائل کی عمارت پر نظر پڑے گی، جس میں حسن کارانہ کمال کے اظہار کی کوشش اور جدت کی گئی ہے یہ عمارت دو منزلہ ملے گی، جس میں بڑے بڑے ہال ہوں گے اور اسی میں مریضوں کو رکھنے کا انتظام ہوگا۔ ان وسیع دالانوں کے سوا خاص خاص کمرہ بھی موجود ہوں گے، جو کرایہ پر متمول مریضوں کو دئے جائیں گے۔ جب آپ مکہ مسجد کی سڑک پر کھڑے ہو کر اسے ملاحظہ فرمانے لگیں گے تو یہ عمارت آپ کی توجہ کو اپنی طرف پوری پوری مبذول کرالے گی اس کے شاندار وسیع کمانوں اور درجوں پر آپ کی نظر پڑے گی، جو اپنا ایک خاص اسٹائل رکھتی ہیں۔ اور ان پر وہی خوش وضع بروج ہوں گے، جو دور سے انجذاب نظر کا باعث بنا کرتے ہیں عمارت کا درمیانی حصہ ایک رفیع الشان کمان پر مبنی ملے گا، جس پر سب سے بڑا اور عالیشان گنبد ہے جس کے بازوؤں پر خوب صورت چھوٹے چھوٹے دروازے اور کھڑکیاں لگی ہیں اور ان پر نہایت ہی حسین چھوٹے چھوٹے گنبد بنے ہیں۔ اور اس کمان کے عین وسط اور دوسری منزل کے ابتدائی مقام پر ایک تنہا خوبصورت چھوٹا سا دروازہ ہوگا جو اس کمان کی شان و شوکت میں، ایک خاص انداز کے ساتھ اضافہ کرتا ہوا نظر آئے گا۔ جس کی طرز ایک ورانڈے سے زیادہ دلکش دکھائی دے گی اور اس کے نیچے برف کی سی سپید سل نظر آئے گی، جس میں برقی روشنی

ہوا کرتی ہے اور ساری عمارت میں برقی پنکھے اور جدید سے جدید نمونوں (ڈزائن) کی روشنی کے بلب نظر آئیں گے۔ اور یہ روشنی کا انتظام انوزیبل لائیٹنگ (غیر مرئی روشنی) کے طرز پر ہے گا۔ یعنی کوئی تار وغیرہ تو دکھائی نہ دے گا صرف بلب اور پنکھے برقی قوت و روشنی کی شہادت دیں گے۔ اس عمارت کی اطراف چھوٹے چھوٹے مکانات بھی نظر پڑیں گے، جو شفاخانہ کی ضروریات کی تحت کام میں لائے جاتے ہیں۔

طب یونانی کی یہ کمال خوش بختی ہے کہ حضور والا اس کی ترقی کے لئے ہر ممکنہ کوشش فرماتے رہتے ہیں۔ اور سب سے زیادہ موجب افتخار یہ امر ہے کہ اعلیٰحضرت نے خود اس عمارت کی تاریخ تعمیر "ھی بیت الحکمت والشفاء" ارشاد فرمائی ہے۔ جو عمارت کی پیشانی پر نصب ہے۔ یہ فخر سب سے پہلے صرف طبابت یونانی اور فن طب کو ملا ہے وہ اس پر جس قدر فخر و ناز کرے کم ہے۔

۱۳۴۵ھ

کمترین نے بھی اس عمارت کی تاریخ تکمیل "آصفیہ شفاخانہ یونانی" سے اور دوسری قرآن حکیم کی آیت پاک "وَمَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِينَ" سے نکالی ہے۔

۱۳۵۰ھ ۱۳۵۰ھ

یادگار سلور جوبلی مبارک میں اس عمارت کے تصویری ٹکٹ (۲ھ) بھی اجرا کئے گئے۔ جو نہایت دیدہ زیب و خوشنما ہیں۔

۱۳۳۶ف میں فن طب کی حقیقی ترقی کے لئے ایک اور فرمان مدرسہ طبیہ کے نصاب، شفاخانہ جات و گودام کی اصلاح و تنظیم کے متعلق صادر ہوا، کہ ان کا بھی اسکیم مرتب کر کے پیش کیا جائے۔ اور یہ کارروائی بھی عمل میں لائی جا رہی ہے کہ "جامعۂ عثمانیہ" سے اس مدرسہ طبیہ کا الحاق ہو جائے۔ طب یونانی سے شغف پیدا کرانے کے لئے گورنمنٹ نے (۲۰) وظائف بھی مقرر کئے ہیں۔ تاکہ قابل

لوگ اس طرف رجوع ہوں۔ مدرسہ میں عربی اور فارسی کی دو جماعتیں قائم ہیں جن کا فی الحال تین تین سالہ کورس ہے، اور ایک سال تجربۂ عملی کے لئے مقرر ہے توقع ہے کہ آئندہ پانچ سالہ تعلیم ہو جائے گی، اور نصاب میں معتد بہ اضافہ و تغیر عمل میں لایا جائے گا۔

بلدہ اور اضلاع کے دواخانوں کے لئے بھی موجودہ ضروریات کے لحاظ کو عمارتیں تعمیر کی جانے والی ہیں جسکی کارروائی جاری ہے۔

صدر شفاخانۂ جدید کی تنظیم اور اس کے کاروبار کو بہترین طریقہ پر اور اس فن کو ترقی دینے کے لئے حکومت خاص طور پر غور و خوض فرما رہی ہے چنانچہ اس سلسلہ میں اس نے کئی ہزار کے مصارف برداشت کرکے اقصائے ہند سے چوٹی کے اور سربرآوردہ اطبا کے ایک وفد کو طلب کیا تھا کہ وہ اس صدر شفاخانۂ یونانی کی جدید تنظیم کے متعلق ایک بہترین لائحۂ عمل حکومت کے آگے پیش کرے اس کمیٹی نے عمارت اور حالات کا معائنہ کرکے ایک اسکیم مرتب کی اور اس کو سرکار میں پیش کردیا۔

۹ رجب ۱۳۵۵ھ کو اطبائے یونانی نے شہزادۂ جوادجاہ کے حادثہ پر ملال (۲۴ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ) کے موقع پر ایک سپاس نامہ بندگان اقدس و اعلیٰ کے حضور میں گزرانا تھا، تو اس پر جہاں پناہ نے ان کے سپاسنامہ کا جواب ادا فرماتے ہوئے جو خاص الفاظ تحریر فرمائے تھے، اس سے بڑھ کر طبابت یونانی کے لئے کوئی اور چیز باعث افتخار نہیں ہوسکتی چنانچہ حضور نے شدت رنج و الم کے بعد بھی یہ تحریر فرمایا کہ:-

"الحاصل گو اس حادثہ جانکاہ سے میں متاثر ہوں بایں ہمہ علم طب کی طرف سے میرے دل میں کوئی سوءِ ظن نہیں کہ میں نے کامل تیس سال کے تجربہ کے بعد اس پر اعتماد کیا ہے"

یہ فرمان تاریخ طبابت یونانی میں اپنی آپ نظیر ہے۔" اعلیٰحضرت نے سر رشتہ طبابت کے انتظامات کی باگ ۲ رجب ۱۳۵۵ھ کو مولوی حکیم مقصود علیخاں صاحب[۵] کے ہاتھ مرحمت فرمائی کہ وہ اس سر رشتہ اور فن کو ترقی پر پہنچا سکیں مذکورۂ بالا سپاسنامے کے جواب میں آخر پر اعلیٰحضرت نے کمالِ عطوفت سے مولوی حکیم مقصود علی خاں صاحب کی ستایش بھی فرمائی ہے۔" یہ سپاسنامہ فرمان مبارک کے ساتھ حیدر آباد کے مشہور اخبار صبح دکن میں ۲۳ آبان ۱۳۴۵ف م ۱۱ رجب ۱۳۵۵ھ کو شایع ہوا ہے۔

مولوی صاحب کی جو شخصیت اور اُن کو جو علم و فضل حاصل ہے، وہ اہل ملک سے پوشیدہ نہیں۔ موصوف کی انتظامی قابلیت اور فن دانی کے متعلق تو متعدد شاہی فرامین گواہی دے رہے ہیں۔ چنانچہ موصوف حسب فرمان اقدس داعلیٰ سر رشتہ کی خدمت صدر مہتمی پر فائز ہیں۔ آپ مولوی حکیم منصور علی خاں صاحب کے بڑے صاحبزادے ہیں جن کا حال ہم "محبوبیہ دور" میں لکھ چکے ہیں۔

آج سے چند سال پیشتر طبابت یونانی کا افسر اعلیٰ "افسر الاطبا" کہلاتا تھا، لیکن بعد میں اس عہدہ کا لقب "صدر مہتمم طبابت یونانی" قرار دیا گیا، اور اب یہی عہدہ جدید اسکیم میں نظامت سے تبدیل کر دیا جانے والا ہے۔

حضرت جہاں پناہ کو اس فن کے خدمت گزاروں سے بھی ہمدردی ہے۔ چنانچہ جب حکیم انوار احمد صاحب نے یکم آذر ۱۳۴۶ف کو "دواخانہ مجیدیہ" کے افتتاح کے لئے (جو شہزادۂ مکرم جاہ بہادر عرف مجیدی پاشا سے منسوب کیا گیا ہے) حضور میں معروضہ پیش کیا، تو اعلیٰحضرت نے الطاف شاہانہ سے ان کے اس معروضہ کو قبول فرما کر اس شفا خانہ کا افتتاح فرمایا۔ اور ایک تقریر بھی فرما کر اس فن کے حاملین کی

---

[۵] حکیم مقصود علیخاں صاحب کے اس عہدہ پر فائز ہونے کی تاریخ کمترین نے "مقصود علیخاں افسر اطبا" سے نکالی ہے ۱۲
۱۳۵۵ھ

عزت افزائی فرمائی۔ جو ذیل میں درج کی جاتی ہے:۔

"فن طب یونانی جو ہمارے آبا و اجداد کی ایک بیش بہا میراث ہے، اس کو اس ملک کی آب و ہوا، اور یہاں کے لوگوں کے مزاج سے ایسی مناسبت ہے کہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ اس کے ذریعے سے مریضوں کو بہ نسبت دوسرے طریقۂ علاج کے، زیادہ کامل شفا حاصل ہوئی ہے، چنانچہ یہ خیال میرے دیرینہ ذاتی تجربہ اور مشاہدہ کا نتیجہ ہے اور اسی وجہ سے مجھے اس فن کے ساتھ ہمیشہ دلچسپی رہی ہے، اور اس میں جو تھوڑی بہت دست گاہ، اور اصول فن سے آگاہی میں نے حاصل کی ہے اُس کا ذکر خود حکیم انوار احمد صاحب نے کیا ہے، جس کے بارے میں مجھ کو کچھ زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے"

"مگر افسوس ہے کہ باوجود اس فائدے کے جو خلق اللہ کو اس طریقۂ علاج سے پہنچ سکتا ہے، موجودہ زمانہ میں عوام الناس کی توجہ اس فن کی طرف کم ہوتی جا رہی ہے اور خود اطبا نئی تحقیقات اور تجسس یا تجربہ کے ذریعے سے، تازہ معلومات فراہم کرنے میں اتنی سرگرمی نہیں دکھاتے جتنی اس فن کی ترقی بلکہ بقا کے لئے ضروری ہے، کیونکہ علم یا فن جمود کی حالت میں قائم نہیں رہ سکتا، بلکہ اُس کی بقا کے لئے یہ امر ضروری ہے کہ اس میں نئی تحقیقات اور معلومات کا اضافہ ہوتا رہے۔"

"ان ہی وجوہ کی بنا پر میں نے اپنے دارالخلافہ حیدرآباد میں، ایک نیا دواخانہ یونانی تعمیر کرایا ہے، تاکہ نہ صرف مریضوں کو اس سے شفا حاصل ہو، بلکہ خود طبیب دوا سازی کے فن میں مہارت حاصل کریں، اور فنی تحقیق و تدقیق میں مشغول ہو کر اس طریقۂ علاج کو ترقی دے سکیں۔"

اعلیٰحضرت خلد اللہ ملکہ وسلطنتہٗ کی طرح ہمارے ہر دل عزیز ولی عہد ہز ہائی نس میجر جنرل والا شان حضرت اعظم جاہ بہادر پرنس آف برار و سپہ سالار عساکر آصفی کو بھی طب سے گہری دلچسپی ہے، اور آپ ہمیشہ سے اس فن کی ترقی کے متمنی رہے ہیں چنانچہ

مارچ ۱۹۳۶ء میں طبیہ کالج مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ کا افتتاح فرمایا تھا، اور ۲۵ شعبان ۱۳۵۵ھ کو "صدر دواخانہ نظام آر یو دیدک" کا افتتاح فرما کر اپنی ہمدردی اور دلچسپی کا ثبوت دیا۔

حیدر آباد کے اُمراء کو بھی اس فن شریف سے کافی دلچسپی اور ہمدردی ہے۔ مہاراجہ سریمین السلطنت کشن پرشاد بہادر سابق صدر اعظم دولت آصفیہ کو کون نہیں جانتا، اور ان کی کوششوں سے کون ناواقف ہے۔ البتہ عام طور پر یہ نہیں معلوم ہوگا کہ مہاراجہ صاحب علم و فضل ہونے کے علاوہ، ایک اچھے خاصے طبیب بھی ہیں اور ان کے نام سے کئی نسخے مشہور ہیں۔ انہوں نے ذاتی طور پر بہت دنوں تک اپنی دیوڑھی میں اپنے نانا کے زمانہ میں مطب بھی کیا ہے۔

رائٹ آنریبل سر اکبر حیدری نواب حیدر نواز جنگ بہادر موجودہ صدر اعظم باب حکومت کی مساعی جمیلہ بھی موجب امتنان ہیں کہ پہلے پہل جب سررشتہ طبابت (۲۸) سال تک ہوم آفس کی ماتحت رہا تو قریباً اس میں سے دس سال سر اکبر کی نگرانی میں بھی اس سررشتہ نے ترقی کی۔ گو بعد میں باب حکومت کے قیام کے بعد یونانی صیغہ، صیغہ فوج میں ضم کر دیا گیا۔

ذیحجہ ۱۳۵۵ھ میں حضور آصف جاہ سابع کی سلور جوبلی مبارک جس جوش و خروش سے منائی گئی، وہ دکن کی تاریخ میں ایک بے نظیر یادگار ہے۔ پہلی ذی حجہ ہی سے جوبلی کے پروگرام کا آغاز تھا۔ چنانچہ اس روز "باغ عامہ" کے "جوبلی ہال" میں رعایاء ملک کے عام سپاس نامہ کا جواب ارشاد فرماتے ہوئے حضور نے طب سے متعلق جن مخصوص الفاظ میں گہرباری فرمائی وہ تاریخ طب میں ایک بے نظیر درجہ رکھتی ہے۔ رعایاء حیدر آباد کے لئے یہ سب سے پہلا تاریخی موقع تھا کہ ذریعہ لاسلکی، انہیں اپنے عزیز بادشاہ کی تقریر سننے کا شرف حاصل ہوا۔ جب نطق شاہانہ گویا تھا

تو رعایا، وفورِ عقیدت وجوشِ وفاداری سے ہر ہر لفظ پر بے خود ہو رہی تھی،
اور انتہائی حیرت ہو رہی تھی کہ دکن کا شہرہ آفاق، بیدار مغز سلطان جو اپنے
فرق شاہی پر علم وفضیلت کا تاج رکھتے ہوئے ایسا زبردست مقرر وخطیب
بھی ہے، جس کا جواب اقصائے ہند میں ڈھونڈے سے بھی نہ ملے گا اور ہمیشہ
سننے والوں کے کانوں سے تقریر شاہانہ کی لذت عمر بھر کبھی بھی زائل نہ ہو سکے گی
سننے والے صاف طور پر یہ محسوس کر رہے تھے کہ کسی فاضل باکمال سے بھی برتر اور مخصوص
ہستی اس جاہ وجلال سے گویا ہو رہی ہے، جو سوائے ظل اللہ کے کوئی اور نہیں
ہو سکتی۔ یہ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ ایک بادشاہ رعایا کے جذباتِ عقیدت سے
متاثر ہو کر شاہانہ تکلم میں مصروف ہے۔ سپاس نامہ کے جواب میں فن طب سے
متعلق شاہی الفاظ یہ تھے :-

"مشرقی طب سے مجھ کو ہمیشہ شغف رہا ہے، کیونکہ یہ طریقۂ علاج، عوام الناس
کو مرغوب اور بہت مفید ہے، اور مجھے امید ہے کہ خاص دواؤں کے تیار
کرنے اور اس قدیم فن کو از سر نو زندہ کرنے اور حاذق حکماء کو جمع کرنے کی طرف
صیغۂ متعلقہ خاص توجہ کرے گا کہ اس کی اسوقت یہاں سخت ضرورت ہے۔"[1]

۵ ذی الحجہ کو شام میں پانچ بجے باغ عامہ میں مختلف طبقوں کی جانب سے مختلف
سپاس نامے پیش ہوئے، اور ان میں اطباء یونانی کو بھی اپنا سپاسنامہ پیش کرنے
کی عزت عطا کی گئی تھی۔ تو حضور والا نے اس موقع پر نمایندگان صدر جمعیت امداد
باہمی اور اطباء یونانی کو مخاطب کر کے فرمایا کہ :-

"امداد باہمی اور طب یونانی کے بارے میں میں عام ایڈریس کے جواب میں کافی کہہ چکا

---

[1] مطبوعہ اخبار رہبر دکن جلد (۱۷) نمبر (۱۱۰) ۳ ذی الحجہ ۱۳۴۵ھ دوشنبہ۔

ہوں لہٰذا اس کا اعادہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں ہر دو گروہ کی کارگزاری
کو اپنی حد تک ملک کے لئے بے حد مفید سمجھتا، اور امید کرتا ہوں کہ وہ زمانہ دراز
تک ملک کو فائدہ پہنچاتے رہیں گے میں ان کے سپاس ناموں کو قدر کی نگاہوں سے
دیکھتا ہوں اور ان کے اظہار عقیدت سے بہت خوش ہوا۔"

اس جشن سیمین کی مبارک تقریب میں ایک، کتاب "طب عثمانی" کے بھی نام سے شائع ہوئی ہے، جس کے متعلق معلوم ہوا ہے کہ یہ مشہور حکیم عبدالرحمن صاحب سہارنپوری کی تالیف ہے، جس کو مرحوم نے آج سے چند سال پیشتر، چار جلدوں میں لکھا تھا جواب سرکاری طور سے دارالطبع میں چھپوائی گئی ہے۔

ہم نے اس دور کے اطباء کا حال لکھنے سے قصداً گریز کیا ہے۔ اس لئے کہ اُن سے ہر شخص واقف ہے۔

الغرض اس مبارک "دور عثمانی" میں اس فن شریف کے لئے وہ سب کچھ ہو رہا ہے، جو اس کو ترقی پر پہنچانے کے لئے ضروری ہے۔ پروردگار عالم ایسے بیدار مغز تاج دار کو مع خانوادۂ عالیہ ایک عرصۂ دراز تک خوش و خرم رکھے ع

زمن دعا و ز قدوسیاں بود آمین۔

تمت